

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_222086

UNIVERSAL
LIBRARY

•CUP--901--26-3-70--5,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 191453<

Accession No. 10135

Author ع-ر

14 10135

Title

عقبات

This book should be returned on or before the date last marked below.

اَزْوَاجُ الْهِنْدُ عرف عورت ذات از

حضرت ضیا، الملک، ملا رموزی، فاضل آلیات، ایم، آر ایس، (لنڈن)
 ایم، ایل، ایس، (فلاڈینیا امریکہ)

جس میں

یورپ کی بیوی، امریکہ کی بیوی، افریقہ کی بیوی، ایشیا کی بیوی، ہندوستان کی، بھارت کی،
 کسان کی بیوی، مزدور کی بیوی، مہاجر کی بیوی، تہولی کی بیوی، کھڑے کی بیوی، مالی،
 بیوی، علوانی کی بیوی، بھٹیاریے کی بیوی، چار کی بیوی، گداگر کی بیوی، بھنگی کی بیوی،
 تیلی کی بیوی، دھوبی کی بیوی، جلاہے کی بیوی، رنڈی بیوی، بلوچی بیوی، مشاطہ بیوی،
 ٹھیکر اور سینما کی بیوی وغیرہ، اور ان کے شوہروں کے حصے سوا ہلے والے اور پرلے
 حالات، ازدواجی زندگی کا دلفریب نمونہ

بابۃ ۲۹ اسلامی
 ۱۹۳۱ عیسوی

درمطبع گیلانی لاہور باہتمام بابونظام الدین مہتمم لاہور طبع شد
 ملنے کا پتہ = ملا رموزی، بھوپال، قیمت فی جلد ملاوہ محصول ہے

خطوطِ مَلا رَموزی

یہ طرزِ انشاء و تحریر مَلا رَموزی کے جدت نگار و ندرت آفریں قلم کا تیسرا نمونہ ہے، جو صرف ادنیٰ نے ایجاد کیا ہے، یہ خطوط اصل میں مستقل اور نہایت طویل مضامین ہیں جنہیں پُرانے رنگ کے فشیوں کے خطوط کے رنگ میں کچھ اس درجہ لطافت و سلاست کے ساتھ کھا گیا ہے کہ پڑھنے اور اندازِ تحریر اور سادہ عبارت میں ظرافت و نکتہ آفرینی کی ادب ہمارا راجد توں اور ترکیبوں پر حیران رہ جائے، پُرانے رنگ کے فشیوں کے اس اندازِ تحریر میں مَلا رَموزی نے سیاستِ حاضرہ، تمدنِ جدید، اور مزدوریاتِ روزمرہ پر جس کمالِ قابلیت سے بحث کی ہے اس کی بے مثالی اور لاجوابی کے اثر سے یہ خطوط اردو کے سب سے بلند اخباروں اور رسالوں میں بڑی مسرت کے ساتھ شائع کئے گئے ہیں، ادبیاتِ اُردو میں ایک باطل ہی انوکھی صنفِ تحریر کا یادگار نمونہ، قیمت فی جلد اچھ

(صادق صحیح)

ملنے کا پتہ = مَلا رَموزی بھوپال

۷۷۵۸

فہرست مضامین عورت ذات

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱۷۵	صدیوں سے علم و تعلیم کا چرچا ملک ہندوستان	۱	فہرست مضامین
۱۷۶	جو مع اپنے شوہر کے باہمی محبت ہیں	۲	مقدمہ
۱۷۷	اور جو کسی نکستی طرح بازار اور عام زندگی	۳	بیوی کی تعریف
۱۷۸	کو متاثر کرتی ہیں،	۴	بیوی کی مزدورت
۱۷۹	کسان کی بیوی،	۵	بیوی و عورتوں کی بیوی
۱۸۰	مزدور کی بیوی،	۶	بیوی کی بیوی
۱۸۱	مہاجر کی بیوی،	۷	بیوی کی بیوی
۱۸۲	تمبولی کی بیوی،	۸	بیوی کی بیوی
۱۸۳	گنہگار کی بیوی،	۹	بیوی کی بیوی
۱۸۴	حلوائی کی بیوی،	۱۰	بیوی کی بیوی
۱۸۵	بھٹیاری کی بیوی،	۱۱	بیوی کی بیوی
۱۸۶	گداگری کی بیوی،	۱۲	بیوی کی بیوی
۱۸۷	بھنگی کی بیوی،	۱۳	بیوی کی بیوی
۱۸۸	مالی کی بیوی،	۱۴	بیوی کی بیوی
۱۸۹	دھوبی کی بیوی،	۱۵	بیوی کی بیوی
۱۹۰		۱۶	بیوی کی بیوی
۱۹۱		۱۷	بیوی کی بیوی
۱۹۲		۱۸	بیوی کی بیوی
۱۹۳		۱۹	بیوی کی بیوی
۱۹۴		۲۰	بیوی کی بیوی
۱۹۵		۲۱	بیوی کی بیوی

مقدمہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ ؕ وَنُصِّیَ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اس عنوان کے تحت، تالیف و تصنیف کے عام قاعدہ کے موافق جو ”بلاغت

ار بودی“، فرمائی جاتی ہے اور سبب تالیف کتاب ”کو ظاہر کرنے کے لئے جوہن پیرا عبات

اور منطق آرا الفاظ جمع کئے جاتے ہیں اُن سے ہٹ کر صرف چند سیدھی اور سادہ باتیں بیان

کر دینا اس لئے مناسب ہے کہ یہ اتنی موٹی کتاب موجود تو ہے، اب اس میں کچھ

سبب کے لئے فرمایا، مگر آپ فرمائیں گے کہ اگر یہ ہے تو بس اب اس کے آگے

آپ بھی کچھ نہ لکھئے، ہم خود ہی سب کچھ سمجھ لیں گے، تو اس موقع پر آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ

ملا رموزی صاحب فقہ کے عنوان سے جو کچھ لکھ رہے ہیں وہ کتاب میں نہیں ہے اس لئے

اُن کا لکھنا تو ہوا ”برحق“ اور آپ کا اسے پہلے سے سمجھ لینا ہوا نا،

.....

جب سے ہم ملا رموزی صاحب مشہور ہوئے ہیں ظاہر ہے کہ اُس کے بعد یہ

خدا نے ہمیں ”رفتہ رفتہ“ کے عام قاعدہ سے کبھی زاد لطف، بنایا تو کبھی دام ظلال

اور کبھی دام اجلالہ، کبھی قبلہ تو کبھی حضرت لیکن اب خدا کے فضل سے ہم دام ظلال اور دام

اقبالہ کے رُتبہ رفیع پر پہنچا دیے گئے ہیں، اور کئی میں صرف یہ آتا ہے کہ بے چارے
 ملا صاحب بال بچوں والے آگے ہو گئے، اس لئے خواہ مخواہ یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر
 یہ اپنے بال بچوں کو کس دن کے لئے محفوظ رکھتے ہو اسی بھی اگر زندگی میں لکھ دو تو *
 مکارِ ثواب ہے پس اس خیال کا پیدا ہونا تھا کہ ہندوستان کی تمام عورت ذاتوں
 نظر جا پڑی، یا یہ تمام عورتیں ہماری نظر پر آ پڑیں، اب جو اس خیال سے ان کو دکھایا
 تو عالم ہی دوسرا نظر آیا یعنی ہندوستان کی بنی ہوئی عورت کچھ اس درجہ بھی مجبور
 برباد، بے کس، اور عجیب و غریب سی نظر آئی کہ جی چاہا کہ یا تو اسے عورت کے عوض
 عجائب خانہ کہہ کر بچائیں یا پھر صحیح معنی میں اسے عورت بنا کر چھوڑیں،

پس یہ اتفاق تھا کہ سال ۱۹۰۷ء میں ایشیا کی سب سے نامور و نام آدر ترکی قوم کا مرکز
 جدال و قتال یونانیوں سے شروع ہو گیا، پھر اسی مرکز میں ترکی عورتوں نے اپنے
 مردوں کے ساتھ مل کر انتظامی اور جنگی معاملات میں جن کاموں کو انجام دیا وہ ایشیاء
 کے لئے عموماً اور ہندوستان کے لئے خصوصاً حد سے سواجرت انگیز اور بیدار کن تھے،
 اور اسی اثر سے ملازمین نے ان مجاہد و ذی علم ترکی عورتوں کے حالات پر ایک
 کتاب اٹلی زلمے میں لکھی جس کا نام ”خواتین انگورہ“ ہے اور جو مبلغ ایک روپیہ میں مہتمم صاحب
 دائرۃ ادبیہ لکھنؤ سے ملتی ہے، اس کتاب کے لکھنے سے دماغ پر یہ اثر ہوا کہ ملازمین
 صاحب اُسی وقت سے ”ثلث عورت“ ہو چکے تھے، اگرچہ اخباری مضامین کی کثرت
 اور رسالوں میں بمقدار کثیر مضامین لکھنے اور نوکری پر حاضر رہنے کے باعث، کبھی اتنی فرصت

نصیب نہیں ہوئی کہ دن رات عورتوں ہی کو دیکھتے اور سمجھتے رہتے، مگر جناب جس وقت والدہ صاحبہ عمرہ نے اپنی پسند سے ہماری شادی کرائی اور جو ہمارے ننھے میاں کی والدہ ہمارے گھر میں تشریف لائیں تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ ملا رتوزی نصف مرد اور نصف عورت، جو کر مگئے اور اب جو اپنی شادی اور نتیجہ شادی پر غور کیا تو دن میں تین ہزار مرتبہ کہنا پڑا کہ ”اُف“، یوں ہوتی ہیں ہندوستانیوں کی شادیاں، اور اللہ اکبر ایسی ہو کرتی ہیں ہم لوگوں کی بیویاں!!!

ادھر تو یہ ہوا اور ادھر ہندوستان میں جنگ یورپ باہر ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء میں یورپ پر کہ اور ایشیا میں روسی اور ترکی عورتوں کے حالات نے ہندوستانی عورتوں کو نصف کے قریب مرد بنادیا، یہاں تک کہ اس کتاب کے لکھتے وقت تو ہندوستانی عورت زہنا کا کانا مال رکھ کر مردوں کے ساتھ ”ترک موالات“، مقاطعہ جوئی، عدم تشدد، کھادی و کھد، برطانوی مال کا مقاطعہ، ”کپٹنگ“، ”سیتہ گرہ“، ”گوبیک سائن“، انقلاب زندہ باد، ملکیت ہر باد، ”گرفتاری“، ”قید“، رہائی اور پھر دیہی کی وہی ہو کر یوں نظر آنے لگی اور یوں بڑھنے لگی کہ بس جناب اُف“،

پھر ان حالات پر کوئی وجہ دینی کہ ملا رتوزی ایسا غریبوں اور اربابِ علم کی نظر میں قابلِ قدر آدمی اور امیروں اور فتری لوگوں کی نظر میں ناقابلِ قدر آدمی متاثر نہ ہوتا، جی میں تو آیا تھا کہ اگر ہندوستانی عورتوں کے ایسے ہی کام ہندوستانی عورتوں کی بیداری ترقی اور اعلیٰ تعلیم یافتہ پن ہیں، تو اپنے ننھے میاں کی والدہ سے بھی کہہ دیں کہ ماؤ بھائی تم بھی

دکانوں کے سامنے کپٹنگ کرو اور مجلسوں میں تقریریں، مگر وہ تو خدا ہی نے روکا ہے اس حرکت سے اور مٹا خیال ہوا کہ اس سے پہلے ہندوستان کی عورتوں کی ترقی، بیداری اور تعلیم و ہنرمندی پر ایک نظر ڈال لیں، اگر ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر ایک نسخے میاں کی والدہ کیا دس والدائیں نہ سمجھیں کہ نام تو ہو کہ ہاں بھی ملتا تو زہی صاحب خاصے شریک ترقی ہوئے لیکن یہاں پہنچ کر ایک سوال تھا وہ یہ کہ صحیح معنے میں "عورت ذات" کے قرار دیا جائے کیونکہ صرف و نحو کے قاعدوں سے تو عورت اسم نکرہ ہے یعنی ہر وہ آدمی ناجیز جو کرتا ہوں کے عوض "کرتی ہوں" کہے اور آتا ہوں کے عوض "آتی ہوں" کہے "فہم العورت ذات"، مگر ڈر پیدا ہو کہ اس طرح ہر آتی ہوں "اور کرتی ہوں" کو عورت

قرار دینے سے یہ "لونڈیاں"، لڑکیاں، بچیاں، پٹیاں، اور ہڈنگیاں، بھی عورت قرار دیدی جائیں گی، کیونکہ یہ بھی تو لڑکیوں سے بڑھاپے تک یہی کہتی ہیں کہ "آ تو رہی ہوں مرے کیوں جاتے ہو"، اس لئے ضابطہ یوں بنانا پڑا کہ "عورت ذات وہ جو کسی مرد کی بیوی ہو"، پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ آخر بیوی فقط کو تو والوں، مجسٹریٹوں، عالموں اور رئیسوں ہی کے ہاں تو ہوتی نہیں ہے بلکہ وہ تو کسان کے ہاں بھی ہوتی ہے اور مہاجن کے ہاں بھی، دھوبی کے ہاں بھی اور چار کے ہاں بھی، جلاہے کے گھر میں بھی، اور تمبولی کے گھر میں بھی، بھٹیاری کے گھر میں بھی، اور مالی کے گھر میں بھی، پھر یہ بھی نہیں کہ صرف ہندوستان کے گھروں ملتی ہے بلکہ وہ یورپ میں بھی ہوتی ہے، امریکہ میں بھی، افریقہ میں بھی، اور ایشیا کے دوسرے ممالک میں بھی، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ لکھو تو ان سب کو لکھو در نہ ایک کو بھی نہ لکھو

اب جو یہ طے پایا تو انھوں میں آسودہ بڑ با آئے، یہ سوچ کر کہ اے خدا کے بندے ملّا رموزی تو اتنی دور دور کی اور اتنی زیادہ بیویوں کے ازدواجی حالات لکھنے چلا ہے تو تیری جانب قوم میں علم و تصنیف کا یہ ذوق کہاں کہ وہ تجھے یورپ کا مکٹ بھی دلا دے اور امریکہ کا بھی، افریقہ بھی بھیج دے اور ایشیا میں بھی ہر شہر دکھا دے، اور تو ہندوستان تک کے ہر فرقہ اور ہر قبیلے کی بیوی کے حالات بچشم خود دیکھنے کے لئے اگر جانا چاہے تو یہ تیری ہی قوم کے ریکو مکٹ کلکٹر تجھے بے مکٹ پا کر وہ کالی وردی والے ریلوے سب انسپکٹر پولیس کے حوالے کر دیں اور شرافت سے یہ بھی نہ کہیں کہ معاف کیجے گا ملا صاحب یہ ہے معاملہ مضابطہ کا، اور اُنے بے چارے ملّا رموزی تیرے لئے یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تیری قوم کے دولت مند بگ ایک ایسا عظیم الشان کتب خانہ عطا فرما دیں جس میں تمام دنیا کی بیویوں کے حالات موجود ملیں اور انھیں ہر زبان کا ترجمان اور ترجمہ ترجمہ کر کے تیری میز پر رکھتا جائے اور لکھتا جائے اس لئے تو بھی بس اتنا کر کہ بیرونی مالک کے جتنے حالات تجھے آسانی سے اخباروں رسالوں اور کتابوں میں مل جائیں اُن سے نہایت خشک اور پلکے پلکے خاکے بیرونی بیویوں کے اس لئے پیش کر دے تاکہ یہ تیرے ہندوستان کی بیویاں اُن نمونوں سے اپنے حالات کا اندازہ کر کے کسی مفید انقلاب کو اپنے لئے منتخب اور اختیار کر سکیں، لہذا اس کتاب کے حصّہ اول میں یورپ، امریکہ، افریقہ اور ایشیا کے جن مالک کی بیویوں کے حالات کم یا خشک نظر آئیں تو اس کی سزا انھیں دیجے، جو یورپ و امریکہ جاتے وقت ملّا رموزی ایسے بالغ نظر اہل قلم اور محقق مضمون نگار سے جھوٹ کو اتنا بھی نہیں کہتے کہ ارحمٰیٰ نہر سویز، اور پیرس تک ہی تم بھی

* چلو اور اگر دل چاہے تو لندن تک بھی چلے جاؤ،

یہی نقشہ نظر آجکا آپ کو دھوبی، بھنگی، حلوائی، بھٹیاریے، کھنڈے، تیلی، کسان، ریڈی
اور تھپڑ کی بیویوں میں کہ ان میں سے ہر ایک کے مکمل حالات کئے گئے ہیں ایک گزلیں قد
منصب دیکر لکھنؤ میں بھی رکھا جاتا اور پنجاب میں بھی، کلکتہ میں بھی، اور بمبئی میں بھی،
تاکہ ہر صوبے اور ہر ضلع کی ازدواجی زندگی اور میاں بیوی کے مکمل حالات خود
دیکھ کر گنتے مگر جب یہ نہ ہوا تو فیصلہ کیا کہ ان حالات کو بھی اتنا ہی لکھ دیتا کہ اپنے آپ
گھر میں رہ کر جانتے ہو جس میں تم ملازموزی صاحب سے ملنے کے لئے بڑے بڑے لیڈر
ایڈیٹر، اور افسر آتے ہیں اور یہ کہہ کر چلے جاتے ہیں کہ واقعی ملازموزی تم بہت
غریب آدمی ہو، یہ دیکھو تو تمہارا مکان کتنا شکستہ ہو رہا ہے، مگر کوئی نہیں بنوا دیتا اس
کو، خیر بھائی صبر کرو ملا صاحب،

پس ان حالات پر یہ نہ سمجھ لیجے کہ تصنیف و تالیف اور تحقیق و جامعیت کے ساتھ
ملازموزی نے یہ کتاب لکھی ہے، بلکہ یوں سمجھو کہ اس کتاب نے خود ملازموزی کو لکھا
ہے، تاکہ رہتی رہتی دنیا کو اس کتاب کے ذریعہ معلوم ہوتا رہے کہ ۱۹۳۱ء میں
ہندوستان میں زبان اردو بولنے والے لکھنے والے یوں لکھا کرتے تھے کہ ایسی
اردو تک پر لعنت،



اب تصنیفی اور ترقیبی اعتبارات و اصول سے اس کتاب کا معاملہ یوں ہے کہ

ہندوستان میں عورت کا جو مفہوم خود عورتوں نے اور مردوں نے سمجھا وہ یہاں کی مختلف اقوام کے میل جول اور رسم و رواج سے ہمیشہ متاثر اور متغلب ہوتا رہا، چنانچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ بعض معتقدات و اعتبارات ہندو عورتوں سے مسلمان عورتوں نے اختیار کر لئے اور بعض ہندو عورتوں نے مسلمان عورتوں کی باتیں سیکھ لیں، اسی طرح عورت اور اُس کی فضیلت کا معاملہ بھی کبھی طے نہ ہونے پایا، البتہ انگریز قوم کے غلبہ پانے سے اس معاملہ میں پھر ایک طرح کی جان آگئی، یہاں تک کہ تقریباً نصف صدی سے ہندوستان میں یورپ کی تقلیدی عورت پیدا کرنے کا خیال محسوس ہونے لگا، لیکن اس خیال کی رفتار اتنی ہی تیز تھی جتنی کہ ایک تندرست آدمی کی رفتار فیون کھالینے کے بعد ہو جایا کرتی ہے، لیکن جنگِ بابت ۱۹۱۴ء کے بعد سے خود ہندوستان میں انگریزوں سے ہندوستان آزاد کی تحریک نے جس ذہنی بیداری کو ترقی دی اُس میں عورت کی ضرورت کا احساں اب اتنا ہی تیز نظر آنے لگا جتنا کہ ملکِ مصر میں بلوہ ہو جانے کے وقت یورپ کے ہوا جہاز اپنی اپنی رعایا کو بٹھا کر بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر یہ ۱۹۱۴ء کے بعد عورت کی ترقی کا معاملہ اصل میں ایک بحرانی اور پُر جوش جذبہ تھا جس نے بغیر قسم کی تعلیم و تربیت کے عورت عورت کی آواز اور مطالبہ کی صورت اختیار کر لی، اور اُسے بعض ”شدُ بردہ عورتیں“، نمائش اور عمل کے اُن بلند تر مقامات پر ایک دم نظر آنے لگیں، جہاں بڑے بڑے مہتمم کار اور آزمودہ کار لوگ نظر آتے ہیں اس لئے

مانے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ تم جس ترقی یافتہ عورت کو دکھانے چلے
 یا جو عورت ہو کر اپنی برادری کو "حقوق طلب"، اور مساوات خواہ، "ثبات
 رتی ہے۔ دیکھئے کہ اصل عورتیں کن حالات میں مبتلا ہیں اور کہاں پڑی ہیں
 ران میں سے ہر ایک کے لئے کن کن اسباب ترقی کی ضرورت ہے؟ اس لئے
 کرنا پڑا کہ اپنی بیوی سے لیکر جتنی بیویاں ہو سکیں لکھ دیں اور جس طرح ہو سکا
 عدیں، تاکہ مصلحین ملک اور رہنما خواتین کو اپنے اصلاحی امور میں اس کتاب
 سے مدد ملے، اس لئے اس کتاب میں جتنے خاکے نظر آئیں انھیں مکمل نہ سمجھئے
 رہنہ ۱۹۱۴ء سے پہلے کے، کیونکہ اس میں جو کچھ ہے وہ ۱۹۱۴ء کے بعد سے ہے
 "تازہ بتازہ نو بنو"، کہا جاسکے جبکہ مقصود اصلاح بھی "عورات حاضرہ"، کا ہے
 لہذا عورات غیر حاضرہ، کا

اگر آپ نے آنے والے صفحات میں تفریح اور مذاق کو چھوڑ کر یہ معلوم فرمالیا
 ہندوستان کی اصل عورت یہ نہیں جو یورپی اقوام کے لباس ان کی عادات
 اطوار، ان کی زبان اور ان کے ہر عمل کا تقلیدی ڈھانچہ بنی ہوئی ہے بلکہ ہندوستان
 اصل عورت وہ ہے جو اس کتاب کے پچ میں، کسان، مزدور، دھوبی، مہاجر،
 ننگی، تہولی، بھٹیاری، مالی، تیلی، کچھڑے، حلوائی، زبڈی، چار، گداگر، مہاجن اور
 رموزی کی بیوی بنی ہوئی ہے، تو مگر رموزی خوش ہو گا کہ خدائے رحیم و رحمان نے
 کی نیک نیتی اور محنت کو قبول فرمالیا، کیونکہ انہی عورتوں سے آپ کو نسوانی ہندو کی

اصلاح و ترقی کے صحیح راستے ملیں گے،

وَصَلِّ عَلَى نَبِيِّ اللَّهِ تَعَالَىٰ وَآلِهِ وَاصْحَابِهِ أَجْمَعِينَ

مُلا رتوزی

۱۱۔ اپریل ۱۹۳۱ء، مطابق ۲۲۔ ذی قعدہ ۱۳۴۹ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیوی کی ضرورت

انسانیت کی تکمیل و تہذیب، عروج و ترقی اور نظم و انصرام کیلئے شادی کی فرضیت اور ضرورت ہر قوم اور ملک میں مسلم ہے۔ ہندوستان میں بھی اس ضرورت سے انکار تو نہیں کیا جاتا لیکن اسے ”خرفناک“ اور ہلاکت بار ضرور کہا جاتا ہے جس کا اصل سبب آگے بیان کیا جائے گا۔

دنیاۓ انسانیت اور بنی نوع بشر کے مصلح اعظم اور مسلمانوں کے ہادی و مرشد رسول خدا حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کو ”عمل خیر“ کہا ہے اور ایسے اشخاص کو جن کی مالی اور جسمی مقدرت مسلم ہو چار عورتوں سے شادی کرنا جائز فرمایا ہے، اور تاج دنیا جہان کے حکمران اور ارباب فضل و تحقیق بھی بیک وقت چار شادی کر چکے ہیں ہیں بشرطیکہ شوہران چار عورتوں کے حقوق و فرائض کو بسادہی طور پر ادا کرنے کے ساتھ ہی ان میں ربط و یگانگت بھی قائم رکھ سکے۔

انسانی ضروریات کے لحاظ سے شادی اس درجہ ضروری چیز ہے کہ بغیر اس کے انسان اپنی کسی تحریک اور ضرورت کو کبھی طرح سے پورا نہیں کر سکتا یہاں تک کہ وہ

خود اپنی زندگی کو سہولت، دلچسپی، سکون، نظم و جامعیت، اور تنظیم و تہذیب کے ساتھ بسر نہیں کر سکتا، جماعت میں بھی اُس کو کوئی وزن و وقار حاصل نہیں ہوتا اور خاندان میں بھی وہ باوصف خاصی عمر کے ”لونڈا“ اور چھپو راہی بنا رہتا ہے۔

اہل شہزادہ اہل محلہ اور کو تو ال شہر کی نظر میں بھی اگر وہ رات کو اپنے گھر پر موجود نہ ملے تو مشتبہ ہی رہتا ہے، اور عورت ذاتوں میں تو اُس کی کوئی عزت ہی نہیں۔
مذہب محترم اسلام کی نظر میں بھی اُس کا کوئی وقار اس لئے نہیں کہ وہ ایک مسنون طریق و ضابطہ سے گریز کرنے والا ہے۔

ہائی کورٹ کی نظر میں بھی وہ حقوق وراثت اور جانشینی کی مراعات سے بنی نوع بشر کو دانستہ طور پر محروم رکھنے کا مجرم ہے۔

حکیموں اور ڈاکٹروں کی نظر میں بھی اُس کا دماغ ”پاگل“ ہوتا ہے یا وہ خود مجنون ہوتا ہے، یعنی غیر شادی شدہ انسان کی صحت نہ معتدل سمجھی جاسکتی نہ قابل اعتبار گویا وہ ایک طرح کا گدھا بھی ہوتا ہے، اور انشا پر دازوں اور مدیرین وقت کی نظر میں ”بے جو رو آدمی“ ہی ہو سکتا ہے، جو الفت و عاشقی، رحم و کرم، عدل و انصاف، عفو و درگزر، کفایت و انصاف مساوات و رواداری، صبر و تحمل، اضطراب و اشتغال اور بین الانسانی اخلاق و روابط اور خواص و خصائل سے یکسر سمجھا جاسکتا ہے کہ بڑا بڑا کئے ان جذبات و تاثرات کا تجربہ ناممکن ہے، اور اسی لئے انسان کا احساس عمل اور ذہنی صلاحیت قابل اعتماد نہیں۔

پھر اس لئے بھی شادی ضروری ہے کہ ہندوستان

میں بنی اسے پاس کرنا اور انگریزوں سے اپنی حکومت بغیر لڑے چھین

نہیں رہ گیا ہے بلکہ اُس کے ذمہ اور دوسرے اور بے شمار کام بھی ہیں جس میں

سب سے بڑا کام روزی کمانا بھی ہے جسے ملازمت بھی کہتے ہیں اور تجارت و زراعت

بھی مگر تمدن یا جماعتی قاعدوں کے حساب سے انسان روزی اُسی وقت کما سکتا ہے

جب وہ کافی محنت اور استعداد سے کام لے پھر جب وہ روزانہ کافی محنت اور

استعداد سے کوئی کام کرے گا تو اُسے سات بجے شام سے صبح کی اذانوں تک کام

اور کامل راحت کی بھی ضرورت ہوگی اور وہاں کچی ہوئی روٹی بھی چاہے گا یعنی

اُسے یہ بھی ضرورت ہے کہ وہ انسانوں میں رہ کر ”جامہ انسانیت“ میں بھی رہے

اور جامہ انسانیت ”کہتے ہیں اس کو کہ انسان کا ایک مکان ہو اُس کے صاف ستھرے

کپڑے ہوں پیپ جوتا ہو اور ہنسنے پچھانے کو محاف ہو کبیل ہو چادر ہو اور روٹی

پکانے کے برتن ہوں مرغام غری ہوں بکرا بکری ہوں صندوق ہوں الماریاں ہوں

سر کے انگریزی بال سنوارنے کے لئے آئینہ ہو روشنی کے لئے بجلی کا ہنڈا نہیں ہو

ایک دیا تو ہو اور جو ذرا بڑا انسان ہو تو پھر اُس کے لئے دار بھی صاف کرنے کے

اُسترے صابون لونڈر آئینہ تولیہ ٹینس کا بال ہاتھ کی گھڑی پستول

کوٹ پان کا ڈبہ سیگریٹ کھیس اور مہیت کے ساتھ ہی صبح سویرے انڈس

پڑاٹھے چارہ کیک بسکٹ اور حلو بھی ہو پس ان تمام چیزوں کی حفاظت

فانی، اور دیکھ بھال کیلئے بیوی اور فقط بیوی ہی درکار ہے، اور جو آپ یہ کہیں کہ ایک ملازمہ، یا پال لیجئے ایک لڑکی پھر رہنے دیجئے تھوڑے دن اُسے اپنے گھر میں، کچھ دن بعد ہی یہ نتیجہ نکلے گا کہ کو تو الی میں رہت لکھاتے پھریں گے اور گواہ ڈھونڈتے پھریں گے اور اس سب پر آپ سے یہ کبھی نہ ہوگا کہ ملازمہ کو آپ اشرفیوں، گنیوں، نوٹوں اور روپیہ کا کس بھی دیدیں، یا اُسے اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر کھانہ بھی کھلائیں، یا یہ کہ آپ اپنے ہاتھ سے اُسکے منہ میں انڈے، پراٹھے، کباب، قیمہ، گوشت، مستھر کے پیڑے، آگرے کے دال موٹ، علی گڑھ کا کھن، الہ آباد کے امروہ، ملیح آباد کے آم بھوپال کا لٹکا، لکھنؤ کا خمیر، جبل پور کی بٹری، پنجاب کی لسی، مصر کا سیگریٹ اور لندن کی جوتہ دیتے جائیں اور خوش بھی رہیں، یا اپنی بھانجی کی شادی میں اُسے دُہن کی کپڑے پہنا کر عیجیدیں اور ساری عورتیں اُسی کا استقبال کریں، اور جو آپ اُس کے ساتھ ایسا برتاؤ بھی کریں تب بھی وہ ایک دن کسی محلے والے کے ساتھ بھئی بھاگ جائیگی لہذا ثابت ہوا کہ بیوی ہی ہو سکتی ہے جو انسان کے گھر کے اندر رہ کر اُس کی ہر طرح کی معاون اور خدمت گزار رہ سکتی ہے۔“

ان نسب کے سوا پھر یہ دیکھئے کہ انسان کی فطرت ذرا چور بھی واقع ہوئی ہے اور بعض معاملات و مسائل میں انسان بہت سی باتیں اپنے دل میں محفوظ رکھتا ہے۔ مگر وہ قدرتنا اس ذخیرہ کو ہر وقت محفوظ بھی نہیں رکھ سکتا۔ اور ایسے حالات میں اُسے ایک معاون، راز داراں اور راز دار کی ضرورت بھی لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً آپ ل میں

ارادہ کریں کہ مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر اخبار ”زمیندار“ لاہور کے پیوستہ
 لے کر شہر کابل پر حملہ کریں۔ اور بچہ ستاکونکال کر غازی نادر خاں کو تخت کابل پر بادشاہ
 بنا کر بٹھادیں یا بادشاہ امان اللہ خاں کو اٹلی سے لے کر بٹھادیں یا
 ہندوستان کی مثالیں بنائے والی مجلس و اتح دہلی کے بھرے اجلاس میں ہم کو گولا ایسے
 عمیق پر پھینک ماریں جو انگریزوں کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں۔ یا آپ لاہور کے
 کسی بند مکان میں بیٹھ کر ہم کے گولے بنائیں۔ اور چاہیں کہ سی۔ آئی ڈی کا کوئی آدمی
 ہمیں جھانک نہ لے۔ یا آپ ایشین منڈی پر ریل کے ڈبے میں ہم کو گولا چلا دیں یا نئی
 دہلی کے قریب آپ والے سرائے کی ریل گاڑی کو ہم کے گولے سے بچا کر اڑا دینا چاہیں
 یا آپ جناب سائنس کمیشن صاحب کو کالی کالی جھنڈیاں دکھا کر ڈرائیں۔ تاکہ وہ ہندوستان
 میں انگریزوں کی حکومت قائم رہنے کا کوئی پیچیدہ قانون نہ بنائیں۔ یا آپ رات کو قوت
 انگریزوں کو ڈرانے کیلئے دیواروں پر ”سرخ رنگ کے“ اشتہار چسپاں کریں یا آپ
 سمرقند اور شہر بخارا جا کر روسی لوگوں سے اس لئے روپیہ لانا چاہیں کہ اس روپیہ سے
 ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف لوگوں کو فساد اور بے چینی پھیلانے پر
 آمادہ کریں گے یا اس روپیہ کو اخبارات کو دے کر ان سے انگریزوں کے
 خلاف مضامین لکھوائیں گے۔ یا اس روپے کو آپ ہندوستان کے کسانوں میں
 یہ کہ کر تقسیم فرمائیں کہ جب ہندوستان پر حکومت روس کی فوجیں حملہ کریں تو تم بھی
 کلہاڑیاں ہاتھوں میں لیکر انگریزوں پر ٹوٹ پڑنا یا تم کلہاڑیوں سے حملہ نہ کر سکو تو

جیسی فوجوں کو غلہ چار پائیاں، لونے، گھی، چاول، دال، قیمہ گوشت، اور حقہ دینا۔
 یا آپ چاہیں کہ شہر بمبئی کے مزدوروں کو یہ کہہ کر تاؤ دلائیں کہ تمہاری دن بھر کی مزدوری
 سے یہ کارخانوں کے مالک تہہ پتہ ہیں شہر، اور موٹروں پر بیٹھے پھرتے ہیں اور
 اور تمہیں دیتے ہیں فقط چار آنے روزانہ۔ اس لئے تم کام چھوڑ دو عورت ہڑتال
 کر دو تو پھر یہ لوگ تمہاری اجرت میں اضافہ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، یا آپ چاہیں
 کہ علی گڑھ یونیورسٹی اور ہندوستان کے ہر اسکول میں جا کر کہہ دیا جائے کہ تم ہندوستانی
 طالب علم ہو کر اپنے ملک کے بنے ہوئے کیڑے اور اپنی ملکی زبان کو استعمال نہ کرو گے
 تو تمہارا گلا گھونٹ دیا جائیگا، یا آپ شہر لاہور کی کسی رند کی پرفر لیفٹ ہو کر اُس کے
 دوسرے دوست کو قتل کر کے اس کی کنش کو ایک صندوق میں بند کر کے کسی دریا کے
 کنارے پھینکنا چاہیں، یا چلتی ہوئی ریل میں آپ مسافروں کا سامان چورانے
 کے لئے رات دن ریلوں میں چڑھے پھریں، یا آپ خفیہ پولیس کی ملازمت کر کو سا دھوؤ
 اور مولویوں کا لباس پہن کر ادھر سے ادھر حکم لگاتے پھریں، یا افلاس سے تنگ آ کر اور
 تنخواہ کی کمی کے باعث اغوا، ڈاکہ، مداخلت، بچا بچانہ بوقت شب یا بوقت دوپہر،
 یا استحصال بالجبر، اقدام قتل، قتل عمد، یا خودکشی کے ارادہ سے ایڈیٹر اخبار ”ہمت“
 لکھنو مولانا جالب دہلوی کے برابر فون کھانا چاہیں یا ان میں سے کسی ایک جرم کا
 ارتکاب کر گزریں یا ارتکاب کا ارادہ فرمائیں، یا ارادہ کر کے باہر نکلیں۔ کہ پولیس آئے
 آپ کو آگے دھریں، یا ریل میں سوتے ہوئے مسافروں کے صندوق ریل سے باہر اپنے

مقرر کئے ہوئے دوستوں کے لئے پھینک دیں اور خود پولیس کے سپاہی بھی بنے رہیں
 یا کانگریس کے اجلاس، اجمیر شریف کے عرس اور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کی قوا
 میں آپ لوگوں کی حیب کانٹے تشریف لیجائیں، یا اپنا نام سیلاب اکبر آبادی اور ساغر
 گڑھی رکھر رئیسوں کو قصیدے سناتے جائیں اور جب وہاں سے ناکام واپس ہو کر
 ملازمی کے خلاف مضامین لکھنا چاہیں اور نہ شرمائیں تو ان تمام قسم کے اعمال و جرائم
 میں رازداری کی ضرورت ہوگی اور اس رازداری کے لئے آپ کو بیوی سے زیادہ محبوب
 صادق، مستقل مزاج اور پابند عہد کوئی دوسرا رازدار نہ ملیگا۔ کیونکہ عورت جب کسی کی
 ہو جاتی ہے تو اس کی ساری زندگی اسی شخص سے متعلق ہو کر رہ جاتی ہے جسکی وہ بیوی ہو چکی
 لہذا کسی راز کو ظاہر کر کے وہ اپنے شوہر کو کو تو الی پہنچائیگی نہ خود کو تو الی جائے گی
 پھر فرض کیجئے کہ آپ بچپن میں محلے کے لونڈوں کے ساتھ بیڑی اور سیگریٹ پینا شروع
 کریں پھر آپ تھوڑی سی چرس بھی پینا شروع فرمادیں پھر ذرا سی شراب بھی کہ اتنی
 آپ کی شادی ہو جائے اور اب آپ کا بچا اور چانڈ بھی پینا شروع کر دیں تو اس سے
 آپ کے جسم کی تمام بجلی ایک دم ٹھنڈی ہو جائے گی اب نہ آپ ملازمت کے قابل
 رہیں گے نہ تجارت کے نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ فاقہ کشی کی حد پہنچ جائیں گے اس وقت بس
 ایک آپ کی بیوی یوں کام آئے گی کہ آپ اگر اس کا زیور جہیز کے برتن اور کپڑے، مہنت
 کر کے کھاتے رہیں گے تو زندگی کے بقیہ دن بغیر جیل جانے کے کٹ جائیں گے اور بیوی کی
 ناش سے بھی محفوظ رہیں گے کیونکہ وہ بیوی ہی نہیں سمجھی جاتی جو اپنا شوہر پر ناش کرے

فرض کیجئے کہ آپ کو چلتے چلتے بخارا جائے اور آپ گھر میں آکر کہیں اسے لحاف تو اڑا دو، اے اللہ میاں، میں تو مر گیا، پھر آپ کے لئے ڈاکٹر انصاری بلائے جائیں وہ آکر آپ کے سینہ پر ایک آلہ لگائیں اور سینہ کو خوب ٹھوکیں اور اتنے دامنوں کی ایک دوا دے جائیں کہ ان سے سارا شہر خرید لیا جائے مگر آپ کو آرام نہ ہو تو آپ کے لئے پھر کوئی ”شفا الملک“ قسم کے حکیم صاحب بلائے جائیں اور یہ آپ کو دیے جائیں کل بنفشتہ، تخم خطمی، گاؤزباں، غناب اور شربت سکنجبین مگر آپ اسی حالت میں کھالیں آم کا اچار تو ہو جائے آپ کو دوسری بیماری، پھر اسی حالت میں آپ کو زکام بھی اور نمونیہ بھی اور اسی حالت میں آپ الہ آباد کے امرود بھی کھالیں اور اب آپ کو سورہ یسین سناتے میں بہت کم مدت رہ جائے تو ظاہر ہے کہ آپ رات کو خود نہ سوئیں نہ دوسروں کو سونے دیں گے۔ اور جب اس طرح آپ پر کئی راتیں گزر جائیں گی تو ایک دن آپ کی والدہ صاحبہ تک تہجد کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو جائیں گی اب اس وقت اگر آپ کو معلوم ہوگی پیاس تو ایک شخص اس حالت میں خموشی سے آپ کو پانی کا گلاس دے گا اور آنسوؤں کو صاف کرتا جائیگا اور یہی آپ کی بیوی ہوگی جو آپ کی بیماری کی حالت میں کام آئیگی، فرض کیجئے کہ کسی دن آپ کا دل چاہے کہ آج مچھلی کھائیں مگر ملازمت کی حاضری کا وقت پورا ہو جانے کی وجہ سے آپ کسی راہ گیر کے ہاتھ اس مچھلی کو گھر بھیجیں اور تاکید فرمادیں کہ اس میں خوب خوب گھی ڈال کر اسے پکانا میں دفتر سے آکر کھاؤں گا۔ مگر اتفاق سے آج ہی آپ کے دفتر کا فسر بدل جائے

اور اس کی جگہ کوئی علیگڈہ کا پڑھا ہوا افسر ہو کر آجائے اور آتے ہی اپنا رعب بٹھانے کے لئے وہ رات کے گیارہ بجے تک کام کرتا رہے تو یاد رکھئے کہ اس عرصہ میں اس مچھلی کو آپ کے والد صاحب والدہ صاحبہ، بہن اور بھائیوں نے چٹ کر لیا ہوگا اور آپ بارہ بجے رات کو اس خوشی میں گھر پہنچیں گے کہ مچھلی کھاؤں گا پھر گھر پہنچ کر علیگڈہ کے پڑھے ہوئے افسروں کی فرعونیت، غرور اور کشتانی خواص پر آپ تاؤ بھی کھاتے جائیں گے اور مچھلی کمانے کے لئے ہاتھ بھی دھوتے جائیں گے۔ کہ کوئی آہستہ سے کہیگا کہ ارے لا حول ولا وہ مچھلی تو ہم نے کھالی ورنہ خراب ہو جاتی، اس وقت اس خبر سے آپ اس قدر کھول جائیں گے کہ اپنے تمام خاندان کو یہ کہہ کر گورنمنٹ کے حوالے کر دیں کہ انہیں یا پھانسی پر لٹکا دیا جائے یا کالے پانی بہجیدیا جائے کہ بس اسی تاؤ کی حالت میں اسی مچھلی کا ایک نہایت نظر نواز پیالہ آپ کے دسترخوان پر آجا بیگا اور یہ پیالہ وہ ہوگا جو آپ کی بیوی نے سارے خاندان کی نظر بچا کر پہلے ہی کسی طاق میں رکھ دیا ہوگا کہ ایسی محبت اور ہمدردی قدرت نے بیوی ہی کو عطا فرمائی ہے علی گڈہ کے لونڈوں کو نہیں، فرض کیجئے کہ آپ ملازموزی کی طرح دن بھر نوکری کی پابندی اور اور افسروں کی خوشامد سے تھک کر رات کو مضمون نگاری کے لئے تازہ دماغ ہو چکے واسطے قوالی کی محفلوں سے تہجد کی نماز کے وقت گھر واپس آنے کے عادی ہوں لہذا جب اس قدر رات گزر جانے پر آپ آکر دروازہ کھٹکھٹائیں گے تو آپ کے والد صاحب چارپائی پر ہی سے آپ کو نالائق، مردود، خبیث، اور آوارہ کہیں گے، والدہ صاحبہ

اگر بیدار ہو جائیں گی تو بدو عافرائیں گی یا اتنا ضرور کہیں گی کہ۔ یہ روزانہ کہاں جا کر مرتے ہو، بہن بھائی آپ کی آواز سن کر کھافوں میں منہ چھپا کر فرضی سونا سو جائیں گے۔ مگر ایک اور ذات ہو گی جو اپنے بچہ کو روزانہ چھوڑ کر کچھ گنگنائی ہوئی آئے گی اور آپ کے لئے دروازہ کھول دے گی اور یہ وہ ذات ہو گی جسے بیوی کہتی ہیں فرض کیجئے آپ کبھی علی گڑھ میں پیدا ہو گئے تھے مگر آپ تھے رندی کی پیٹ سے اس لئے آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر کسی نے توجہ نہ کی کہ اتنے میں کسی اکبر آبادی شاعر کی نظر آپ پر پڑی اور اس نے راتوں رات آپ کو گانا سکھایا اور لیکر گیا امیروں کے پاس اور آپ کے گانے سے خوب روپیہ کمایا اتنے میں ہو گئی آپ کی آواز خراب جاہل تو پہلے ہی تھے اس لئے اب آپ بجز چوری کے اور کیا کرتے لہذا آپ نے چوری کی اور کوتوالی میں مار کھائی اور جیل خانے گئے پھر جیل خانے میں کسی چھان قیدی کی امداد سے آپ رات کے وقت جیل خانے کو پھاند کر بھاگ گئے اور پھر دہلی آیا اگر وہ میں پکڑے گئے اور جیل خانے بھیجے گئے اور اسی طرح آپ کو گزر گئے تیس برس تو اب آپ ساری دنیا میں بجائے شاعر اور ایڈیٹر کے ”نمبری بد معاش“ مشہور ہو جائیں گے اور کوئی نہ ہو گا جو آپ کے سلام کا جواب تک دے۔ کہ اسی حالت میں آپ بڑی پھیلے گناہوں سے توبہ کر کے کسی مسجد میں جا بیٹھیں گے اور محلے کے لوگ کسی تنیم خانہ کی لڑکی سے آپ شادی کر دیں گے، تو یہ لڑکی آپ کی ”نمبری بد معاشی“ کو کبھی خاطر میں نہ لے گی اور عمر بھر آپ کی عزت اور خدمت میں اپنا سب کچھ سنبھال کر دے گی کہ ایسی ہی محبت

ہوا کرتی ہے بیوی کو اپنے شوہر سے خواہ وہ اگرہ کا بھانڈا ہو یا علی گڑھ کا قوال،

فرض کیجئے کہ آپ دنیا کے زیر دست اور لاجواب اویب اور علامہ ہوں۔
لیکن غلامی کی ماؤت ذہنیت کی وجہ سے آپ کے کمال اور مہر کی قدر باہر کے لوگ
تو کریں مگر شہر والے آپ کو کوئی خاص وقعت نہ دیں، آپ حکمت و معظمت کے
لاکھوں سبق دیں اور اپنے کمال کی بنا پر سارے ہندوستان کی آنکھ کے تارخ
بن جائیں لیکن دفتر کے افسر لوگ ”پانیر“ اخبار کے سوا کبھی آپ کے جواہر پر نہ
نظر بھی نہ ڈالیں تو آپ اس صدمہ سے دل تنگ ہو کر گھر میں آئیں اور گھر والے بھی
آپ کو گھر کی مرغی سمجھیں تو اس سے آپ کا صدمہ دوچند ہو جائیگا۔ مگر ایک آپ کی
بیوی ہوگی جو آپ کی نیک شہرت بلند قابلیت اور اعلیٰ ذہانت پر یوں فخر کرے
گی کہ آپ کی فضیلت کی دھاک وہ اپنی ساری سہیلیوں پر بٹھاویگی اور آپ کی
شہرت کی اطلاع پا کر وہ آپ پر خود کو نشانہ کرتی رہے گی۔

پس یہ اور اسی قسم کے بے شمار بے قیاس اسباب ہیں جو شادی کی ضرورت
اس کی فرضیت اور فوائد کو ثابت کرتے ہیں اور انہی اسباب کے تحت دنیا کی
ہر قوم اور ہر فرد کے نزدیک شادی ایک ضروری کام ہے۔

بیوی کی تعریف

آپ یہ نہ سمجھ لیجے کہ ”بیوی کی تعریف“ سے یہ مطلب ہے کہ ملازمہ بیوی اپنی بیوی کی اس طرح تعریف کرنے چلے ہیں کہ ہماری بیوی بے حد حسین ہے، بے حد جمیل ہے، بے حد موٹی تازی ہے، بے حد تیز ہے، اور بے حد دلیر اور جفاکش ہے بے حد وفادار ہے۔ بے حد خدمت گزار ہے، بے حد سلیقہ مند ہے، بے حد کفایت شعار ہے۔ اور سب سے بڑی خوب صورتی یہ کہ بے حد صاحب اولاد ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تمام دنیا کو بتا دیا جائے کہ جب بیوی خریدی جائے تو کس قسم کی؟ چنانچہ بیوی کے اندر جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ مع فوائد و اثرات یہ ہیں۔

۱۔ نہایت درجہ صحیح نسب اور خاندان کی لڑکی ہو، نسب اور خاندان کے صحیح ہونے کا یہ فائدہ ہے کہ اوس کی تمام عادتیں حد سے زیادہ قابل تعریف اور لائق اطمینان ہوتی ہیں جیسی کہ ماٹارائنڈ چشم بدور ہماری بیوی صاحبہ کی ہیں کہ جس میں رنگ میں دیکھو سبحان اللہ ہی سبحان اللہ

۲۔ بیس برس کی عمر ہو کہ یہی وقت عقلی اور ذہنی قوی کی بختگی اور ترقی کا ہونا ہے اور شوہر جس قسم کی تعلیم دینا چاہے اوس کے قبول کرنے اور سمجھ لینے کی صلاحیت کافی ہوتی ہے، اس سے سوا عمر کی عورت سے شادی کرنے کے

یہ معنی ہیں کہ ایک شوہر نے دوسرے شوہر سے شادی کر لی ۔

۳۔ تو میں حد سے سوا اعتدال ہو اس سے پیوی آئے دن کی کھانسی

زکام، بخار، انفلو انزا، منونیا، پیپٹے، طاعون، سل، دق، اور دوسرے
محفوظ رہتی ہے اور ایسی پیوی کا شوہر کنبین، پکڑنیرٹو، کلورافارم، پنجر، انجکشن
آپریشن، گل بنفشتہ، ختم خلمی، گاوڑیاں، عذاب، سپستان، شربت انار اور عرق
نیلوفر کی خریداری سے محفوظ رہتا ہے، ایسی ہی پیوی ہوتی ہے جو معتدل مزاج بھی
رہ سکتی ہے اور جب معتدل مزاج ہے تو وہ کبھی شوہر سے نہ کھیگی کہ

حق میں اچھا نہ ہوگا اگر آج تم نے مجھے پمپ جو تالا کرنے دیا، اور حق میں اچھا
نہ ہوگا جو اب تم نے کبھی منہ کے معاملہ میں مجھ سے ایک لفظ بھی کہا ہے۔

اور حق میں اچھا نہ ہوگا جو تم آج میری بالیاں خرید کر نہ لائے اور سنتے بھی ہو
کہ نہیں کہ وہ جو تم نے مجھ سے کجواب کی شلوار کا وعدہ کیا تھا وہ کہاں ہے ؟

بس تو مجھے میرے شیکے جانے دو اور

بس تو مجھے بھی تنہاری پڑا نہیں ہے اور

بس تو سنبھالو تنہاری اولاد کو، اور

بس جواب ایک حرف نہ بھی زبان سے کہتا ہے، اور

بس رکھ دو میرا مہر، اور

لاؤ میرے ہیز کا زیور جو تم فروخت کر کے کھا گئے ہو۔ اور

بس اس پر گھنڈہ کرنا کہ میں ذہنی کلکٹر ہوں، اللہ میرے باپ کو رکھے وہ بھی پٹھان ہے اور جاگیر دار بھی، اور میں بھی کلب کی ممبر ہوں، اور بس منہ سنبھال کر بولنا، میں پانچ بھائیوں کی ایک بھن ہوں میری روٹی کسی پر بھاری نہیں ہے۔

تو ویہ چلی میں بھی اب دیکھوں رکھ تو لو میری اولاد کو تم اپنے قبضہ میں ! کیا کہا ذرا پھر کہنا !

۴۔ حد سے سوا خوبصورت ہوا وہ بے حد حسین مگر نہ اس قدر کہ پھر شوہر کو دفتر جانا بھی محال نظر آئے ! اس سے یہ فائدہ ہے کہ شوہر صاحب مغرب کے بعد ہی گھر میں آجاتے ہیں اور صبح بھی خدا خدا کر کے گھر سے نکلتے ہیں، ہماری طرح نہیں کہ ۵ بجے پیا گھر رہے ویسے رہے بدیس۔

حسن بے حد سے آپس میں اتفاق اور محبت بڑھتی رہتی ہے، اور ایسے میاں بیوی عمر بھر فارحطی اور طلاق سے محفوظ رہتے ہیں بیوی کے بے حد حسین ہونے سے خوبصورت اور تندرست انسانوں میں اضافہ ہوتا ہے، خوبصورت عورت قدرۃ مزاج کی صفائی پسند اور سلیقہ مند ہوتی ہے یہ نہیں کہ ایک ایک ماہ تک بیوی بھی بددھن بھٹیاری بنی ہوئی ہیں اور ان کی اولاد بھی ایسی ہی !

خوبصورت بیوی سے شوہر کی تعریف میں محلے اور شہر کی ہر قسم کی خالابی اور نانی اٹاں سرگرم رہتی ہیں اور برادری میں عزت بڑھتی ہے اور خوبصورتی کے

باعث خود بیوی شوہر کے اکثر مظالم سے محفوظ رہتی ہے، مثلاً پھر شوہر عمر بھر دوسرا الحاح نہیں کرتا جس طرح ملامت موزی فکر میں ہیں۔

خوبصورت بیوی کے لئے زیادہ بھاری زیور کی ضرورت کم ہوتی ہو ورنہ اپنی بد صورت حالت کا بدلہ وہ شوہر سے قیمتی لباس اور زیور بنوا کر لیتی ہے۔

خوبصورت بیوی اپنی آرائش میں بہت کم وقت صرف کرتی ہے کیونکہ اسے اپنی قدرتی خوبصورتی پر خود ہی گمنڈ ہوتا ہے۔

خوبصورت بیوی کا بد صورت شوہر بھی کبھی غلیظ میلا گندہ اور سست نہیں رہ سکتا کیونکہ وہ بیوی کی خوبصورتی اور صفائی سے ہر وقت مرعوب اور شرمندہ رہتا ہے اس لئے اپنے اندر بھی نفاست اور خوبصورتی پیدا کرنے پر اہل ہوتا ہے ملامت موزی صاحب کی طرح نہیں کہ خود ہی دل گہر لیا تو کپڑے بدل لئے اور خود ہی کپڑوں کو پسند کر لیا، جب چاہا گھومین آئے اور جب چاہا مکمل گئے، جب چاہا سو گئے اور جب چاہا بیدار ہوئے، خوبصورت بیوی سے نہ ساس لڑتی نہ سزا، ان سے بیوی کو اس کی ساس محفل اور ہر تقریب میں لیجاتی ہے اور عورتوں کو دکھا دکھا کر فخر کرتی ہے، اور سزا صاحبہ بھی ”بھابی جان“ کہہ کر ڈانٹتی رہتی ہیں ہمارے ہاں کی طرح نہیں کہ ساس کے طعنے صبح سے شام تک جاری اور بھوپال کا طنز شام سے صبح تک موجود جس سے سارے گھر کا امن رہا اور خوش حالی رفوچ کر۔“

۵۔ بیوی والدہ آدمی کی بیٹی ہو اور صاحب مال، اس سے شوہر مالی انفکار اور مشکلات سے محفوظ رہتا ہے مگر نہ اس درجہ والدہ ہو کہ شوہر صاحب اس کے موثر ڈرائیور معلوم ہوں، والدہ بیوی شوہر کی مالی مشکلات کا بہترین مددگار ہے اس سے خود بیوی شوہر کے معاملہ سے محفوظ رہتی ہے، تنگ دست اور غریب بیوی نہ شوہر کی نظر میں ذی اثر نہ سانس سسر کی نظر میں اچھی، بس پڑی رہو اور کبھی سوکھی کھاتی رہو۔“

والدہ بیوی سے غیرت دار شوہر میں بہت زیادہ روزی کمانے کی حیا پیدا ہوتی ہے، اور کاروباری قوتیں اس لئے بیدار و متغیر رہتی ہیں کہ کہیں بیوی کی نظر میں شوہر ذلیل اور محتاج نہ سمجھا جائے۔

والدہ بیوی سے شوہر اپنے سسرال کی مشکلات سے محفوظ رہتا ہے، ورنہ غریب بیوی کے باوجود بھی عمر بھر رونی دیکھے اور بیوی کی والدہ کو بھی۔“

والدہ بیوی سے لڑائی بھی کم ہوتی ہے اس لئے کہ اتفاقی اور باہم آمیزی تنگ دستی اور افلاس کی پریشانیوں سے پیدا ہوتی ہے۔“

والدہ بیوی بخیلے کی عورتوں میں بھی ذی عزت اور خاندان کی عورتوں میں بھی ذی عزت رہتی ہے، اس پر شوہر بھی فخر کرتا ہے اور والدہ بھی۔“

والدہ بیوی گھر کے انتظام سے لیکر والدہ کی پرورش میں کامیاب رہتی ہو والدہ بیوی کے بعض نقصانات یہ ہیں۔

۱۔ شوہر سے آزاد اور بے خوف رہتی ہے۔

۲۔ وہ شوہر کے تمام خاندان کو حقیر سمجھتی ہے۔

۳۔ وہ جب چاہتی ہیں کلب پی جاتی ہے اور جب چاہتی ہے ٹھنڈی سڑک اور ٹھیکر کا تاشہ دیکھنے۔

۴۔ مالدار بیوی کا شوہر سست، کاہل اور اکثر فنی ہو کر رہ جاتا ہے مگر ملازمی کے خیال میں ان نقصانات پر بھی بیوی کا مالدار ہونا نہایت درجہ اور ضروری ہے، کیونکہ یہ تمام نقصانات شوہر کی دامنی قابلیت سے دور ہو سکتی ہیں اور محتاج بیوی کی تکلیفوں سے بہت کم ہیں۔

۶۔ جہاں تک ہو بیوی کا دنیا میں کوئی نہو اور اگر ہو تو ایک دورشتہ دار کیوں کہ بیوی کے بڑے خاندان کے باعث شوہر آئے دن سسرالی جھگڑوں اور رسوم میں مبتلا رہتا ہے، اس کا گھر ساس، سسر، سالہ، سالی، پھر دادا سسر، چچا سسر، ماموں سسر، پھوپھا سسر، خالو سسر، نانا سسر اور نانی ساس، دادی ساس، دادی ساس، خالہ ساس، چچی ساس، پھوپھی ساس، اور خدا جانے کتنی ساسوں سے بھرا رہتا ہے۔ آج سسر کے سلام کو جائیے تو کل ساس کے پرسوں خالو سسر کو جھک کر آداب غرض کرنی چاہئے۔ تو پھر پھوپھا سسر کا نسخہ بازار سے لا کر دیجئے، کبھی سالوں کی نقلیہ نگرائی اپنے سر لیجئے تو کبھی سالی کے بچوں کو کھلونے دلانے جائیے۔ پھر سالی کے لڑکے کی شادی میں بھی شرکت کیجئے اور سنانے کے لڑکے

حقیقت میں بھی، پھر عید پر سالوں کو بھی روپے دیجے، اور سالیوں کو بھی، اور اگر سر کی دو بیویاں ہوں تو لگالیجے حساب پندرہ سولہ سالوں اور سالیوں کے مصارف کا، پھر اتنے ہی سسرال والوں کا علاج بھی کیجے اور معالجہ بھی، پھر اتنوں ہی کے کفن کے لئے بھی چندہ دیجے اور دفن کے لئے بھی پالس اتنے زیادہ رشتہ داروں والی بیوی سے تو آدمی بکریاں چراتا پھرے جنھیں سنبھالنے اور چرانے سے دودھ بھی کھائے اور دولت بھی کمائے۔

کم رشتہ داروں والی بیوی مجبوراً وفادار بھی ہوتی ہے اور متحمل مزاج بھی جفاکش بھی اور مہربان بھی، در نہ بات بات پر برقعہ اور ڈولی موجود اور لیجے وہ چلیں اماں بی کے گھر۔

۷۔ اپنے ہی گاؤں، قصبے، اور شہر کی بیوی ہو، اس سے شوہر مالی اور داعی پریشانیوں سے محفوظ رہتا ہے اور اگر اپنی ہی برادری کی ہو تو سب سے بہتر در نہ پھر لندن سے بیاد لانا تو آسان ہے مگر رکھنا جیسا کچھ شکل ہے وہ ہندوستانی ڈپٹی کلکٹروں کے لڑکوں سے دریافت کر لیجے۔

پر دیسی بیوی کے ساتھ ہر ماہ اور ہر سال ریل کے ٹکٹ اور بدعاش ٹکٹ، کلکٹروں کے مصارف اور جھگڑوں سے نجات نہیں، جس سٹیشن پر دیکھو کوئی ہندوستانی ٹکٹ کلکٹر پیغی بجاتا ہوا آپ کے سر پر یوں سوار ہے کہ اور کیوں صاحب یہ آپ کے گھر کے لوگ ہیں نا؟

اور کیوں صاحب یہ ان کے برقعہ کے اندر کوئی بچہ ہے یا صندوق؟

تو بس تو پھر لائے اس بچے کے نصف ٹکٹ کے دام،

اور کیوں صاحب وہ جو سنج برقعہ اوڑھے بیٹھی ہیں وہ آپ کے ساتھ

جارہی ہیں یا کسی اور صاحب کی سواری ہیں؟ تو پھر ان کا ٹکٹ کہاں ہے؟

یہ تو آپ نے فقط دو ٹکٹ دیے ہیں، تو بس تو پھر اتاریے انھیں ریل سے یا ڈبل

کرایہ ادا کیجئے، ورنہ چلے مع اہلیہ محترمہ اسٹیشن ماسٹر صاحب کی، انگریزی رو بکاری

میں یا پھر آپ ہیں کہ ٹکٹ کلکٹر کا گریبان پکڑے اس سے کہہ رہے ہیں کہ ابے تو

حرام زادے تو زمانہ ڈبے کے اندر کیوں گیا؟

تو مردود معین تو نے مجھ سے پہلے ٹکٹ کیوں نہ مانگا،

پھر بتاؤں تجھ کو ٹکٹ مانگنا،

ابے ہاں ہم نے خود دیکھا کہ تو ڈبے کے اندر جھانک رہا تھا، تو پھر لڑ

کیوں نہیں کہتا اندھے کے بچے ملے یہ دیکھ اون کا ٹکٹ اور یہ لے میرا ٹکٹ

پس ظاہر ہے کہ بیوی کے ایسے سفر کا نتیجہ باریلوں کے تھانے میں پہونچا تا ہر

یا عدالت میں،

پھر پر دیسی بیوی کو آج کل جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ ان اللہ کے

بندوں کا جو دہلی کے اسٹیشن سواڑا کر یوں لے بھاگتے ہیں کہ آپ لاہور پہونچ

جائیے اور بیوی دہلی میں ہندو سے مسلمان کر لی جاتی ہیں یا مسلمان سے ہندو

پھر لڑتے پھر بے پردہ سی عدالتوں اور چندے کرایے انجمن ہائے تبلیغ و شہادت
 پھر یہ اخبارات دوڑیں تو لاکھوں آدمیوں کے سامنے آپ کو آپ کی بیوی کو
 مع عدالتی کارروائی کے یوں چھاپ کر رکھ دیں کہ پھر چھپائے نہ چھپے اور مٹائے
 نہ مٹے پھر اگر بیوی کے ساتھ اون کے دس بھائی آئیں تو کرایہ دیجے اور دس
 بہنیں آئیں تو آپ کو کرایہ دیجے، روحانی اور دماغی اذیت یہ کہ بیوی پر دیں گے
 سسرال میں وفات پا رہی ہیں اور آپ کو ملازمت سے نہ رخصت علالت ملتی
 نہ رخصت مرگ ناگھانی، نتیجہ یہ کہ وہ پردہ میں وفات پا گئیں اور آپ اپنے
 دفتر میں اور بچے گھر میں چھلم تک روتے رہیں تو یہ یہ گورنمنٹ پر داکر نہ کوئی
 حاکم عدالت دعویٰ قبول کرے، پھر کرتے پھر بے دوسرے اور تیسرے،
 پھر اگر پردہ سی بیوی کے علیٰ ہذا اور علیٰ ہذا القیاس قسم کے نقصانات، بھی جمع
 کر بیجے تو ایسی بیوی سے تو یہ بہتر ہے کہ آدمی ہر سال ایک حج کر آئے۔

۸۔ آدمی خواہ کسی حیثیت کا ہو مگر بیوی جب انتخاب کرے تو اعلیٰ تعلیم
 یافتہ مقصد یہ نہیں ہے کہ تمام کاشتکار بھی بی، اے، پاس بیویاں تلاش کر لیں
 مستعد ہو جائیں، مگر ہاں یہ ضرور ہے، اگر شوہر سے بیوی زیادہ ہوشمند ہو تو نفع
 ہی نفع ہے۔ تعلیم یافتہ سے مراد یہی نہیں کہ بیوی ہر حال میں اسکول ہی کی پڑھتی
 ہو اور پھر وہ بھی انگریزی ہی پڑھتی ہوئی ہو، منشا تو یہ ہے کہ وہ اپنی ہی زبان
 اور اپنے ہی علوم کی ماہر ہو کیوں کہ تعلیم یافتہ بیوی ہر حال میں مفید اور راحت بخش

ہوتی ہے، اس کے باعث گھر کی انتظامی حالت میں سلیقہ احتیاط، کفایت، سکون، آسودگی، اور ترقی نظر آتی ہے خصوصاً ایسے شوہر کے لئے تو تعلیم یافتہ بیوی نعمت ہی نعمت ہے جو خود بھی صاحبِ عقل و ہوش ہو اور موجودہ زمانے میں غیر تعلیم یافتہ بیوی کا ہونا ایسا ہی ہے جیسے وہ مجنون صاحب کی لیلیٰ مرحومہ سے کوئی شخص آج شادی کرنا چاہے،

تعلیم یافتہ بیوی سے جس طرح گھر کی رونق حاصل ہوتی ہے اسی طرح اولاً اور خاندان کی اصلاح و خدمت میں اس سے وہ امداد ملتی ہے جو حکومت فرانسے، فراتش کے مسلمانوں سے تلوار کے زور سے حاصل کی تھی، تعلیم یافتہ بیوی شوہر کی حد سے سوا وفادار، خیر خواہ، اور خدمت گزار ہوتی ہے اور شوہر اس کی عقلی شائستگی سے ہر آن اور ہر لحظہ آرام پاتا ہے، جاہل بیوی کے مقابل اس میں ضبط و تحس اور مال اندیشی کی قوت زیادہ بیدار ہوتی ہے اور بڑی راحت یہ کہ ہر کام شوہر کی مرضی کا کرتی ہے بے علم بیوی سے نا اتفاقی، فرار، اغوا، چمپٹ ہو جانے اور شوہر کی ہلاکت اور ذلت کا ہر کام یقینی ہے اس لئے کہ وہ تعلیم نہ ہونے کے باعث کس فی داری اور اہمیت کو پہچان ہی نہیں سکتی۔ بے علم بیوی میں خوفِ خدا، نہ جماعت کے آداب کا لحاظ نہ اسے آمد و حسنہ کا سلیقہ نہ لباس اور زیور کی تمیز، جتنا چاہتی ہے دوسروں کو کھلاتی ہے، بڑی مصیبت یہ ہے کہ شوہر کا پیہما ہوا خط دروازہ پر کھڑے ہو کر راہ گیر سے پڑھواتی ہے اور اسی سے جواب لکھواتی ہے، اگر اس کا

شوہر سید اچلتا ہے تو یہ ہمیشہ اُنہی چلتی ہے، اگر اس کا شوہر بھی بات کرتا ہے تو یہ ہمیشہ جوتا مارتی ہے، غرض جاہل بیوی شوہر کے لئے اتنی ہی تکلیف دین والی ہوتی ہے جتنے یہ کانگریس والے انگریزی حکومت کے لئے، اس لئے ہر مرد کیلئے تعلیم یافتہ بیوی ہی مفید ہے خواہ وہ مرد کسی برادری اور کسی حیثیت کا ہو،

۹۔ بیوی کی سب سے آخری تعریف یہ ہے کہ شوہر نے شادی سے پہلے اسے اپنی دونوں آنکھوں سے دیکھا بھی ہو اور پسند بھی کیا ہو، یعنی جو بیوی بھی کی جائے بغیر دیکھے اور پسند کئے نہ کی جائے، بغیر دیکھے کسی عورت کو شادی کر لینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اندھے حافظ جی دوسرے اندھے حافظ جی سے شادی کر لیں، ناپسندیدہ اور بے دیکھی بیوی شوہر کیلئے آخرت کا عذاب بھی درد دنیا کا بھی، ہندوستانی مسلمانوں میں بیوی کے انتخاب کے جو طریقے رائج ہیں وہ خلاف اسلام اور خلاف عقل ہیں اس لئے انہیں پوری شدت اور جرات سے توڑ دینا چاہئے، لیکن جو لوگ ان جاہلانہ فتیوہ کو توڑنے کے مخالف ہیں سمجھو کہ یہی لوگ انسانیت اور مذہب کے دشمن ہیں۔

۱۰۔ ہمیشہ کم سے کم مہر اور کم سے کم داموں کی بیوی خریدنا چاہئے، خریدنا اس لئے لکھا ہے کہ مسلمانان ہند میں جو دولت بیوی کے حصول پر خرچ کیجاتی ہو وہ صحیح معنی کی تجارت اور معاوضہ ہوتا ہے اس لئے ایسی ہی بیوی مفید ہوتی ہوگی جس پر روپیہ کم خرچ ہو، وہ بیوی ہی نہیں جس کے حاصل ہونے کے بعد شوہر

مہاجنوں کا قرضہ ادا کرتے ہوئے مرحلے مگر ادا نہ ہو

یہ دس چیزیں ہیں جن کا ہونا ایک بیوی کے اندر ضروری ہے پس جب ایک عورت میں یہ دس کی دس خوبیاں ہوں اسے بیوی بنایا جائے، یہ نہیں کہ اگر ایک خوبی ہے تو کر لیا اور دو ہیں تو بیوی بنالیا، اور باقی کمزوریوں کو خدا کا حوالہ نہ کر قبول کر لیا،

دوسری قوموں کی بیوی

دوسری قوموں کی بیوی سے مراد ہے، یورپ، امریکہ اور افریقہ کی بیوی یہ تینوں علاقے تین براعظم ہیں یعنی خشکی کے وہ حصے جہاں انسان آباد ہیں، ان کے بعد ایشیا کا براعظم ہے جس کے ایک حصے میں ہندوستان ہیں، بادستہ پس مذکورہ بالا تینوں براعظموں کی بیوی کے حالات بیان کرنے سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی باشندوں کی بیویوں کے تفصیلی حالات بیان کرنے سے پہلے دوسری قوموں کی بیویوں کے حالات کا ایک دہندہ لاسا خاکہ بھی سامنے رہے، لہذا معلوم کیجئے کہ یورپ، امریکہ، اور افریقہ کے اکثر علاقے سرد و برفانی اور آب و ہوا کے لحاظ سے نہایت درجہ معتدل اور خوش گوار واقع ہوئے ہیں، اور انھی اثرات سے وہاں کے باشندے ایشیا کے باشندوں سے بہ لحاظ دماغ، قوی، اور جسم کے نہایت افضل اور قابل تعریف ہوتے ہیں۔ پھر آب و ہوا کے بہترین

اثرات کے بعد یورپ امریکہ اور افریقہ کے اکثر باشندوں کو 'آزادی' کی نعمت حاصل ہے یعنی ان باشندوں کو کسی قوم کی غلامی اور رعایا ہونے کی ذلت نصیب نہیں ہوئی ہے اور کچھ شک نہیں کہ غلامی کے باعث انسان کے دماغ میں ہمیشہ فکر پریشانی اور خوف کا غلبہ ہوتا ہے جس کے باعث اس کی فطری قوتیں ہمیشہ برباد اور ضعیف رہتی ہیں۔

تیسری دولت جو یورپ امریکہ اور افریقہ والوں کو حاصل ہے وہ ان کی دولت مندی اور ہنرمندی ہے، یعنی یورپ اور امریکہ والے خصوصیت سے دنیا کے تمام باشندوں سے علم و ہنر اور حکمرانی میں آگے ہیں مگر اس کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ان کی یہ ترقی کسی تعویذ یا گنڈے کے اثر سے ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اس طرف کے باشندوں نے سب سے پہلے اپنی قدرتی اور فطرتی بہا دری، مردانگی، ہمت، حوصلے، اور عمل سے کام لیکر دور دراز ملکوں اور شہروں کو فتح کیا کروڑوں باشندوں کو پہلے خون میں نہلایا اور پھر ملک فتح کیا مگر حوصلہ نہ ہمارا اس کے بعد انھوں نے علم و ہنر کی قدر پیچانی اور پھر علم و ہنر کے حاصل کرنے میں مصروف ہوئے۔

پھر دنیا میں دولت کا دروازہ کھولنے والی چیز یعنی تجارت کے لئے خطرناک سے خطرناک مقامات کا سفر کیا، اور اپنے وطن اپنے رشتہ داروں اور اپنے ساتھیوں کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر ان مقامات میں جا کر آباد ہو گئے

جہاں اون کو تجارت سے فائدہ پہنچتا تھا۔

پھر یہ تمام باتیں بھی ایک دن میں حاصل نہیں ہوئیں بلکہ موجودہ یورپ امریکہ اور افریقہ کی ترقی کم سے کم چھ سو برس اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار برس کی مسلسل کوششوں کا نتیجہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ان ممالک کی بیوی ایشیا کی تمام بیویوں سے آگے اور ترقی یافتہ نظر آتی ہے۔

مثلاً ان ممالک کی بیوی اپنے شوہر کے برابر تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہوتی ہے، ذمی حوصلہ، خود مختار، ملازم، اور صنایع ہوتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی طرح تنہا سفر بھی کرتی ہے اور تجارت بھی صنعت و حرفت، ایجاد و اختراع، سیاست و انتظام اور امور خانہ داری میں یوں طاق کہ دس شوہر ایک طرف اور وہ اکیلی ایک طرف اسے شوہر کی اصلاح و نگرانی اور ہدایت کی کوئی ضرورت نہیں، وہ ملکوں اور شہروں کے فتح کرنے اور اپنے وطن کو دشمن سے بچانے کے میدان جنگ میں مردوں کے ساتھ توپ اور تلوار سے بھی مقابلہ کرتی ہے، اور اندرون ملک بھی وہ کسی کام سے محتاج اور عاجز نہیں رہتی۔

یہی حالت کسی وقت عرب کے مسلمان عورتوں کی تھی جنہوں نے ملکی لڑائیوں اور انتظامی معاملات میں مردوں کے برابر حصہ لیکر دوسرے مسلمانوں کو سبق دیا تھا کہ وہ بھی اون کی طرح کام کر کے دنیا میں ناموری کی زندگی حاصل کریں۔

الغرض مذکورہ بالا ممالک کی بیوی کی ترقی آج حد ادب تک پہنچ چکی ہے
 ورنہ انتہائی ترقی کا نتیجہ ہے کہ اب ان تمام ممالک کی بیوی اپنے شوہر کے حق میں
 بجائے راحت کے مصیبت بنتی جا رہی ہے مثلاً آج کل یہ بیوی اپنے شوہر سے
 آگے نہیں تو بالکل برابر رہنے کے لئے شدید مقابلہ کر رہی ہے اس کے ہاں آئے
 ان کی طلاق اور شوہر پر مقدمہ چلا دینے کی عادت کوئی شرم ناک بات نہیں
 یہی وہ ملازمت میں بھی شوہر کے برابر حق طلب کرتی ہے وہ شادی کے
 سلسلہ میں بھی مرد کے برابر آزاد ہو چکی ہے وہ پردے اور کھیل تماشوں کی
 پینسے بھی آزاد ہو چکی ہے۔ وہ موٹر بھی چلاتی ہے اور ہوائی جہاز بھی وہ
 مار گھر میں بھی کام کرتی ہے اور عدالت میں، وہ لیڈی ڈاکٹر بھی ہے اور
 سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی وہ تاجر اعظم بھی ہوتی ہے اور ٹھیکر کی مالک بھی،
 وہ گھوڑ دوڑ میں شریک ہوتی ہے اور دنگل میں بھی غرض دنیا کا کوئی کام اور
 کوئی میدان نہیں ہے جس میں وہ اپنے مرد کے برابر شریک نہ ہوتی ہو۔

اگرچہ ہندوستان بھی عورتوں کی ترقی سے بالکل ہی محروم نہیں بلکہ
 ہندوستانی خواتین میں سے بعض نے اپنی دماغی اور عملی فضیلت کے لحاظ سے
 ان ممالک کی عورتوں پر غلبہ حاصل کیا ہے جسکے لئے ہم علیا حضرت نواب
 سلطان جہاں بیگم صاحبہ فرمانروائے ریاست بھوپال کا نام پیش کر سکتے ہیں
 جنگی سیاست دانی اور اعلیٰ بیدار مغز کی اعتراف یورپ تک کے مدیرین

اور اصحاب فضیلت نے کیا ہے یہی حال ہندوستان کی دوسری خواتین کا ہے جن میں اب وکیل مجسٹریٹ اور صاحب ایجا و خواتین پیدا ہو رہی ہیں فرق یہ ہے کہ یورپ امریکہ کی دماغی ترقی وہاں کی دیرینہ اور کئی صدی قبل کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اور ہندوستان میں عورتوں کی ترقی کی کوشش کا اب آغاز ہوا ہے جسے پچیس سال کا مشکوک زمانہ کہہ سکتے ہیں پس اس سبب کے تحت اب آپ مذکورہ بالا ممالک کی بیویوں کے چند خاکے ملاحظہ فرمائے، تاکہ پھر ہندوستانی بیوی کے حالات کے فرق کو سمجھ لینا آپ کے لئے آسان ہو جائے۔“

یورپ کی بیوی

یورپ کی بیوی کے حالات سے پہلے چند سطروں میں یورپ کو سمجھ لیجئے تاکہ یورپی بیوی کے حالات سمجھنے میں آسانی ہو، چنانچہ یورپ نام سے ایک شکی کے اوس حصہ کا جو دنیا کے تمام دوسرے خشک حصوں میں سے صرف ایک حصہ چھوڑ کر باقی تمام حصوں سے چھوٹا ہے، یہ ۱۳ لاکھ مربع میل زمین کا خشک حصہ ہے جس پر ذیل کی مشہور حکومتیں یا قومیں آباد ہیں، انگریز، فرانسیسی، جرمن، سروس، بلقانی، اطالوی، ترکی، ان کے سوا اور بھی چھوٹی چھوٹی حکومتیں اور ریاستیں ہیں، اس قطعہ زمین عقلی اور عملی ترقی دنیا کے تمام حصوں سے زیادہ ہے جس کے اسباب یہ ہیں کہ۔

۱۔ یہ قطعہ زمین منطقہ معتدلہ میں واقع ہے اس لئے یہاں نہ گرمی کی شدت ہوتی۔ نہ سردی کی، نہ بارش کی زیادتی ہوتی نہ قلت۔

۲۔ یہ حصہ زمین رُوئے زمین کی خشکی کے مرکز پر واقع ہے اس لئے یہاں کے باشندوں کو تجارت کی خاص سہولتیں حاصل ہیں۔

۳۔ اس کا ساحل اسکے رقبہ کے مقابلے میں ہر خشکی کے حصہ سے بڑا ہو۔

۴۔ یہاں بارش کی زیادتی نہیں، مگر کافی ہوتی ہے، جنوب مغرب سے منقلب تجارتی ہوا میں مینہ برساتی ہیں،

۵۔ معدنیات خصوصاً لوہے اور کوئلے کی زیادتی ہے ان قدرتی اسباب کے باعث یہاں کے باشندوں کا خون ہندوستانیوں کی طرح پسینہ بنکر ایک مرتبہ بھی نہیں بھٹتا۔ بلکہ اون کی صحت نہایت عمدہ ہوتی ہے۔ اون کی عملی اور عقلی قوتیں صحت کے عمدہ ہونے کے باعث ہندوستانیوں سے بہت زیادہ اچھی اور طاقتور ہوتی ہیں اور اسی لئے اون میں سے ہر ایک کے حوصلہ استقلال اور بہادری کا معاملہ ہندوستانیوں سے بلند ہوتا ہے اور اور یہ انہی قدرتی اسباب کا اثر ہے کہ یورپ کے باشندے ایک عرصہ تک بے علم اور بے ہنر رہنے پر جب علم حاصل کرنے اور دنیا کمانے پر آئے تو انہوں نے ایسے انوکھے علوم و فنون حاصل کئے کہ اپنے ہندوستان کی موٹی موٹی کتابیں چاٹنے والے آج بھی ان کے سامنے ذلیل اور شرمندہ نظر آتے ہیں، اس طرح

جب ان باشندوں نے تلوار سنبھالی تو دنیا کا ہر حصہ فتح کر کے رکھ دیا اور ہم آپ آج تک یہی کہے جاتے ہیں کہ ایسے تمھارے باوجود فتح کر نہیں سکتے وہ کھوکھو کہہ کر تم نے فتح کر لیا۔

الغرض یورپ نے تمام باشندے اقوام عالم کی ابتدائی ترقیوں کی طرح خود نہایت پست اور جاہل تھے لیکن آج اول کی یہ رفتہ رفتہ ترقی اس حد کمال کو پہنچ چکی ہے جسے شباب کھا جاسکتا ہے چنانچہ عقلی ترقی کی انتہا ہے کہ یورپ میں اس وقت ۹۹ فیصدی مرد اور عورتیں تعلیم یافتہ ہیں، چونکہ ذہنی اور فکری اصلاح و ترقی کا قدرتی لازمی یہ ہے کہ انسان ایجاد و اختراع پر متوجہ ہوتا ہو اس لئے یورپ کے باشندے ہوائی جہاز، دریائی جہاز، ریلیں، مشین گنیں، شیل کے گولے، بم، اور ۵ میل تک مارنے والی توپ بنانے کے بعد اپنی تھذیبی، جماعتی، سیاسی، اور اخلاقی حالت میں ایجاد و ترمیم پر متوجہ ہوئے جو ذہنی کمال اور ترقی کا فطری نتیجہ ہے، لہذا ان کی اس جماعتی اور اخلاقی ترقی اور ترمیم و اصلاح سے آج کل جو بیوی پیدا ہوئی ہے یا پیدا ہوتی ہے وہ یہ ہے۔

ماں یاپ اور خاندان کی اعلیٰ دماغی صلاحیت کے باعث اس کے پیدا ہونے پر نہ اس کی والدہ مارے خوشی کے اپنے ڈھپٹے سے باہر ہوتی نہ اس کے والد صاحب کوٹ پتلون سے باہر، گو اس کے ہاں بھی اظہارِ ستر

اور فضول رسموں کا کافی وجود ہے مگر نہ اتنا جتنا کہ ہندوستانیوں میں پایا جاتا ہے، اسی لئے اس کی پیدائش کی تغایب اول تو یکسر نادر اور جو نہیں بھی تو نہایت باوقار طریقہ پر یہ نہیں کہ پیدائش سے لیکر دس بارہ دن تک مائے بندوقوں کے فیراور باجوں کی آواز کے محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا مشکل اور گھر میں سکون سے گفتگو کرنا حرام، پھر پیدائش کے وقت اس کی بھی ضرورت نہیں ہوتی کہ لڑکی کی نانی صاحبہ کو ایک ہمینہ کے لئے مہمان بلایا جائے۔ اور نانامیاں کو بھی خالومیاں کو بھی اور خالہ بی کو بھی، پھوپھی صاحبہ کو بھی اور پھوپا صاحب کو بھی، اسی طرح زچہ کے لئے جو دایا آئے وہ تمام گھر سے انعام وصول کرتی پھر، بالکیو رپکا شہر اور آدمی تجارت پیشہ اور ملازمت پیشہ ہوتے اور اس درجہ حریریں اور لالچی کہ اگر اسے تجارت اور ملازمت کے لئے یورپ سے نکال کر کوہ قاف لے جائے تو وہ مع بیوی کے بڑی خوشی سے کوہ قاف میں جا کر آباد ہو جاتا ہے اس لئے یورپ کی بیوی کی پیدائش اکثر غیر ممالک میں اور وطن سے دور واقع ہوتی ہے اس لئے قدر تا پیدائش کے وقت اکوہاں مہمان کا طوفان بدتمیزی نظر نہیں آیا۔ بس ایک حسب ضابطہ دایا ہوتی، جسے یہ لوگ "لیڈی" ڈاکٹر کہتے ہیں اور بس البتہ وطن میں پیدائش کو وقت چند عزیز ضرور آتے ہیں سو وہ بھی حد سے سوا، "باضابطہ طریقہ پر" اب دولت اور علم کے باعث پیدائش کے وقت ہی سے اس کی پرورش

کے لئے نہایت بہتر اور اعلیٰ درجہ کے قاعدے اختیار کئے جاتے ہیں اور انتہائی صفائی اور اصول کی پابندی سے اس کی پرورش کا آغاز ہوتا ہے، اسکی پرورش کے لئے نہایت سلیقہ مند اور تعلیم یافتہ ملازمہ رکھی جاتی ہے اور آٹھ دس سال کی عمر تک اسے گھر پر تعلیم دینے کے بعد فوراً کسی اسکول میں داخل کر دیا جاتا ہے تعلیم اور ہنرمندی کے بعد اس کی شادی اوسے کے اختیار میں اس طرح دیدی جاتی ہے کہ وہ جس مرد سے راضی ہو اس کے ساتھ بیاہ دی جائے چنانچہ شادی کے لئے میاں بیوی کو قبل شادی ایک دوسرے کو دیکھنے اور آپس میں تبادلہ خیالات کرنے کے جملہ مواقع نہایت آزادی سے دیے جاتے ہیں اور چند اصول کے سوا باقی تمام معاملات میں وہی آزادی اور ذاتی پسند جائز ہے جسے اسلام نے مسلمانوں کی شادی بیاہ کے لئے مفید بنایا تھا اور جو اب چند خود غرض اور بے مغز مولویوں کے باعث مسلمانوں کو چھین کی گئی ہے۔ اور یہ ایسی ہی خلاف عقل و شرع پابندیوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں ۹۹ فیصدی شادیاں میاں بیوی کی مرضی کے خلاف ہوتی ہیں اور میاں بیوی عمر بھر ایک دوسرے کے مخالفت رہتے ہیں حسب طرح آپ کے ملاحظہ فرمائی صاحب کی شادی ہوئی ہے مگر یورپ کی بیوی کسی کی بیوی نہ ہو سکتی ہے اپنے شوہر کے جملہ حالات کو پسند کر کے شادی کی اجازت دیتی ہے۔ جو محض اعلیٰ تعلیم و تربیت کا اثر ہے۔

شادی میں اگرچہ بظاہر فضول رسموں کی کمی نظر آتی ہے پھر اسکی شادی کے مصارف کم نہیں ہوتے، البتہ وہ شوہر کے گھر پہونچکر شرم و حجاب کی مریضہ نہیں بن جاتی جس طرح ہندوستانی دہن مارے فرضی حجاب کے سال بھر تک نہ ساس سے بات کرتی نہ سسرے اور گھر کا کام کرنا تو ہندوستان کی نئی دہن کے لئے نہایت درجہ محبوب سی بات ہے، مگر یورپ کی بیوی جہاں اپنے شوہر کے گھر پہونچی کہ اب وہ سارے گھر کی کمانڈر انچیف نظر آنے لگی، تمام حساب و کتاب اور آمد و خرچ اوس کے اختیار میں دیدیا جاتا ہے، البتہ دولت کی کثرت کے باعث وہ گھر کا تمام کام خود نہیں کرتی بلکہ ملازمہ و خدام کے ذریعہ وہ انتظام کرتی ہے اور کافی توجہ سے ہر کام کی نگرانی کرتی ہے، یہ نہیں کہ ہندوستانی بیوی کی طرح گھر کے ہزاروں کام کرنے کے بعد شام اور صبح کو دس سیر گیھوں لیکر اس طرح چکی چلائے کہ قوالی تائیں بھی بلند ہوتی رہیں اور گیھوں بھی پیستے رہیں، اگرچہ یورپ کی غریب بیوی بھی گھر کا تمام کام کرتی ہے اور بد دل نہیں ہوتی، مگر فرق یہ ہے کہ ہندوستان کی بیوی گھر کا کام دن رات کر کے بھی شوہر ساس اور سسر کے طعنے اور گالیاں سنتی رہتی ہے اور یورپ کی غریب سے غریب بیوی بھی گھر کا کام کر کے ٹھیسٹر، اور سینما کے تماشے کی تفریح میں جا کر شریک ہو سکتی ہے، وہ ٹھنڈی شرک پر بھی گھومتی ہے اور ہونٹوں میں بیٹھکر سوڈا واٹر اور فالودہ پینے سے تو کبھی چکتی ہی نہیں۔

یورپ کی بیوی کا لباس نہایت قیمتی ہوتا ہے بلکہ لباس کے حساب سے وہ ہندوستان کی جاہل عورتوں سے کہیں زیادہ حرصیں اور شائق ہوتی ہے۔ اسی طرح گو وہ زیور و قداریں کم بھنتی ہے مگر قیمت کے لحاظ سے وہ ہندوستانی عورتوں کے زیور سے کہیں سوا ہوتا ہے، کانوں میں نفیس سے بُندے لگی ہیں بیش قیمت ہار ہاتھ میں ایک دو چڑیاں، انگلی میں یا قوت اور جواہر کی انگلیوں اور پانوں زیور سے خالی، یہ نہیں کہ پانوں میں بھی ڈھائی سیر کی جھانگ توڑے، پازیب اور دوسرے قسم کا زیور اتنا کہ چلیں تو چھم تو بٹھیں تو چھم وہ تو ہندوستان کی عورتوں کے بس کی بات نہیں ورنہ یہ اپنے پانوں پر سرکاری بینڈ باجہ تک باندھ کر چلنا بہت زیادہ پسند کریں۔

یورپ کی تمام قومیں چونکہ آزاد ہیں، انہیں قومی حکومت حاصل ہے اور تعلیم میں بھی وہ سب سے آگے ہیں اس لئے انہیں سب سے بڑی دولت جو حاصل ہے وہ ”وحدت قومی“ یعنی یورپ کی ہر قوم کے جو آداب و ضوابط تمدن و معاشرت اور مذہب و اخلاق سے متعلق ہیں ان میں ہمیشہ یکسانیت ہوتی ہے اور پوری پوری پابندی، مثلاً جس وقت ان کا بادشاہ چار پتیا ہے، اسی وقت وہاں کا فقیر اور کسان بھی چار پتیا ہے، اسی طرح میاں بیوی کے لئے بھی جو فرائض اور ذمہ داریاں ہیں انہیں بلند اور پست طبقات میں پوری یکسانیت کے ساتھ انجام دیا جاتا ہے الا بعض حالات

میں فرق ہو گا مگر کثرت میں وحدت اور یکسانیت کے اصول برتے جاتی ہیں، اسی لئے جو حقوق کہ یورپ کی عورت کے لئے خاص کر دیے گئے ہیں اون میں مرد و خیل نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ کی بیوی اگرچہ بہت زیادہ آزاد اور خطرناک ہے لیکن وہ اپنے شوہر کے لئے شفیق و مہربان بھی ہے سب سے بڑی خوبی فرائض کی بجا آوری میں ان لوگوں کی پابندی اور مستعدی ہے لیکن علوم اور دولت کی کثرت نے ان کے پچھلے قومی آداب و رسوم میں بھی دخل دیا ہے اور اب یورپ کی بیوی شوہر کے لئے خود شوہر ہو چکی ہے مثلاً یورپ کی بیوی اپنے شوہر کے لئے اسی وقت تک مہربان اور شفیق ہے جب تک اس کا شوہر اس کے ساتھ فرماں بردار اور خادم کی حیثیت سے برتاؤ کرتا ہے لیکن اگر شوہر صاحب کسی دن تاؤ کے ساتھ اپنی بیوی کو ایک آدھ چائٹا رسبڈ کر دیں تو صبح ہوتے ہوتے اون کی بیوی اون کے اوپر ”ایک عدد دعویٰ داغ دیتی ہے“ اور جب تک شوہر صاحب بھری عدالت میں بیوی صاحبہ کے قدموں پر اپنی ٹوپی رکھ کر معافی نہ مانگ لیں بیوی صاحبہ مقدمہ واپس نہیں لیتی ہیں، اور یہ حالت اصل میں علم و احساس کی زیادتی کا قدرتی نتیجہ ہے مثلاً جب ایک ہندوستانی عورت اپنی زندگی کی ضروریات ہی کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تو وہ اپنی عزت اور حقوق کے متعلق کیا خاک اندازہ کر سکتی ہے۔“

یورپ کی بیوی کو روپیہ کمانے کا اتنا ہی شوق ہوتا ہے جتنا ہندوستانی بیوی کو خرچ کرنے کا فرق یہ ہے کہ ہندوستانی بیوی بے ہنر اور بے تعلیم ہونیکے باعث شوہر کے باواٹک کی جائداد فروخت کر کے اپنے لئے زیور بنانے پر حاوی ہوتی ہے اور ریشم کی ساڑھی اور پمپ جوتے کے بغیر اسے چین نصیب نہیں ہوتا اور یورپ کی بیوی شوہر کی طرح ملازمت اور تجارت کر کے خود روپیہ کماتی ہے اور بینک میں جمع کرتی ہے، پھر وہ اپنی اس دولت کا زیادہ حصہ اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم پر سچ کرتی ہے یا اسے تجارت میں لگا کر مزید مادی کے مواقع پیدا کرتی ہے اور اسی حیثیت سے وہ تجارت اور ملازمت کے لئے زیادہ مستعد زیادہ جفاکش اور زیادہ صاحب حوصلہ ہوتی ہے اور سہی زاد عملی زندگی کے باعث وہ شوہر کے لئے خطرناک مواقع پر بھی نہایت درجہ شفیق رفیق زندگی ثابت ہوتی ہے مثلاً قوی اور ملکی جنگ کے مواقع پر یورپ کی ہر بیوی اپنے شوہر کے ساتھ میدان جنگ اور اندرون ملک غنیم کے مقابلہ کے لئے ہر امکانی خدمت بجالاتی ہے چنانچہ جنگ یورپ بابت ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء یورپ کی ہر قسم کی بیوی نے اپنے شوہر کو میدان جنگ میں اور اندرون ملک امداد ہم پھونچانی اگرچہ جنگ میں یورپ کی بیوی اس کمال بے جگرگی کثرت تعداد کے ساتھ اپنے شوہر کے کام نہ آئی جیسی کہ مراکش ریف اور ترکی کی مسلمان عورتیں اپنے مردوں کی معاون ثابت ہوئیں پھر بھی یورپ کی

بیوی شجاعت و شہامت اور دلیری کے لحاظ سے اپنی فطری نزاکت کے اعتبار زیادہ قابل تعریف ہوتی ہے اور اب تو اس کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ وہ ہوائی جہاں چلاتی ہے اور نہیں ڈرتی، اگرچہ ہندوستان کی ایک رانی صاحبہ بھی ۱۹۳۰ء میں ہوائی جہاز پر سوار ہو چکی ہیں مگر ہندوستانی عورتوں کے مقابل یورپی عورت بیوی بنکر بہت زیادہ شجاع اور کارآمد ہو جاتی ہے۔

یورپ کی بیوی کا شوہر گھر کے انتظامات اور مصارف میں بیوی کو مختار کل بناتا ہے یہ ہندوستانیوں کی طرح نہیں کہ خود تو ہوٹل میں بریان اور پلاؤ کھا آئے اور بیوی سے کھدیا کس جوار کی روٹی کھاتی ہو تو کھاؤ ورنہ اپنے باوا کے گھر جاؤ اسی لئے یورپ کا شوہر شام کے وقت کلب میں جاتا ہے اور بیوی سودا سلف لینے بازار میں چلتی ہوئی نظر آتی ہے، پھر بازار میں بھی اپنی ہاں کی بوڑھی خالہ بی کی طرح نہیں کہ جو ایک آنے کی ترکاری لینے جا لیں تو دس جگہ راستہ میں بیٹھ کر کھانستی رہیں اور گھر اس وقت واپس آئیں جب آپ دوسری ترکاری خود لا کر اور پکا کر کھا لیں، بلکہ ہندوستان میں جتنی یورپی بیویاں سودا لیتے دیکھی گئی ہیں اس طرح کہ یہ آئی یہ دکان میں یہ چیز اٹھائی وہ چیز دیکھی اسے جانچا اس سے سو گھا اور یہ لیا اور وہ گئی۔

عباداتی حساب سے یورپ کی بیوی ”بقدر ضرورت“ پابند ہے اور اسی لئے ہندوستان کے مقابل یورپ کی بیوی کو اخلاق قابل اعتراض

قرار پائے ہیں۔

معاشرتی حیثیت سے یورپ کی بیوی نہایت درجہ محتاط صاف ستھری چاق چوبند ہوتی ہے وہ بچوں سے لیکر گھر کی ادنیٰ ضرورت کا بوجھ بھی شوہر نہیں ڈالتی اسی لئے شوہر دکان یا ملازمت سے گھر آ کر نہایت شان سے کھانا کھاتا ہے اور آرام کرسی پر لیٹ کر اخبار پڑھا اور تاش کھیل کر سو جاتا، یہ نہیں کہ بیوی روٹی پکائے تو شوہر صاحب بچے کو کھلاتے رہیں، یا بیوی بچے کو کھلائے تو شوہر صاحب لکڑی پھاڑیں تب روٹی تیار ہو ورنہ جائے اور ہوٹل میں کھانا کھا کر بچے والی بیوی کے لئے روٹی لیتے آئے۔

یورپ کی بیوی تعلیم کی وجہ سے نیز قومی آداب و اصول تربیت کے اثر سے شوہر سے اندہی محبت نہیں کرتی بلکہ اوس کی محبت شوہر ہی نہایت ”قانونی“ ہوتی ہے اسی لئے شوہر میدان جنگ جائے، تجارت کے لئے وطن سے جہنم تک کے سفر پر جائے، نوکری کے لئے یورپ سے ہندوستان آئے غرض کہیں جائے، اوس کی بیوی پر ہر اس ناامیدی یا یو سی وحشت اور گھبراہٹ طاری نہیں ہوتی بس وہ جہاز یا ریل پر شوہر کو رخصت کرتے وقت اپنے ہاتھ کا رومال اوس وقت تک اڑاتی رہتی ہے جب تک شوہر کا جہاز یا ریل نظر آتی ہے مگر یہ نہیں کرتی کہ شوہر سے جھوم کر یا جھٹ کر یا لپٹ کر بالٹک کر اتنی زور سے رونے لگے کہ شوہر بھی گھر واپس آ جائے

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ یورپ کی بیوی شوہر سے زیادہ روپیہ کو عزیز رکھتی ہے اور اسی لئے وہ شوہر کے ہاں چلے جانے کے بعد بچوں کو ہارمونیم باجوں اور اخباروں سے دل بہلاتی رہتی ہے۔ بڑے ہی عشق کا اظہار کرتی ہے تو پردیس گئے ہوئے شوہر کے لئے عیدِ بقرعید پر میوے وغیرہ کا ایک آدھ پارسل بھیجتی ہے۔ سو یہ بھی اوس وقت جب وہ شوہر کے ساتھ پردینین جاتی ورنہ ہندوستان میں دیکھتے نہیں ہو کہ یورپ سے کس طرح وہ شوہر سے چٹنی ہوئی آتی ہے کہ پھر شوہر کو ہندوستانی خزانے سے نیشن دلا کر ہی واپس جاتی ہے پردیس کے تمام خطرات اور مصائب کے مقابلہ میں یہ نہایت دلیر اور شجاع ہوتی ہے۔

وہ شوہر کے گھر آکر اپنے ماں باپ کو یوں بھول جاتی ہو گویا وہ اولد کے ہاں پیدا ہی نہیں ہوئی تھی، وہ پردیس میں برسوں شوہر کے ساتھ رہتی ہے مگر اپنی اماں جان کو دیکھنے کے لئے شوہر کو چھوڑ کر نہیں جاتی یہ نہیں کہ جمعہ کے دن دروازہ پر ڈولی رکھی ہوئی ہے اور بیوی صاحبہ اپنی اماں بی کے گھر جا رہی ہیں۔

مذکورہ بالا حالات و اسباب کے لحاظ سے یورپ کی بیوی ہندوستانی بیوی کے نقطہ نظر سے نہایت شوخ، بے حیا، غیر مہذب، اور نقصان دہ ہے مگر یورپ والوں کے خیال میں وہ بڑی قیمتی چیز ہے، اور ہوتا بھی چاہئے جبکہ

ہر ملک اور ہر قوم کے اداب زندگی علیحدہ علیحدہ ہوا کرتے ہیں اس لئے اگر یورپ کی بیوی سے کوئی کام کی بات لی جائے تو سب سے پہلے یہ کہہ دوستانہ عورت کو بیوی بن کر اپنے شوہر کا ایسا ہی رفیق بنا چاہئے۔ جتنا کہ یورپ کی بیوی ہوا کرتی ہے یعنی کام اور کسب دولت کے لحاظ سے اور یہ اسی وقت ہوگا جب ہندوستانی عورت ذات اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ ہوگی اور ہندوستانی عورت کے لئے تعلیم اُس وقت ممکن ہوگی جب ہندوستانی گھرانوں اور خاندانوں کے تمام مرد تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہو کر قومی اور خاندانی دو تہ بندی میں اضافہ کریں۔

یورپ کی بیوی اپنے شوہر کی اوس محبت سے محروم رہتی ہے جو ہندوستانی بیوی کو حاصل ہوتی ہے، یعنی یورپ کے شوہر کو دولت کمانے سے کبھی فکر حاصل نہیں ہوتی اس لئے بیوی اوس سے لطف حاصل نہیں کر سکتی اور اسی لئے یورپ کی بیوی کی زندگی ایک طرح کی افسردہ اور حسرت ازیب زندگی ہوتی ہے، یورپ کی بیوی حراج کی نہایت درجہ تیز ہوتی ہے لہذا ہر شہر سے لڑائی کے لئے تیار رہتی ہے، چنانچہ یورپ میں طلاقوں کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری قوم میں نہیں، رنگ کی حد سے زیادہ سفید اعضا میں اعتدال قد میں کہیں کہیں شوہر سے دو میل اونچی۔

عملی اعتبار سے بے پردہ ہونے کے باعث یورپ کی بیوی آج کل

زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں کے برابر شریک ہے یعنی وہ فوجی سپاہی سے لیکر پارلیمنٹ کی رکن، وزیر، جج، مجسٹریٹ، وکیل، اور ہر فتر میں منشی جی صاحب۔ "بنی ہوئی نظر آتی ہے صرف یہ نہیں سنا کہ وہ کو تو الٰہی بھی ہوتی ہے مگر ہاں وہ محکمہ جاسوسی اور سی، آئی، ڈی کے کاموں میں بڑی مفید ثابت ہوئی ہے، غرض ہر چیز میں وہ کامل تعلیم اور تجربہ حاصل کرتی ہے اور ہندوستانی بیوی کو اگر اردو کا اخبار غلط سلاط طریقہ پر پڑھنا آجائے یا وہ شوہر کو غلط املا کے ساتھ ایک آدھ خط لکھ دے تو شوہر صاحب بڑے فخر سے اسے "تعلیم یافتہ بیوی" کہتے ہیں اور بڑی مصیبت یہ کہ ایسی نیم خواندہ بیوی خود بھی تعلیم یافتہ سمجھتی ہے اور کلب میں جانے اور شوہر کی لکھی ہوئی تقریر پڑھنے پر مرتی ہے مگر شرماتی نہیں باقی خیریت ہے۔"

یہ ہے یورپ کی بیوی کے متعلق ملارموزی کا نقطہ خیال لیکن اسی بیوی کو ہندوستان کے شعری نقطہ خیال یا ایک نکتہ رس ناعر کی نظر سے دیکھنا ہو تو حضرت جوش یلچ آبادی کی ذیل کی نظم پڑھئے جو ہندوستان کے سب سے بلند نظر شاعر ہیں واضح ہو کہ ہندوستان میں مغرب، "یا مغربی سے مراد یورپ اور یورپ والا ہے۔ جیسا کہ اس نظم میں کہا گیا ہے۔ نظم یہ ہے ۵

شمالی امریکہ گرین لینڈ، برٹش شمالی امریکہ کہتے ہیں، گرین لینڈ ہی کو لیجیے جو رقبہ میں نصف ہندوستان کے برابر ہے۔ اور حکومت ڈن مارک قبضے میں ہے اسی طرح خود امریکہ پر غیر امریکی باشندوں کا قبضہ رہا ہے جن میں انگریز لوگ خاص ہیں اسے ”اضلاع متحدہ بھی کہتے ہیں یعنی“ مرکزی حکومت اس لئے کہ امریکہ مختلف جزیروں اور ریاستوں وغیرہ پر منقسم ہے اس لئے اس کی انتظامی جماعت کا مرکزی نام ”دولت متحدہ امریکہ“ ہے یہ دنیا کی سب سے بڑی اور زبردست جمہوری حکومت ہے یعنی یہاں کے باشندوں کا تمام انتظام انہی کے نمائندوں کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ پنچائتی طریقہ سے انتظام کرنے والے بچوں کا ”سر بیچ“ ہوتا ہے جو امریکہ کے باشندوں میں سب سے زیادہ قابل اور فاضل ہوتا ہے اور پانچ سال کے لئے امریکہ کے تمام باشندوں کے اتفاق اور انتخاب پر مقرر کیا جاتا ہے اور اسی کی آخری منظوری سے امریکہ کے باشندوں کے انتظامات کئے جاتے ہیں اس کے ماتحت نمائندوں کی جو مجلس ہوتی ہے اسے انگریزوں کے ہاں ”پارلی منٹ“ اور امریکہ میں ”سینٹ“ کہتے ہیں اس کے بعد وزیٹروں کی جماعت ہوتی ہے اضلاع متحدہ خصوصاً اوس حصہ کو کہتے ہیں جس میں شمالی امریکہ کا وہ حصہ بھی شامل ہے جو حکومت کنیڈا اور ریاست ہائے میکسیکو کے درمیان واقع ہے

الغرض ان حدود کے باشندے، علم و حکمت، ایجاد و اختراع تجارت و ذرا
تہذیب و تمدن، سیاست و حکمرانی اور بین الاقوامی حالات اور کاموں کی
حیثیت سے گو یورپ کے باشندوں کے بعد ہیں مگر ان تمام چیزوں میں اکثر
چیزوں میں وہ یورپ والوں سے اس درجہ بھی آگے ہیں کہ یورپ والے
انہیں ملارموزی صاحب کے تیز سے تیز موٹر کار پر سوار ہو کر بھی نہیں
پاسکتے، خصوصاً دو تہذیبی میں امریکہ کے برابر دنیا کے تمام حصوں کے
 باشندے مقابلہ نہیں کر سکتے جس کا یہ مطلب ہے کہ امریکہ کے باشندے
وماغی اور علی قابلیت میں تمام دنیا کے باشندوں سے بجز ملارموزی کے
آگے اور سر بلند ہیں الغرض اب ایک نظر امریکہ کی پیروی پر ڈالے جو پورے
واقعہ ہوتی ہے کہ امریکہ میں ایک دھن جس وقت اپنے گھر میں پہنچتی ہے
علم و فضل سے آراستہ ان تمام طریقوں سے اچھی طرح واقف ہوتی ہے۔
جو اسے گھر چلانے کے لئے جاننے ضروری ہیں۔ وہاں گھروں میں بہت زیادہ
کام مشینوں سے کیا جاتا ہے جس سے ایک تو محنت کم پڑتی ہے۔ دوسرے
وقت بہت بچتا ہے۔ گھر میں شکل کام برتن صاف کرنا اور کپڑے دھونا اور
کھانا پکانا ہیں۔ جو مشینوں کی مدد سے آسان ہو گئے ہیں۔ وہ ان کی بہت چلے
فاتح ہو جاتی ہے اور اگر گھر میں بچے نہیں تو اس کے سوا کہ دشمنکاری یا
یا لکھنے پڑھنے کے مشغلوں سے اپنا دل پہلائے اور کوئی مصروفیت اس کو

نہیں ہوتی۔ کبھی اخبار پڑھتی ہے کبھی رسالے دیکھتی ہے۔ کتابوں کا مطالعہ کرتی ہے۔ مگر آخر کب تک؟ تھک جاتی ہے سوچتی ہے۔ اب کیا کروں اس سوال کا اسے کوئی جواب نہیں ملتا۔ جمائیاں لیتی ہے۔ اونگھنے لگتی ہے سو جاتی ہے۔ مگر جاگنے پر پھر وہی خیال اس کے سامنے آمو جو دھوتا ہے اور وہ کوئی جواب نہیں پاتی۔

آہ میری مسرت! وہ ٹھنڈی سانس لے کر کہتی ہے۔ میری شادی تو ہو گئی۔ مگر میری مسرت کہاں ہے۔ وہ اپنے شوہر کا خیال کرتی ہے۔ وہ اس کی نظر کے سامنے نہیں۔ بیوی کی طرف سے بالکل غافل۔ تجارتی حساب میں مستغرق ہے۔ وہ سوچتی ہے کبھی میرے شوہر کو مجھ سے محبت تھی۔ ممکن ہو کبھی ہو مگر اب اسے محبت پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں ہے۔ اس کی تجارتی کامیابی اس کے دل میں بیوی کی جگہ ڈال کر کی محبت پیدا کر دی ہے۔ ہفتے کے چھ دن تجارت میں منہمک رہتا ہے۔ گھر میں آتا ضرور ہے۔ مگر اس قدر متفکر۔ پریشان اور تھکا ہارا۔ کہ اطمینان سے بیٹھ کر دو باتیں بھی نہیں کر سکتا۔ اس کا جسم گھر میں ہوتا ہے۔ دماغ دفتر میں۔ بات بیوی سے کرتا ہے۔ خیال حساب میں ہوتا ہے۔

بیوی اتوار کا انتظار کرتی ہے۔ اتوار آتا ہے لیکن شوہر رنج بھی گھر میں نظر نہیں آتا۔ وہ کسی میدان میں گولٹ یافت بال کھیل رہا ہے چھ دن سخت

دماغی کام کیا ہے۔ آج اپنی تندرستی کا حق ادا کر رہا ہے۔ مگر اس کی بضیب بیوی کا حق ڈالر تجارت اور صحت کی چکی میں پڑ کر پس گیا ہے۔ بیوی کا دل گھر کو اوجاٹ ہو جاتا ہے میدانوں۔ تماشہ گاہوں اور کلب گھروں کی راہ لیتی ہے مگر بالکل بے فائدہ جب گھر میں تسلی نہیں تو دوسری جگہ کیا خاک ہوگی۔

امریکہ کی سب سے زیادہ قابل فخر درگاہیں مشترک یونیورسٹیاں ہیں۔ یہاں عورت اپنی زندگی کے بہترین تین چار سال گزارتی ہے۔ وہ کیا سیکھتی ہے؟ اعلیٰ ذوق علوم فلسفہ علم النفس علم الحیات وغیرہ وغیرہ جو اس کی خانگانی زندگی میں کچھ کام نہیں دیتے۔ ایک دن میں نے نوجوان لڑکی سے سوال کیا تم علوم کیوں پڑھتی ہو؟ اس نے فوراً جواب دیا۔ حقائق اشیا معلوم کر نیکی کے لئے لیکن اب حقائق اشیا کا قیمتی علم بلائے جان ہو گیا ہے۔ آج کل امریکہ کے مرد عورت سب اسی کے جنون میں مبتلا ہیں وہ زندگی کی ہر بات علمی مسئلہ کی صورت میں دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں۔ محبت شادی۔ اولاد۔ محنت خانہ داری۔ کھیل یہ سب اپنی اپنی جگہ حقیقتیں ہیں۔ علمی مسائل میں علم الحیاہ اور علم الاقتصاد کے اصول پر انہیں حل ہونا چاہئے۔ پھر وہ حل بھی ہر اعتبار سے علمی منطقی ہو۔ یہی سبب ہے کہ امریکہ میں جرات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں امریکن نوجوان اس بات میں جرات دکھاتا ہے جو اقتصادی حیثیت سے مفید ہو +

امریکہ کی مشترک یونیورسٹیاں اس لئے قائم کی گئی ہیں۔ کہ مرد و عورت کی تقسیمت جائے یہ قول ایک یونیورسٹی کی پرنسپل کا ہے۔ میں نے اسے ایک مشہور فرانسیسی پروفیسر کے سامنے نقل کیا۔ تو وہ چلا اٹھا۔ اُف ناقابل تصویب لگتی ہے۔ زندگی کے قدرتی جذبات کی لطافت کی جگہ اب ایک سر سے پیر تک بے ادبی اور اصولی زندگی ہے جس میں امریکہ کا ہر فرد مبتلا ہو گیا ہے۔

ناول اور انسانے میں نے بہت سی یونیورسٹیوں کے کتب خانوں کی سیر کی اور مجھے یہ دیکھ کر خیریت ہوئی کہ ان کی فہرستیں ناولوں سے تقریباً خالی ہیں۔ اقتصادیات، طبیعیات، فلسفہ و نفسیات۔ غرضکہ تمام متین علوم کی کتا ہیں بھری ہوئی ہیں۔ امریکن فوجوان زیادہ تر یہی خشک کتابیں پڑھتے ہیں یہی وجہ کہ قریب جذبات ان میں بہت کم ہو گئے ہیں۔ وہ مادی اور فلسفی ہو کر رہ گئے ہیں۔ روح اور قلب کی قوتیں دب گئی ہیں یہ ایک فن میں مہارت کی دہن۔

امریکہ کی گھریلو زندگی کو بد مزہ کرنے والی ایک چیز اور بھی ہے مرد و عورت کی تعلیم عام طور پر کسی ایک علم یا فن کی ہوتی ہے کہ وہ ایک پیشہ میں خاص وجہ حاصل کر سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ اگر بیوی اس فن میں ماہر نہیں تو دونوں زندگی بے لطفی بلکہ تلخی پیدا ہو جاتی ہے۔ شوہر کا دماغی رجحان کچھ اور ہو گا۔ بیوی کا اور۔ دونوں اپنی بات چیت کے لئے کوئی دلچسپ موضوع نہیں پاتے۔ معمولی اور رسمی باتوں کے بعد اپنے اپنے خیالات میں غرق ہو جاتی ہیں۔

اس وقت عورت کو محسوس ہوتا ہے کہ اس نے جو تعلیم یونیورسٹی میں حاصل کی تھی بے فائدہ نکلی۔

ان مشترک تعلیم گاہوں نے ایک اور سخت مضرت بھی پیدا کر دی ہے۔ فوجوان مرد اور عورتیں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے ہیں جن سے ان میں تدریج دوستی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دوستی محبت کی شکل اختیار کرتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ شادی ہوتا ہے۔ یہ کچھ بُرا نہ تھا۔ اگر مناسب عمر میں ہوتا۔ لیکن حالت یہ ہے کہ اکثر شادیاں ۱۹ اور ۲۰ برس کی عمر میں ہو جاتی ہیں (جو یورپ میں عام طور پر تعلیم پانے کی عمر ہے) اور اس سے سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔ مرد و عورت دونوں شادی کے بعد کی ذمہ داریوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ بلکہ ابھی دونوں طالب علم ہی ہوتے ہیں۔ گھر میں چار چار بچے کھیلتے ہیں۔ اور ماں باپ یونیورسٹی کے کمروں میں استادوں کے سامنے بیٹھے ہوتے ہیں۔ اس طریقہ زندگی سے جو خوابیاں اور پریشانیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ وہ ظاہر ہیں لیکن تعجب ہے کہ امریکہ کے عقل مند اس کی روک تھام نہیں کرتے بلکہ اسے پسند کرتے ہیں۔

یہاں مردوں کی طرح عورتوں کی زندگی بھی روپیہ کمانے اور خرچ کرنے میں بسر ہوتی ہے۔ بازاروں میں کپڑوں کی اکثر دکانوں پر یہ حبات نظر آتی ہے۔ کہ یہاں عورتوں کو کپڑے سینے کی تعلیم مفت دی جاتی ہے۔

کہیں سائن بورڈ پر لکھا ہے۔ ”یہاں علم تہذیب مندرجہ (خانہ داری) پر لکھتے
 سنائے جاتے ہیں۔“ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکن عورت بالکل بیکار
 نہیں رہتی۔ وہ اپنی خانگی زندگی میں تو ضرور بد نصیب ہوتی ہے۔ مگر علمی
 اور صنعتی ترقی برابر کر رہی ہے۔ لیکن دراصل اس ترقی نے اسے مسرت و
 محروم بھی کر رکھا ہے۔ وہ بہت مصروف ہوتی ہے۔ اس کا ثبوت بازار میں
 ملتا ہے۔ وہاں عورتوں سے بھری رہتی ہیں دکاندار اپنے اعلانوں میں عموماً
 عورتوں ہی سے خطاب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ مردوں کو خرید و فروخت
 کی مہلت نہیں وہ روپیہ کمانا جانتے ہیں۔ خرچ کرنا نہیں جانتے۔ عورتیں ان کی
 ہفتہ بھر یا مہینہ بھر کی آمدنی پر قابض ہو جاتی ہیں اور بازاروں میں آکر بیچ
 خرچ کر دلاتی ہیں۔ عورتوں کے اسراف کا اندازہ صرف اتنی بات کی جا سکتا ہے
 کہ گزشتہ دس سال کے اندر منہ پر ملنے والے روغنوں کی تعداد کی فروخت میں
 فی صدی دو ہزار کا اضافہ ہو گیا ہے۔

امریکہ کے زمانہ کلب دنیا میں اپنی نظر آپ ہی ہیں۔ بڑے ہی شاندار
 خوب صورت اور جدید ترین سامان سے آراستہ ہوتے ہیں۔ عورتیں چونکہ شوہر کو
 گھر میں نہیں پاتیں اور دل چسپی سے محروم رہتی ہیں۔ اسلئے اپنا زیادہ وقت
 کلب ہی میں گزارتی ہیں۔ عام طور پر عورتیں ہی شوہر کو موٹر میں بٹھا کر دفتر
 لے جاتی ہیں۔ اور اسے گھر پر چھوڑ کر خود سارا دن کلب میں صرف کرتی ہیں

شام کو پھر موڑے کر دفتر گئیں اور لے آئیں رات کا کھانا عموماً
 میاں بیوی مل کر ہوٹل میں کھاتے ہیں۔ اور پھر گھر آکر سو رہتے ہیں۔
 سب سے زیادہ کلب ڈل ولسٹ میں ہیں۔ یہ کلب بہت ہی دلچسپ
 اور مفید ہیں لیکن ایک عیب ان میں یہ بہت بُرا ہے کہ غور و فکر کی ساری
 قوت سلب کر لیتے ہیں اور دماغ میں اس قدر معلومات بھر دیتے ہیں۔ کہ وہ
 اسے ہضم نہیں کر سکتا۔ دن بھر کلب گھروں میں علمی تقریریں ہوتی رہتی ہیں
 ایک دن میں نے شکاگو کے ایک زنانہ کلب میں چار مختلف مضمون پر لکچر سنے
 مضمون یہ تھے۔

۱۔ مرد کا کام گھر میں ۲۔ غذا کی تاثیر جسم انسانی پر ۳۔ موجودہ ادبیات
 اور خوارقِ عادت۔ سحر و ساحری کی حقیقت۔

میں نے بڑے غور سے لکچر سنے تھے۔ لیکن جب آخر میں سوچا کہ میں نے
 کیا سنا تھا تو باوجود سخت کوشش کے اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کیونکہ
 دماغ مختل ہو چکا تھا صرف دو باتیں حافظے محفوظہ گئی تھیں ایک یہ کہ دیکھو
 کو کھانا نہیں کھانا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ دنیا کی اقتصادی حالت ایسی
 ہو گئی ہے۔ کہ انسان دولت جمع کرنے کا آلہ بن گیا ہے۔ صرف ایک دن میں
 میرا یہ حال ہوا۔ لیکن ان عورتوں کا کیا حال ہو گا جن کی ساری زندگی انہیں
 کلب گھروں میں گزر

امریکہ میں بے شمار خجمنیں اس غرض سے موجود ہیں کہ ماؤں کو مفت مشورے دیا کریں۔ ان میں ہمیشہ لکچروں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور ماؤں بتایا جاتا ہے کہ وہ کون کون سی کتابیں پڑھیں۔ کس قسم کا کھانا کھائیں کیا سوچیں کیا دیکھیں۔ غرض کہ ہر معاملے میں باقاعدہ علمی مشورہ دیا جاتا ہے۔ اس کے صاف یہ معنی ہیں کہ امریکہ میں جس طرح سب معاملات اصولِ قواعد کے تحت رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح نسوانیت بھی علمی اصول کے تحت لائی جا رہی ہے۔ اور یہی خبط کہ ہر چیز کو علم کے سانچے میں ڈھال لیا جائے انسانیت اور مرد و عورت کی جنسیت اور فطرت کا خاتمہ کئے دیتا ہے۔ دنیا میں امریکہ کی نوجوان عورت سے بڑھ کر کوئی چیز باقاعدہ نہیں۔ وہ اٹھڑ نہیں ہوتی۔ اپنے شوہر کی طرح کسی نہ کسی علم یا ہنر میں ماہر ہوتی ہے۔ اپنے گھر کو ترتیب و انتظام سے رکھ سکتی ہے۔ امریکن عورت انگلستان کی عورت سے کہیں زیادہ سلیقہ مند اور منظم ہوتی ہے۔ وہ اپنے بچوں سے بے حد محبت کرتی ہے ہندوستان کی طرح امریکہ میں بھی اولاد اپنے ماں باپ کی ملکیت سمجھی جاتی ہے گھروں میں بچوں کے لئے علیحدہ کمرے نہیں ہوتے۔ پورا گھر بچوں کے لئے کھلا ہوتا ہے اور وہ دن بھر اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ اسی طرح دایاں اور کھلائیوں رکھنے کا رواج بھی کم ہے۔ خود ماں ہی دائی ہوتی ہے اور اپنے بچوں میں کسی کی مداخلت

گورائیں کرتی خود ان کا مستقبل اپنے مستقبل سے وابستہ سمجھتی ہے
ان کی تعلیم و تربیت میں وہی اصول مد نظر رکھتی ہے۔ جو لکچروں میں سنتی اور کتابوں
میں پڑھتی ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی اس کی زندگی ایک بڑی حد تک مسرت
خالی ہوتی ہے کیونکہ جیسا اوپر بیان ہو چکا ہے۔ علم اور تجارت کی ترقی نے
ازدواجی مسرتوں کا دائرہ اس پر تنگ کر رکھا ہے۔ امریکہ کی عورت علم اور
مادی ترقی سے اب نالاں ہے اور چونکہ امریکہ کی عورت خوش نہیں ہے اس لئے
باوجود بے شمار دولت رکھنے کے امریکہ بھی خوش نہیں ہے وہ تمدن کی شدت
اگتا گیا ہے اور پیچھے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ موجودہ صورت
حال کا آئندہ پلٹا کیا ہوگا؟

ان حالات کے بعد ہندوستانی کی حیثیت سے یہ دعا نما موزی صاحب
کے لئے واجب ہو جاتی ہے کہ ”خدا ہمیں امریکہ کی بیوی سے بچائے“ مگر جن لوگوں
آداب زندگی اور عادات ہی یہ ہوں اور ان کے نقطہ نظر سے بھی بیوی ساری
دنیا کی بیویوں سے زیادہ بہتر ہوگی پھر بھی خدا کی پناہ۔“

ایک تہذیب نسواں لاہور، اگست ۱۹۲۹ء

افریقہ کی بیوی

انسانی آبادی کا یہ علاقہ مختلف ناموں سے مشہور ہے کوئی اسے ”تاریک براعظم“ کہتا ہے تو کوئی اسے ”گرم براعظم“ اور کوئی اسے ”بلند ترین براعظم“ کے نام سے پکارتا ہے تاریک حصہ زمین ہونے کی مختلف وجوہ ہیں مثلاً

ایک یہ کہ یہاں حبشی یعنی کالی نسل کے لوگ آباد ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس کے حالات سے دوسری انسانی آبادیاں عرصہ دراز تک ناواقف رہیں؛

تیسرے یہ کہ اسکے اکثر باشندے جاہل و بے تعلیم اور غیر مہذب تھے چوتھے یہ کہ اس حصہ زمین کی سطح کا $\frac{1}{3}$ حصہ منطقہ حارہ میں واقع ہے۔

پانچویں یہ کہ گو اس میں کوہ ہمالیہ کی طرح بلند ترین پہاڑ تو نہیں ہیں مگر اکثر مقامات پر اس کی سطح مرتفع ہے اور اس کی اوسط بلندی نسبتاً براعظموں کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کا شمالی حصہ چوکور ہے اور جنوبی حصہ شمال میں ایک زبردست پھاڑی سلسلہ ہے۔

مشرقی حصہ کو ایک دریا سیراب کرتا ہے جسکی طغیانی آس پاس کے

علاقوں کو ترخیز اور پیداوار کے قابل بنائے رہتی ہے۔

اسکے مغربی حصے میں دنیا کا مشہور خشک علاقہ ہے جو صحرائے عظم کہتے ہیں جنوبی حصہ ایک مثلثی ناسطیح مرتفع ہے جو چھڑی سلسلہ کی گھری ہوئی ایشیائی آبادی کا زیر دست حصہ زمین یورپ کے جنوب اور ایشیاء جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کو بحیرہ روم اور آبنائے جبل الطبر عظم یورپ سے اور خلیج عدن اور بحیرہ قلزم ایشیاء سے جدا کرتا ہے، خاکائے سویر میں سے جہازوں کی آمد و رفت کے لئے ایک نہر کاٹی گئی ہے اس لئے افریقہ کو جزیرہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

یہ علاقہ وسعت میں ایشیاء سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً ایک کروڑ پندرہ لاکھ مربع میل ہے یعنی ایشیاء کے تقریباً تہائی حصہ کے برابر اور ہندوستان سے آٹھ گنا۔

آج سے (۳۰) برس پہلے اس کی آبادی کا تخمینہ (۱۶) کروڑ تھا۔ اس علاقے کے باشندوں کی جمالیات اور بے ہنری دیکھ کر یورپ کے بہادر و جبری 'ذی حوصلہ' عالی ہمت، جنگ جو، جفاکش، محنتی، ذی علم، اور ہنرمند باشندوں نے اس علاقہ پر چڑھائی کی، نتیجہ یہ ہوا کہ سولہ کروڑ افریقی باشندے ان کے غلام بن گئے اور یورپ کی ہر قوم نے اس کا کوئی نہ کوئی علاقہ اپنے قبضے میں کر لیا، پھر اس علاقے سے یورپ والوں نے

بے شمار دولت، سہنے کی کانوں، کونے کی کانوں، جواہر، غرض ہر قسم کے مال و زر کی چیزیں حاصل کیں، اس علاقے میں یورپ کی جن قوموں نے فتح پائی اور علاقے کے علاقے اپنے قبضے میں کر لئے اون میں، انگریز، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، پرتگالی، اور لیبی، خاص ہیں۔

کہنے کو اس علاقے کے چند حصے خود مختار اور آزاد علاقے۔ کہے جاتے ہیں مگر ایسی آزادی پر کلا حول دلا قوت پس ایسے لاجول دلا قسم کے آزاد علاقوں میں۔ صوبجات بربر ”تھے جنہیں ”مراکو“ مراکش اور مراکش بھی کہتے ہیں۔ اس علاقے کے تمام باشندے عرب مسلمان ہیں لیکن اس آزاد علاقے کے باشندوں کا اب یہ حال ہے کہ حکومت فرانس بار مارکر ان کا کچھ مرکال دیا ہے چنانچہ ہندوستان کے تمام مسلمان علماء کی مرکزی جمعیتہ العلماء ہند کے اخبار ”الجمعیتہ دہلی نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۳۱ء کے صفحہ نمبر ۲ کا لم نمبر ۳ و نمبر ۴ پر ان باشندوں کو حق میں حکومت فرانس کے تازہ مظالم کو ان الفاظ میں چھاپا ہے۔

الجزائر کے اسلامی مدارس اور تعلیم گاہوں میں قرآنی تعلیم بالکل بند ہے، شرعی کچھ لوگوں کو مٹا دیا گیا ہے مدرسین اور اوستاد عیسائی ہیں عیسائیوں کی تبلیغی جماعتیں تیزی سے روم کام کر رہی ہیں۔

مئی ۱۹۳۲ء میں حکومت فرانس نے اس علاقے کے برائے نام سلطان سے ایک اعلان جاری کر دیا جسکی رو سے ساری سلطنت کے مسلمان باشندوں پر یہ لازم ہو گیا کہ وہ اپنے تمام جھگڑوں کا فیصلہ اسلامی قانون کے عوض فرانس کے بنا کر ہونے والے قانون کے موافق کرائیں۔“

ان کی عربی زبان مثنائی جا رہی ہے۔ اسلامی بادشاہوں نے جو اوقات کی زمینیں کعبۃ اللہ کے نام پر وقف کی تھیں ان کو حکومت فرانس اپنے فائدے پر خرچ کر رہی ہے مسلمان علماء اور دوسرے اصلاح کرنے والے بغیر حکومت کی اجازت کہ اس علاقے میں نہیں جاسکتے بربر قبائل میں تبلیغ اسلام کا کام قطعاً بند ہے پند نصیحت سے یہ باشندے محروم ہیں اسلامی مدرسے بند ہیں، مساجد برباد ہیں قرآن شریف کی تعلیم کو حکماً بند کر دیا گیا وغیرہ

بغرض محال اگر اتنے مظالم نہیں تو اس سے آدھے تو ضرور ہیں اور اسی لئے یہاں کے بعض علاقوں کے باشندوں نے ۱۹۲۲ء میں غازی عبدالکریم ریفی کی کمانڈ میں حکومت فرانس اور حکومت اسپین سے شدید تر لڑائی لڑی تھی جس میں حکومت فرانس کی بے شمار فوجوں سے مقابلہ کی تاب نہ لائے بالآخر ان مسلمانوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور غازی عبدالکریم کو

حکومت فرانس نے اپنے ایک جزیرہ میں سح اوس کے خاندان کے بند کر دیا۔
جو آج ۱۹۳۱ء تک نظر بند ہیں۔

افریقہ کے جو علاقے ہندوستانی مسلمانوں میں زیادہ مشہور ہیں
اون میں مصر، بیروت، مراکش، خاص ہیں، اور اسلامی تہذیب تمدن
اور اسلامی برادری کے لحاظ سے بھی علاقے دنیا کی بلند تاریخ میں بھی
نہایت عزت کی جگہ حاصل کر چکے ہیں۔ خاص کر ملک مصر دنیا کی قدیم
تاریخ میں نہایت مہذب ترقی یافتہ اور شائستہ ملک مانا گیا ہے اسی طرح
علاقہ مراکش بھی اسلامی حکمرانی، اسلامی تمدن اور اسلامی تعلیمات کا بہت
زیادہ بلند علاقہ تسلیم کیا گیا ہے، اور اب تو تقریباً تمام افریقہ کے باشندے
اعلیٰ تعلیم یافتہ، بہترین تجارت پیشہ اور ہنرمند ہو گئے ہیں، اگرچہ یہاں
تعلیم یافتہ طبقہ بھی ہندوستان کے جدید تعلیم یافتہ طبقے سے مشابہ ہے
یعنی ~~خارج~~ قوموں کا ”نقال“ باقی سب طرح خیریت ہے پھر بھی اسکے زیادہ
باشندوں نے ابھی تک ہندوستانیوں کی طرح اپنا قومی لباس، قومی
تہذات قومی رسوم اور قومی زبان کو ترک نہیں کیا ہے۔ البتہ جن مقامات کے
باشندے یورپ کے باشندوں سے زیادہ متہرب بد قسمتی سے
اون کے اندر غیر قومی آداب غیر قومی لباس اور غیر قومی نیلن و عادات
کو خاص غلبہ حاصل ہو گیا ہے۔

اب ہم برعظم افریقہ کے ایسے علاقوں کی بیوی سے بحث کریں گے جو ہندوستان میں زیادہ مشہور و معروف ہیں یعنی ملک مصر اور ملک مراکش سو واضح ہو کہ اگرچہ ملک مصر کی تہذیب ”اسلامی حکمرانی“ اور اس کے باشندوں کی دماغی فضیلت ہمیشہ سے مسلم اور قابل تعریف مانی گئی ہے، لیکن اس علاقے پر غیر ملکی قوموں کے طویل تر قبضے سے یہاں کے اصل باشندوں کو خواہیں بہت زیادہ بدل گئے اور مسلسل غلامی کی زندگی سے یہ حد سے سوا عاجز و رانہ اور ضعیف ہو گئے، مگر اون کی عالی دماغی اور بلند ہمت میں فرق نہ آیا، اور گویہ حوصلہ اور عالی دماغی اون کی قدرتی اور آبائی چیز ہے پھر بھی انھیں زیادہ ترقی کرنے، آزاد رہنے اور ہر کام میں بلند حوصلہ رہنے میں نہر سوز نے بہت زیادہ اثر کیا یعنی اس جدید دریائی راستہ کے کھل جانے کے باعث ملک مصر ایک ایسی جگہ بن گیا جہاں ہر وقت تمام دنیا کے باشندے آنے جانے لگے اور تمام دنیا کے جہازوں کو آنے جانے کی دوسری قوموں کے علوم و فنون تمدن اور تمام حالات بھی مصری باشندوں کے پھونچ گئے۔

خصوصاً پہلی صدی میں جو قوم مصری باشندوں پر حکمراں تھی یعنی ترک عسائوس نے ان باشندوں کو بہت زیادہ ہوشیار اور ہنرمند بنایا۔ اس لئے کہ ترک لوگ خود یورپ کے باشندے ہیں اور وہ ترقی کے

لحاظ سے یورپ کی قوم سے پیچھے نہیں ہیں صرف تعداد کے لحاظ سے وہ یورپ کی دوسری قوموں سے کم نہیں اس لئے بھی نیز اس لئے کہ مصر اور ترکی کو لوگ آپس میں ہم مذہب بھی تھے۔

مگر ۱۹۱۷ء سے اس ملک پر انگریزوں کا قبضہ نافذ ہے۔ اور کہنے کو مصر کا سلطان بھی مصری ہے اور وزیر لوگ بھی مصری۔

الغرض یہاں کی بیوی بھی کچھ عجیب قسم کی ”ملی جلی ہوئی“ ہوتی ہے ملی جلی کے یہ معنی ہیں کہ یہاں کی جو عورتیں ترقی کے لحاظ سے مثال بنا کر پیش کی جاسکتی ہیں اون کی ترقی میں بھی وہی بربادی شامل ہے جو ہندوستان کی ترقی یافتہ عورتوں میں موجود ہے اور ہر غلام ملک کے باشندوں میں ترقی اگرچہ لفظی یا مشہور عام ترقی کے لحاظ سے یہاں بھی زندگی کے ہر حصہ میں عورتوں نے خاصی ترقی کی ہے مثلاً ملکی آزادی کی کوشش میں اونہوں نے مردوں کے برابر کام کیا علمی حیثیت سے اون میں مصنف، ایڈیٹر، وکیل شاعر، وغیرہ سب ہی موجود ہیں جن میں سے بعض مشہور اور اعلیٰ ترقی یافتہ عورتوں کے نام یہ ہیں۔ آنہ می، بیگم زغلول پاشا، زکیہ سلیمان اور سیدہ ہدی شعرا دیہ خانم مگر اس قسم کی تمام عورتیں ”جدید قسم کی عورتیں ہیں“ اور اسی لئے اون کا ہر کام جدید رنگ کا ہے مثلاً وہ ۱۹۱۷ء میں ملک اٹلی کی اوس مجلس میں شریک ہوئی تھیں جو تمام دنیا کی

عورتوں کی مجلس تھی اور جس کے صدر حکومت اٹلی کے مشہور وزیر اعظم
 سائمنور تسولینی تھے اس مجلس میں ان مصری عورتوں نے جو کام کیا اور
 جو تقریریں کی تھیں ان پر اٹلی کے وزیر اعظم اور تمام دوسری عورتیں
 آنکھیں پھاڑ کر دھندھکول کر رہ گئے تھے اور کچھ شک نہیں کہ مصری عورتوں
 میں تعلیم جدید اور مردوں کے برابر ترقی کرنے کا خیال اور کام نہایت
 تیزی سے بڑھ رہا ہے لیکن بیوی ہونے کے حساب سے مصر کی عورتوں کا
 عام حال ہندوستان کی عورتوں سے کچھ زیادہ اور خاص نہیں ہے اور
 اسی لئے ہم مصری بیوی کے متعلق خود کچھ لکھنے کے عوض ہندوستان
 ہی کی ایک ایسی محترم ”عورت ذات کے“ ذاتی آنکھوں سے دیکھئے
 ہوئے اور ذاتی قلم سے لکھے ہوئے حالات کو نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں
 یہ محترم خاتون ہندوستانی ہیں جو اپنے شوہر کے ساتھ شہر اسکندریہ واقع
 مصر میں مقیم رہی ہیں اور تعلیم یافتہ ہونے کے اثر سے مصری عورتوں کے
 حالات کو نہایت غور سے دیکھا ہے ان کے لکھے ہوئے حالات کو نقل
 کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ہندوستانی عورتیں معلوم کر سکیں کہ مصری
 عورتوں کو ہندوستانی عورتیں کس نظر سے دیکھتی ہیں؟ چنانچہ خاتون
 موصوفہ کا کلام ہوا مضمون یہ ہے جو انہوں نے مصری بیوی اور
 شوہر کے متعلق لکھا ہے۔

مصر میں تحریک آزادی نسوان نے ترقی تو بے حد کر لی ہے۔ لیکن افسوس کہ اس کے نتائج دوسرے اسلامی ممالک کی خواتین کے لئے قابل تقلید نہیں ہیں۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مصری خواتین نے قابلیت صحت اور مرتبہ میں بہت ترقی حاصل کر لی ہے۔ لیکن فہوس کہ وہ صحیح معنوں میں مصری اور مسلمان خواتین کہلانے لگا مستحق نہیں ہیں۔

آزاد خیال عورتوں نے تعلیم پانے کے بعد اپنے قدیم تمدن کی اصلاح کر کے ایک جدید تہذیب کی بنیاد نہیں ڈالی۔ بلکہ جو کچھ انہیں مغرب سے ملا۔ آنکھیں بند کر کے اس سب کو قبول کر لیا ہر۔

چنانچہ اب یہاں یورپین طرز زندگی بے حد مقبول ہے۔ اور تمام لکھی پڑھی ترقی یافتہ خواتین یورپین انداز پر زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اس کے علاوہ گو مدارس میں عربی زبان کی تعلیم باقاعدہ

دیجاتی ہے۔ لیکن خواتین اس شوق سے عربی زبان کو استعمال نہیں کرتیں۔ جس شوق سے مدارس میں انگریزی اور فرانسیسی زبان سیکھتی اور بولتی ہیں۔ مذہبی تعلیم کا انتظام بھی خاطر خواہ ہے۔

لیکن اس میں بھی عام طور پر دلچسپی نہیں لی جاتی۔ یہاں کی بہت نامور خاتون محترمہ ہدیٰ خاتم شعراوی ہیں۔ ان کی بدولت ترجمہ اسکولوں میں لڑکیاں صفت اور دستکاری کی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔

تعلیم یافتہ مصری خواتین کی معاشی زندگی بھی ان تمام بدترکیبوں کا شکار ہے۔ جو مغرب میں عام طور پر پائی جاتی ہیں۔ شاید ہی کوئی خوش نصیب ایسا گھرا نا ہوگا۔ جس میں ہر روز میاں بیوی جھگڑا نہ ہوتا ہو میاں نے جہاں کوئی بات بیوی کی مرضی کے خلاف کی۔ بیوی جھٹ خلع لینے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ادھر سے خلع لیا۔ دوسری جگہ نکاح کر لیا۔ اس بات کی کچھ پروا نہیں کی جاتی۔ کہ بچے موجود ہیں۔ اور ان کے حقوق کا بھی کچھ تقاضا ہے۔ جہاں میاں بیوی کی علیحدگی ہوئی بیوی نے میاں کو گھر سے نکال باہر کیا۔ اور گھر کو اپنے مہر میں ضبط کر لیا۔ یہاں جب شادی ہوتی ہے تو والدین لڑکے کے متعلق جن باتوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ مہر زیادہ ادا کر سکے۔ اگر کسی معمولی قوم یا پیشہ کا آدمی بھی مہر زیادہ ادا کرنے کا وعدہ کر لیتا ہے۔ تو والدین اس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے عورت کو یہ سہولت دینی ہے کہ لڑائی جھگڑا کے موقع پر خاوند سے خلع لے کر اسے گھر سے نکال دیتی ہے۔ شہر سے نکال دے۔ عورتوں کے خلع کے حق نے مصر کے اکثر گھرانوں میں بہت فساد کا باعث بنی ہے۔ حالات پیدا کر دیے ہیں۔ طلاق اور خلع کی یہ حالت ہے کہ ہر روز کئی شوہر بیویوں سے اور بیویاں شوہروں سے علیحدہ

ہوتی رہتی ہیں۔ پختہ عمر عورتوں میں شاید چند ہی ایسی عورتیں ہوں جو تین یا چار دفعہ خلع حاصل نہ کر چکی ہوں۔

یورپین لباس اور فیشن عام ہے عورتیں یورپین لباس پہن کر اور پورٹر لٹاکر بازار دن میں سودا خریدنے جاتی ہیں۔ اب بال بھی ترسوا لگی ہیں۔ امیر گھرانوں کی عورتوں کا تو بہت ہی بُرا حال ہے۔ سیر سپاڑی کے سوا کوئی کام نہیں۔ اور یہ شوق اس حد تک ہے کہ اس بات کا بھی خیال نہیں کہ نادمہ ساتھ جاسکتا ہے یا نہیں۔ قہوہ خانوں میں سینما اور تھیٹر وں میں آمد رفت رہتی ہے

مصری عورتیں اپنے دین اسلام کی طرف بہت کم توجہ کرتی ہیں صوم و صلوٰۃ کی عادی ہی نہیں۔ زیادہ سے زیادہ سو مین سے پانچ عورتیں نماز پڑھتی ہوں گی۔ مجھ کو یہاں آئے قریب دس سال ہو گئے ہیں۔ مین نے آج تک کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جو باقاعدہ نماز پڑھتی ہو۔ روزہ بھی بعض عورتیں ہی رکھتی ہیں۔ میری رائے میں مصر ہندوستان میں اللہ پاک کا بڑا احسان ہے وہاں پھر بھی مذہب اور اسلامی معاشرت کا خیال بہت زیادہ لکھا جاتا ہے۔ لوگ نماز روزے کے بہت پابند ہیں۔ بڑے یا چھوٹے بہت ہی کم ایسے لوگ ہیں جو مذہبی کے پابند نہ ہوں حیات ملی کے لئے اس قسم کی پابندی بہت

ضروری ہے۔

یورپین عورتوں کے لباس مصری عورتوں کا لباس محض اتنی بات میں مختلف ہے کہ بعض مصری عورتیں برقعہ بھی اوڑھتی ہیں عام طور پر کنواری لڑکیاں جن کی عمر چودہ پندرہ سال کی ہوتی ہے وہ ہیٹ پہن کر بازار اور اسکول جاتی ہیں۔

مصری برقعہ بہت ہی آزاد اور بے پردہ ہے جس میں عورت کے چہرہ اور ہاتھوں کے علاوہ ٹانگیں بھی گھٹنوں سے اوپر تک دکھائی دیتی ہیں۔ جو اسلام کی رو سے ناجائز ہے میں اس مراسلت کے ساتھ مصری عورتوں کی دو تصویریں بھی اسل خدمت کرتی ہوں۔ ان میں سے پہلی تصویر قدیم برقعہ کی ہے اور دوسری موجودہ برقعہ کی ہے۔ اگرچہ پورے برقعے کی تصاویر حاصل نہیں کر سکی لیکن امید ہے کہ ہمیں اتنے حصے کو دیکھ کر اور میرا مضمون پڑھ کر پورے برقعے کے متعلق اندازہ لگالیں گی۔

مذکورہ بالا اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانی بہن نے مصری

عورتوں کے حالات کو خالص ہندوستانی نقطہ نظر سے ”دیکھا ہے اس لئے
 انہیں مصری بیوی کے لئے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ وہ شوہر کے حق میں تکلیف دہ ہے حالانکہ
 ایسا نہیں۔ چنانچہ ۱۹۲۳ء کے رسالہ ”نگار میں“ زنان مصر کے عنوان سے ہمارے
 دو مضمون شائع ہوئے ہیں۔ اس وقت خود ملازمی سے اور مصر کی انجمن خواتین مصر
 کی صدر محترمہ ہدی شمس الدیہ خانم سے جو خط و کتابت ہوئی تھی اور موصوفہ نے مصری
 عورتوں کے متعلق جو ذخیرہ عنایت فرمایا دیا تھا اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصری بیوی
 اپنے شوہر کے حق میں ہندوستانی بیوی سے کہیں زیادہ مفید ہے مثلاً

وہ تعلیم یافتہ ہوتی ہے یا ہنرمند اس لئے وہ کسب معاش میں اپنے شوہر کے لئے
 ہندوستانی بیوی کی طرح مصیبت نہیں بن جاتی ہے کہ بیوی کے لئے بھی کہا کر
 لائے اور بیوی کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی امداد کیجے کیونکہ سسر اور سسر
 کا تہ ہندوستان میں حقیقی مان باپ کے برابر قرار دیا گیا ہے

مصری بیوی ایک ترقی یافتہ ملک کی پیداوار ہونے کے باعث ہندوستانی بیوی سے
 کہیں زیادہ گھر میں خوش رہتی ہے۔

وہ چاہے سوا لوالہ لزم اور جفاکش ہوتی ہے اس لئے وہ مردوں کی طرح زندگی کے ہر
 شعبہ میں کام کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور یوں توجلاہوں کی تعداد ہر قوم میں ہوا
 ہی کرتی ہے

سب سے آخری خوبی یہ ہے کہ مصری بیوی ہندوستانی بیوی کی طرح صورت کی بھڑکی

کالی اور گندہ نہیں ہوتی، بلکہ بہت زیادہ حسین ہوتی ہے۔
 مذہب میں بھی اتنی گہمی گزری نہیں جتنا کہ اوپر کے مضمون میں دکھایا گیا ہے حد سے
 سوا غیور، بلند اور خوش اخلاق اور صاحب حوصلہ۔

مراقبتی بیوی۔ - مراقب بھی براعظم افریقہ ہی کا ایک علاقہ ہے جو اسلامی حکمرانی
 اسلامی تہذیب اور اسلامی تمدن کا کبھی عظیم الشان مرکز تھا اور اسکی تاریخ تواریخ عالم
 میں بڑی ممتاز تاریخ ہے لیکن اس علاقہ میں اسپین اور فرانس کی حکومتوں نے
 اپنی فوجی قوتوں سے غلبہ پاکر بیان کی دنیا بدل کر رکھ دی، اور آج یہاں کے قدیم باشندے
 وہ نہ رہے جو کبھی پہلے تھے۔

الغرض ۲۲-۲۳ء میں اسی جنگ ریف کے باعث جبکہ اوپر تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس علاقہ
 کے حالات سے ہندوستانیوں کی واقفیت کافی حد تک بڑھ گئی اس لیے معلوم کیجئے کہ یہاں
 کے باشندوں پر اضبعی قوموں کے تسلط کے باعث افلاس، بے علمی، اور بے ہنری
 کا عذاب طاری ہو گیا ہے اور اکثر علاقہ کثیر التعداد گلو اگر دن اور مزدوروں سے بھرا ہوا ہوا
 آمد و رفت کے ذرائع اور پہاڑی دشواریوں کے باعث بعض مقامات کے باشندے آج
 بھی قدیم رسوم و عادات کے پابند ہیں بیان تک کہ اب بھی بعض ایسی خانقاہیں
 ہیں جن کے اندر ایسی بے بیاہی لڑکیاں متکلف ہو جاتی ہیں جنہیں اونکی مرضی مولف
 شوہر نہیں ملتا۔

شادی بیاہ کی رسوم میں عربی اور اسلامی رسوم کے ساتھ ساتھ جاہلانہ رسوم کی کثرت

بعض شہروں کے سوا اکثر بیویاں آداب زندگی تک سے بے خبر ہیں پھر بھی بیان کی بے بیاہی لڑکی ”اسکول“ نہیں بھیجی جاتی اور بیان کے غیور اور بہادر باشندے۔

”اسکولی زندگی“ کو خدا کی بدترین لعنت قرار دیتے ہیں اور اسی لیے بیان کے دیہات ملک کی لڑکی کہتی تنہا باہر نہیں نکلتی اور کہی مجبوراً نکلتی بھی ہے تو اس درجہ حجاب احتیاط کے ساتھ کہ راہ گاہ پر اپنے کو ظاہر نہیں ہونے دیتی۔ اللہ یورپ کی قوموں کی آمد و رفت والے شہروں کی عورتیں ہندوستانی عورتوں کی طرح روشن خیال ہوتی جاتی ہیں

جنہیں پہاڑی باشندی قومی وقار اور اسلامی حمیت کے لیے لعنت سمجھتے ہیں البتہ معاشرت کے لحاظ سے بیان کی بیوی ایک طرح کی ”لکھنوی“ ہو کر رہتی ہے یعنی فلا جکدار مگر صورت میں نہیں۔ بلکہ لباس اور آرائش کے لحاظ سے، چنانچہ ہندوستانی کی عجیب و غریب قسم کی تعلیم یافتہ عورت کی طرح وہ بھی جوڑا باندھتی ہے۔ پشواؤ ناما سیہ پہنے کا لون میں بجلیاں گلے میں طوق اور ہاتھوں میں چوڑیاں پہنے ایک ہلکا سا پنکھا ہلاتی جو خرام نظر آتی ہے

ناچ گانیکا اسے بڑا شوق ہے اور یہ شغل اسکی رسوم میں داخل ہے اسی لیے اس علاقے میں ناچ کی دولت ”بکثرت“ ہے عمدہ بات یہ ہے کہ شوہر صاحب بیوی کے ساتھ تھکے ہوئے نظر آتے ہیں

مراقش کے دوسرے علاقوں کے مقابل علاقہ ریف کی بیوی اپنے شوہر کے حق میں صبح سنے کی بیوی ہے یہ نہایت ناقابل گزر پہاڑی علاقہ میں پیدا ہوتی

ہے۔ معمولی اور حد سے سوا سادہ رسوم کے ساتھ ادسکی پرورش اور شادی ہوتی ہے۔ اسلامی آداب کا اس پر غلبہ ہوتا ہے۔ نہایت شدید محنت اور جفاکشی سے وہ خوش ہوتی ہے۔ تجارت اکھیتی اور اُمور خانہ داری میں وہ شوہر کی برابر کی شریک ہوتی ہے۔ حد سے سوا غیور خود دار، بہادر اور سلیم الطبع، کفایت شعار اور اولاد پر فدا شوہر کی حد سے سوا فرمان بردار، مگر جہلانہ رسوم میں جکڑی ہوئی۔ بہت زیادہ محنت کرنیوالی، مگر بے حد سلیقہ مند، سان لباس کی عادی، مگر ذرائع معاش کی کمی سے مفلس، شادی کے بعد زندگی کا تمام حصہ شوہر کی خدمت و وفاداری میں صرف ہوتا ہے۔ اور سسرال سے علاقہ بہت کم رہتا ہے اس لئے شوہر بھی ساکس سسر اور سالہ سالی کی خدمت گذاری سے محفوظ رہتا ہے

شادی کے لئے قومیت اور قبیلے کی شرط نہایت سخت ہے غیر قبیلے میں میاہی نہیں جاتی اس نے جنگ ریف و فرانسس بابت ۱۹۲۲ء میں میدان جنگ میں حصہ جنگ ادا کر کے شوہر کی خدمت گذاری میں بڑا نام پیدا کیا۔ خواتین میں ہمیشہ عزت کے ساتھ محفوظ رہیگا

یہ ایک نہایت مختصر سا خاکہ ہے افریقی بیوی کا جس سے ادس کے خواص کا اندازہ ہو سکتا ہے،

۸۴ ایشیا کی بیوی

ایشیا انسانی آبادی یا خشکی کا سب سے بڑا حصہ ہے اسکے تین بجا
 بڑے بڑے دریا ہیں شمال میں ”بحر شمالی“ مشرق میں بحر الکاہل جنوب
 میں بحر ہند اور مغرب میں براعظم اور افریقہ ہے اس کے شمال میں ایک بڑا
 نشیبی میدان بھی ہے دوسرے چھوٹے چھوٹے میدان بھی بہ کثرت ہیں۔
 ایشیا کے بیچ میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک پٹی پھاڑوں کا ہے
 یہ پھاڑ مشرق میں بہت چوڑے ہیں اور بیچ میں تنگ ہیں اور پھر مغرب میں
 پھیل گئے ہیں اس کے آس پاس سمندر اور جزیرے بھی ہیں سب سے زیادہ
 مشہور جزیرے ملک جاپان میں ہیں اس میں آتش فشاں پھاڑ بھی ہیں
 یہ اس قدر بڑا حصہ زمین ہے کہ اس کا وسط حصہ سمندر سے بہت دور ہے
 اس لئے اس میں جاڑے کے موسم میں زیادہ سردی اور گرمی کے موسم میں
 زیادہ گرمی ہوتی ہے اور بارش کم ہوتی ہے ایشیا کے صحیح موسمی اثرات کو
 آسانی سے بیان نہیں کیا جاسکتا اس کے جنوب مشرق میں تیز خشک
 اور تر موسمی ہوائیں چلتی ہیں مگر کل ایشیا کی آب و ہوا غیر معتدل اور
 مختلف ہے اسی لئے اس کے کل باشندوں کی صحت اور جسمی کیفیت میں
 خاصا فرق ہے اس کی کل آبادی پچاسی کروڑ (۸۵۰۰۰۰۰) ہے اور

رقبہ ایک کروڑ ستر لاکھ مربع میل۔۔۔۔۔۔ اس سے زمین کے اس حصہ کو انسانی آبادی کی کثرت کے لحاظ سے انسانوں کا جنگل بھی کہہ سکتے ہیں۔ عام باشندے زیادہ تعداد میں جاہل ہست، ذہنی ضعیف الاعتقاد بے ہنر اور عیش پسند ہیں اسی لئے یورپ کے ذی علم ذی حوصلہ اور بہادر باشندوں نے ان میں سے اکثر کو اپنا غلام بنالیا اور ان کے ملکوں اور شہروں پر قبضہ کر لیا۔

اس کے مشہور ملک یہ ہیں چین، روس، عرب، جاپان، ایشیا، کوچک، ترکستان، تبت، افغانستان، ایران، اور ہندوستان،

گو یہ تمام ملک علیحدہ علیحدہ اور مختلف باشندوں سے آباد ہیں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں جس میں یورپ کے بہادر باشندے کسی نہ کسی طرح غالب نہ رہے ہوں۔ چنانچہ چین، ایران، افغانستان اور عربستان خصوصیت کے ساتھ اب تک ان باشندوں کے اثر میں دبے ہوئے ہیں اور ہندوستان تو دوسو برس سے کل کا گل انگریزوں کے قبضہ میں ہے

۱۹۱۴ء سے پہلے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان تمام ممالک کے باشندے آسمانوں پر کسی کام کیلئے چلے گئے ہیں اور دنیا میں اونکا ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔ مگر جب ۱۹۱۴ء میں یورپ والوں کی آپس ہی میں عظیم الشان جنگ شروع ہوئی اور اوروں کا لپانچ سال تک مسلسل جاری رہی تو اس جنگ کے آسمانوں کو سرب

اٹھالیس لاکھ روپے کے اثاثات سے ایشیا والے بھی کچھ ہوشیار ہوئے اور انھوں نے یورپ والوں کے حالات کو بغور دیکھ کر سوچا کہ ہمیں بھی آزادی اور ترقی کے لئے کوشش کرنا چاہیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے ملک روس کے باشندوں نے اپنے بادشاہ اور اس کے کل خاندان کو قتل کر کے اپنی بنچاہتی حکومت قائم کی، اور یورپ کے باشندوں کے اثاثات کو اپنے ملک سے بُری طرح دور کر دیا اور اس میں اتنی سختی کی کہ اب روسی حدود میں یورپ کے باشندوں کو جاتے ہوئے کڑا والا بخار آتا ہے یا کالی کہانسی ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ایشیا کو چمک کے باشندوں نے یورپ والوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار کر نکال باہر کیا اور اب ان کی حد میں بھی قدم دھرتے ہوئے یورپ والوں کو کپکپی محسوس ہوتی ہے اور جہاں انہیں لگتی ہیں، اسکے بعد ایران کے باشندوں نے اپنے عیش پسند بادشاہ کو بغیر طلبے رسید کئے تخت سے اُتار کر اپنے ہاں کے وزیر جنگ مارشل رضا خان کو اپنا بادشاہ قرار دیا۔ پھر ۱۹۱۹ء میں غازی امان اللہ خان نے افغانستان کا بادشاہ ہو کر افغانستان کو تمام یورپ والوں سے آزاد منوایا اور دس برس تک اس ملک کی ترقی انتہائی تیزی سے جاری رہی۔ مگر ۱۹۲۸ء میں جب امان اللہ خان غازی بحیثیت آزاد بادشاہ افغانستان کے یورپ کی سیر کو گئے تو ان کے خلاف افغانستان کے جاہل باشندوں نے سازش کی اور جب وہ واپس آئے تو ان کے خلاف بغاوت ہوئی اور وہ سخت و تاج چھوڑ کر یورپ کے ملک اٹلی میں چلے

اب اٹھی کے ایک جرنیل صاحب افغانستان کے بادشاہ ہیں اور افغانی باشندے
 نے جو ترقی کی تھی وہ اب سو سال کیلئے پیچھے رہ گئی اور نام صرف اتنا ہوا کہ افغانستان
 میں بغاوت ہو گئی تھی "عرب میں بھی یورپ کے باشندوں کو نکالنے کیلئے کوشش
 ہو رہی ہے۔ مگر ملک چین نے ایک خونریز جنگ کے بعد ۱۹۲۹ء میں یورپ کے
 باشندوں سے آزادی حاصل کر لی۔

اب ہندوستان میں بھی اسی قسم کی کوشش جاری ہے،
 چونکہ ایشیا میں مذکورہ بالا ممالک ہیں جن کے بے شمار بے قیاس باشندوں کی
 بیویوں کے تفصیلی حالات سے یہ کتاب "طلسم بشر با" کے برابر طویل ہو جائیگی اس
 لئے ہم ان ممالک کی بیویوں کے عام حالات کے نہایت مختصر نمونے پیش کرتے
 ہیں جو یہ ہیں۔

روسی بیوی یہ بیوی ایشیا کی تمام بیویوں سے تعلیم تندر، اور عام حالات میں
 آگے ہے خصوصاً جنگی حالات کے لحاظ سے اس کا مرتبہ ایشیا کی دوسری عورتوں
 سے بہت بلند ہے۔

عام طور پر روسی بیوی نہایت معمولی رسوم کے ساتھ حاصل ہو جاتی ہے۔ موجودہ
 حکومت نے عیش و عشرت اور فضول خرچی کے ہر کام پر قانون کی بندش عائد کر رکھا
 ہے، ان عورتوں کا ماحول جنگی ہے اس لئے جنگی قوموں میں ویسے بھی عیش
 پسندی کم ہوتی ہے۔ الا دولت مند توین جنگی توین ہو کر بھی عیش پسند اور فضول

خرچ ہو جاتی ہیں۔ لیکن روسی باشندے دولت مند نہیں۔ بلکہ جنگی اور انتظامی حالات کے جلد جلد بدلتے رہنے سے اون میں کوئی عام اطمینان اور عیش کا جذبہ طاقتور نہیں ہوتا۔ روسی عورت بیوی بن کر امور خانہ داری کے لئے نہایت منظم اور کفایت شعار ہوتی ہے اگرچہ روس میں بھی کلب، تھیٹر، سینما، رقص خانے، قہوہ خانے ہوئے اور دوسرے مواقع ایسے ہیں جن میں روسی عورت شریک ہو کر فصول خرچ بن سکتی ہے۔ لیکن یورپ میں رہنے اور یورپ سے قریب ہونے کے باعث وہ زیادہ تعداد میں تعلیم یافتہ ہے اور نظام حکومت نہایت سخت ”سادہ“ ہے جس کے باعث گو وہ شوہر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر بے نخرے سے ہونٹوں، کلبوں اور عام تفریح گاہوں میں چلتی پھرتی ہے پھر بھی اس میں اپنے فرائض کو دیکھ کر اور مستعدی سے بجالانے کی عادت عام ہوتی ہے۔ اس میں اپنے بچوں اپنے عزیزوں اور اپنے شوہر سے زیادہ اپنے ہم قوموں کی خدمت کا جذبہ عام ہے کیونکہ وہ تعلیم یافتہ ہوتی ہے اور اس کی پرورش ہی ایسے اصول پر کی جاتی ہے، وہ شوہر کے گھر سے شوہر کی تنخواہ پر اکر کر دن بھر جھولا نہیں جھولتی۔ بلکہ شفا خانوں، ہونٹوں، دفاتر اور کونکون میں ملازمت کرتی ہے اور بغیر گھونگھٹ کے شام تک سودا سلفیجی ہے گھر میں رہتی ہے تو وہ صنعت و حرفت کے کاموں کو اختیار کرتی ہے وہ بچوں کی بہترین تعلیم و تربیت میں طاق ہوتی ہے البتہ شراب اور ناچ کے معاملہ میں وہ ذرا بے دھنکی اور سہنگم معلوم ہوتی ہے، جنگی ذہنیت

اور ہنرمندی کے باعث شوہر کے لیے اس لیے مصیبت ہوتی ہے کہ فوراً اٹھ کر
تک پہنچ جاتی ہے۔ مگر وقت آنے پر وہ اپنے ملک و قوم کی اور اپنے
شوہر کی عزت کے لیے میدان جنگ میں خون بہاتی ہے۔ اور کہی ”اوٹی بہن
بھاگو نہیں کہتی“ اسی لیے ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں اس نے میدان جنگ میں
اور اُس سے پہلے ۱۹۱۶ء تک جرمنی کی جنگ میں میدان شجاعت
میں جس حوصلے، صبر و استقامت، جفاکشی اور دلیری سے کام کیا اُسے سنکر ہمارے
نئے میاں کی والدہ اب تک کانپ جاتی ہیں۔

قدم میں لم ڈھنگ، رنگ کہین سفید اور زیادہ سرخ لباس اعلیٰ کام میں حد سے
سواتیر، زیور معمولی مگر خاصا۔

ترکی بیوی - یہ مسلمان ہونے کے لحاظ سے روسی بیویوں سے مختلف ہوتی
ہے ورنہ عام حالات میں وہ روسی بیوی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے۔ اس کی
زیادہ تعداد یورپ میں ہوتی ہے اور کم ایشیا، کوچک میں کیونکہ ترکوں کی حکومت
ایشیا، کوچک سے لیکر یورپ میں تھریس تک چلی گئی ہے یورپ میں ہونے کے
لحاظ سے اس کے اندر وہ تمام خوبیاں جو جوہین جو یورپ کی ترقی یافتہ عورتوں میں
موجود ہیں۔ البتہ یورپ والوں سے مسلسل اور ناقابل برداشت لڑائیوں کے
باعث اس کی قوم کی اندرونی حالت ہمیشہ سے ابتر رہی ہے اس لیے یہ اکثر حالات
میں مفلس گھرانے میں پیدا ہوتی ہے، پھر ہوش سنبھالنے ہی وہ اعلیٰ تعلیم و پر

کے لئے وقف کر دی جاتی ہے چنانچہ زیادہ تعداد تعلیم یافتہ اور ہنرمند ہے اس لئے خیالات میں حد سے سوا بلندی اور صفائی ہوتی ہے۔

عام اسلامی رسوم کیسیا نقد بیاہ کر شوہر کے گھر آئی اور اس کا پہلا فرض شوہر سے حد سے سوا محبت کرنا ہوتا ہے، تعلیم یافتہ ہونے اور تعلیم یافتہ جماعت میں رہنے کے باعث وہ امور خانہ داری میں حد سے سوا مستعد اور ہوشیار ہوتی ہے، البتہ یورپ کی عورتوں کی طرح وہ شوہر سے برابری کا دعویٰ اس لئے نہیں کرتی کہ اس کی اسلامی یا مذہبی تعلیم اس کے مخالف ہے اور صدیوں سے اس کے ہاں اسلامی آداب و رسوم کے اثرات و رشتہ میں چلے آ رہے ہیں اور ایک کافی عصہ تک وہ ”پردہ میں رہی ہے“

البتہ پچھلی ثلاث صدی میں وہ ضرور آگے بڑھی ہے خصوصاً یورپ والوں کے مسلسل حلوں نے اسے خواہ مخواہ میدان میں نکل کر کام کرنے کے شجرات ہوئے ہیں اور اسی ایک چیز نے اسے اون تمام چیزوں کے اختیار کر لینے پر مجبور کر دیا جو یورپ میں عورتوں میں اختیار کیے ہوئے ہیں،

پھر بھی وہ بے ضرورت اپنے گھر اور شوہر سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی وہ صدیوں سے حکمران اور فاتحان باپ کی گود میں پلی ہے اس لئے مزاج میں حد سے سوا شرافت، مہربانی، حلم و فیاضی، محبت اور وفاداری کے جذبات بیدار ہیں اسی لئے وہ بیوی کی حیثیت سے اپنے شوہر اور بچوں کے لئے حد سے سوا مفید ثابت

ہوتی ہے جنگی قوم کے رکن ہونیکے لحاظ اوسین صبر و قناعت اور محنت و جفاکشی کے جوصلے بیدار میں ان پر اسلامی تعلیمات اور آداب نے سونے پر بٹھا گئے کا کام کیا ہے اس لیے وہ شوہر کی صحیح معنی کی "زینت زندگی" اور اولاد کے حق میں "سایہ عاطفت" ہوتی ہے۔

الوالفری بہادری، دلیری، اور غیرت و خود داری، میں وہ اپنا جواب نہیں کہتی شوہر کی ہر مصیبت میں برابر کی شریک اسی لیے وہ قومی جنگ کے ہر دور میں میدان جنگ میں جس شجاعت سے لڑی ہے دنیا کی بہت کم عورتیں اس شدت سے لڑی ہوں گی۔ کیونکہ اس کے ہر مقابلہ میں اسے پرجوش جانیوالے قومی جذبہ کے ساتھ ساتھ مذہبی جذبہ بھی مشعل کرتا رہا ہے اور مسلمانوں کے سوا کسی دوسری قوم میں یہ بات نہیں کہ اوس کے ہاں غیر قومی دشمن سے ہر حال میں لڑنا نجات بخش اور خدا کی رضامندی مانا گیا ہو۔ ^{جذبہ کی وجہ سے جو قومیں یہ لڑتی ہیں وہ قومیں} چنانچہ ۱۹۱۱ء اور ۱۹۱۷ء میں اپنے مردوں کے ساتھ میدان جنگ میں جس بہادری سے لڑی اور بہادری سے یونانی فوجوں کا مقابلہ کر کے انھیں شکست دی ہے وہی وہ قوم ہے جس نے تمام قوموں میں اوسکی عزت و سربلندی کو منوالیا ہے۔ ^{جس قوم نے} وہ بچوں کی اعلیٰ تربیت میں نہایت ممتاز حیثیت کی بیوی مانتی گئی ہے یہی راہ ہے کہ ترکی قوم دنیا کی دوسری قوموں میں نہایت سربلند اور بلند مرتبہ قوم بن گئی ہے اور آج تک کسی دوسری قوم کی غلام نہ بن سکی۔

البتہ ۱۹۲۳ء کے بعد سے اوس مردوں کے برابر حقوق طلب کر نیکا جذبہ اس لیے نمایاں ہوا ہے کہ اب اُسے اندرونی حالات کے دستی کا موقع ملتا ہے ورنہ یہ

جذبہ اس کے لیے نیا نہیں! اُدھر اس کا نظام حکومت بھی قدیم اسلامی نظام نہیں رہا بلکہ موجودہ حکومت نے ایسی تمام کمزوریوں کو دور کر دیا ہے جو اسلام کے فرضی نام سے اُس کی زندگی کو تلخ بنائے ہوئے تھیں اور اسی لیے اب

ترکی بیوی اپنے شوہر کے برابر ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت کے محکموں اور اداروں میں روزی کما تی نظر آتی ہے، پھر بھی وہ اپنے گھر اپنے شوہر اور رضا کارانہ

خدمات پر زیاں کر لیں ہے یہ شرف اسی بیوی کو حاصل ہوا ہے کہ وہ موجودہ

قوموں کی بیوی کے ساتھ اپنے شوہر کے برابر عہدہ کی مالک رہی اس طرح کہ ڈاکٹر

عذمان بے جب وزیر داخلہ تھے تو اون کی بیوی خالدہ ادیب خانم وزیر

تعلیمات تھیں

پھر بھی اوس کی عام زندگی افلاس کے ماتھوں نہات افسردہ زندگی ہے اور

یورپ میں رہنے اور یورپ کی فاسخ البال اور دولت مند قوموں سے میل جول

کے باعث اب وہ بھی اون چیزوں کی طالب بن رہی ہے جو یورپ کی عورتوں

کو حاصل ہو چکی ہیں اس لیے اندیش ہے کہ وہ چند سال کے بعد کہیں اپنے شوہر

کے لیے ویسی ہی مصیبت نہ بن جائے جیسی کہ یہ اپنے ملازموزی صاحب کی

بیوی صاحبہ

فی الجملہ وہ شوہر کی حد سے سوا اطاعت کرنے والی منتظم، کفایت شعار، غیور خود کا
 اور وفادار ہوتی ہے چاہے وہ گائون کی رہنے والی ہو یا شہر کی،
 قد و قامت نہایت درجہ لائق تعریف، بے حد حسین، اور نفیس لباس کی شائق
 مگر زیور کم، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک دور اور مذہب کی لفظ بلفظ تابع۔
 جاپانی بیوی۔ جاپانی قوم جزیروں میں آباد ہے جن کی عام آہ ہوا صحت
 کے لئے معتدل ہے، یورپ والوں سے زیادہ میل جول اور دریائی رشتہ کو
 باعث اس کے باشندوں کی عام حالت ایشیا کے تمام باشندوں سے بہتر
 اور نمبر اول ہے خصوصاً ان کی تجارتی زندگی نہایت شاندار اور کامیاب ہے
 اسی طرح صنعتی نے جاپانی کو ایشیا کے تمام ممالک سے آگے بڑھا دیا ہے
 الغرض اس کی بیوی کے عام حالات یہ ہیں کہ۔ یہاں کی عورتیں
 وہاں کے کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔ لکڑیاں کاٹتی ہیں اچھی خاصی جھیل
 گاڑیاں کھینچ کر ایک سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں اور اس کے علاوہ اکثر
 ایسے کام کرتی نظر آتی ہیں جنہیں سرانجام دینے کے لئے عموماً مرد و عقل
 اور قوت کی ضرورت سمجھی جاتی ہے۔ انہوں نے مردوں کی طرح پاجامے پہننے لگے
 ہیں۔ تاکہ کسی قسم کی رکاوٹ کے بغیر چستی اور پھرتی سے کام کر سکیں۔ یہ
 پاجامے اس قسم کے ہوتے ہیں کہ انگلستان کے کھیتوں میں کام کرنے والی
 لڑکیاں بھی انہیں بالکل نئے زمانہ کی اچھ خیال کرتیں۔ تجارتی کاروبار میں

اکثر عورتیں کمیشن ایجنٹوں کے فرائض انجام دیتی ہیں۔ اگر کوئی کاروباری آدمی کسی جاپانی ہم پیشہ کے ہاں جا کر محاصل اور انکم ٹیکس وغیرہ کے متعلق سوال کرے۔ تو اسے یہ جواب سن کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ کہ میں اپنی بیوی سے پوچھتا ہوں اسے ان معاملات کے متعلق مکمل واقفیت حاصل ہے۔

حقیقت یہ ہے۔ کہ شمالی جاپان میں مشہور و معروف لکھے پڑھے آدمی بھی اپنی عورتوں سے اس قدر مرعوب ہیں۔ جس قدر کسفور ڈکے بڑے بڑے پروفیسر یا امریکہ کے کرڈپتی۔

خاوند کے اخراجات کی فہرست بھی گھر والی ہی تیار کرتی ہے۔ یہی شخص جب صبح کو گھر سے کام پر جانے لگتا ہے تو گھر والی اسے دروازہ تک پہنچانے جاتی ہے۔ اسے ادور کوٹ پہناتی ہے۔ سگریٹ دیا سلائی لاکے دیتی ہے پھر بڑے ادب سے جھک کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے۔ اور جب تک شوہر دروازے سے باہر نہ نکل جائے یونہی بیٹھی رہتی ہے۔

جاپان میں اولیت کا حق خاوند کو حاصل ہے۔ کمرے میں داخل ہوتے یا وہاں سے نکلنے وقت آگے آگے خاوند ہوتا ہے۔ اسی طرح بازار میں چلتے وقت خاوند دو ایک قدم آگے رہتا ہے۔ اور بیوی چیچاپ اور عموماً صبر و شکر سے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔

اسی طرح چند اور باتوں سے بھی اس خیال کی تائید ہوتی ہے۔

کہ جاپان میں میان بیوی کی مساوات کا خیال ایک خاص مقام پر پہنچ کر رک جاتا ہے۔ عام جاپانی گھرانوں میں مردوں کو کھانا کھلانے کی خدمت عورتیں ہی بجالاتی ہیں اور میان کو کھانا پیش کرتے وقت گھروالی گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتی ہے۔ مزید برآں اُن گھرانوں کے سوا جن میں موجودہ گھرانے کے اثرات نے پورا دخل حاصل کر لیا ہو مردوں اور عورتوں کے تفریحی اشتغال بالکل الگ تھلک ہوتے ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تمام کینے کے لئے تفریح و تفرغ کا پروگرام گھر کا سردار مرد ہی تیار کرتا ہے قانونی نقطہ نظر سے بھی عورت کی حیثیت مرد سے کمتر ہے۔ اسی طرح شادی بھی عورت کی حیثیت میں انصاف کا موجب نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عورت اپنے خاوند کے کہنے میں نہ صرف خاوند بلکہ اس کے والدین کی اطاعت و فرمان برداری کے لئے شامل ہو رہی ہے چند سال ادھر تک عورت کی تعلیم کا مقصد محض یہ ہوتا تھا کہ وہ فرمان بردار بیوی اور بہو بننے کے قابل ہو جائے۔

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود جاپان کی گھریلو زندگی کا مطالعہ اس خیال کو تقویت پہنچاتا ہے کہ جاپانی خواتین کا درجہ مغربی عورتوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ جاپانی عورتیں عموماً گھر کے تمام معاملات کا خود انصرام کرتی ہیں اور اکثر ایسی باتوں میں تمام ذمہ داری اپنے اوپر لینے کے لئے تیار رہتی ہیں جنہیں مغربی عورتیں ننھے بچوں کی طرح مردوں کی پختہ تر عقل پر بھروسہ کر نیکی عادی ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ اُن کے دکھش اطوار اور خدمت گزاری کے لئے ہر وقت کھڑے رہنے سے

انہیں اپنے خاوند بچوں اور خنبیوں کی نظر میں ایک ایسی اہمیت اور وقعت حاصل ہو جاتی ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔

عورتوں کو عقل ناقص مویا کامل۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جاپان میں اس نسوانی فراست کے رسم و رواج کی رنجیروں میں جکڑے رہنے سے عورتوں کو نقصان کی بجائے فائدہ ہی پہنچا ہے اور نسوانی زندگی ان بندھنوں کے باعث ویسی ہی دلکش بن گئی ہے جس طرح نثر کے جملے اور الفاظ منظم ہو کر بن جایا کرتے ہیں۔

تاہم مغربی خیالات اور خصوصاً ان خیالات کا جو اثر تعلیم پر ہوا ہے اس سے جاپانی عورتوں کی مجلسی حیثیت میں بہت کچھ تغیر و تبدل رونما ہو گیا ہے اب جاپانی لڑکیاں اسکولوں میں جاتی ہیں انکا لباس اور نصاب تعلیم قریباً ویسا ہی ہے جیسا مغربی طالبات کا۔ وہ علوم و فنون میں بھی مہارت حاصل کر رہی ہیں مزید برآں اب جاپانی عورتیں گھر کی چار دیواری سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش کام کرنے لگی ہیں

ایشیائین روس، ترکی، اور جاپان، ہی ایسے ممالک ہیں جن کی فقط تاریخی سر بلندی مسلم ہے۔ بلکہ موجودہ زمانے میں بھی جن حالات و اعمال و آثار و اثرات

کو ترقی کہا جاتا ہے ان کے لحاظ سے انہیں ممالک نے ایک حد تک یورپ کی ترقی کا مقابلہ کیا ہے اور اسی لیے ان ممالک کی عام عورتوں اور بیویوں کا تذکرہ کیا گیا۔

ان کے بعد چین، بھارا، افغانستان، ایران، اور عرب کے متعلق جو کچھ انہیں لکھتے ہو اس کا سبب یہ ہے کہ ان ممالک کی گو قدیم تاریخ اور ان کی عورتوں کی روایات نہایت درجہ تابناک ہیں مگر موجود زمانے کے لحاظ سے ان کے حالات کافی حد تک تاریکی میں ہیں اور اگرچہ موجود زمانے کی تمام تحریکات سے ان ملک کی عورتیں متاثر ہو رہی ہیں مگر لحاظ اختیار اور عمل یہ ابھی بہت پیچھے ہیں اور چونکہ ہم نے اس کتاب میں اسی ایک بات کا اہتمام کیا ہے کہ ہم ۱۹۱۲ء کے پہلے کے حالات سے بحث نہیں کریں گے لہذا ان چند سالوں میں عرب کی بیوی، افغانستان کی بیوی، بھارا کی بیوی، اور ایران کی بیوی نے جو ترقی کی ہے وہ بنظر لہ صفر کے ہو اس لیے اسکی تفصیلات ضروری نہیں۔ پھر بھی اتنا بتاتے ہیں کہ ان میں عملی اور ذہنی اعتبار سے ”عرب کی بیوی“ آج بھی سب سے آگے ہے۔ اگرچہ اس کی تمام تر تربیت خالص اسلامی اصول اور روایات قدیمہ پر مبنی ہے مگر موجود زمانے نے اسے بھی گام کیلئے تیار کر دیا ہے“ اور گو اس کے ملکی اور مذہبی حالات و آداب اسے شاید دیر تک یورپ کی بیوی کا نمونہ نہ بننے دیں پھر بھی اس نے جدید تعلیم و تربیت کی طرف قدم بڑھایا ہے اور بغداد میں ”تعلیم نسوان“ کیلئے خاص جوش

پایا جاتا ہے۔

کچھ شک نہیں کہ عرب کی عورت نے مسلمانان ہند کی عورتوں کو ہمیشہ اپنی طرف متوجہ رکھا ہے۔ لیکن عہد حاضر میں عربی عورتوں نے کوئی خاص کام نہیں کیا۔ الا یہ کہ جو عربی خواتین موجودہ زمانے کی تحریکات سے فائدہ بھی اٹھانا چاہتی ہیں وہ اپنے شوہروں کے اعتقادی اثر سے مجبور ہیں پھر بھی عرب کی بیوی شوہر کے حق میں اس لئے مفید ہے کہ اس کا آخری مرکز خیال و مرکز امید صرف شوہر ہوتا ہے اور اسکی تمام قربانیاں شوہر کیلئے وقف ہوتی ہیں اسی لئے اکثر حالات میں اس نے میدان جنگ میں مردوں کے ساتھ بھی خونریز کاموں میں شرکت کی ہے وہ نہایت بلند اور پاکیزہ خیالات کی بیوی ہوتی ہے۔ حد سے سوا خلیق، مہربان، حلیم، صابر و شاکر، جفاکش، الواعزم، اور وفادار، مگر افلاس اور بے هنری کے باعث پریشان نہ ہونے والی ہوتی ہے کم علم، کفایت شعار، محنتی، اور اولاد سے حد سے سوا محبت کرنے والی کہیں کالی اور اکثر گوری، بے حد صاف ستھری، اور پرہیزگار، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک پاک اور مذہب کی حد سے سوا مطیع!

افغان بیوی تقریباً تمام بیویوں سے بہ لحاظ ترقی پیچھے ہے مگر اس کا یہ جوہر اسے عزت کے بلند تر بام پر پہنچاتا ہے کہ وہ بے حد غیور، خود دار، اور شوہر کی پرستش کرنیوالی ہوتی ہے اور اس درجہ پرستار اور محبت کرنیوالی کہ میدان جنگ میں وہ ہمیشہ شوہر کے دوش بدوش رہتی ہے۔ البتہ اسکی گھریلو زندگی نہایت تاریک و قابل رحم ہے

اوس پر ”مذہبی اشخاص“ کا خاصادباؤ ہے اور مذہب کے مقابل دنیا میں کسی دوسری چیز کو طاقتور اور قابل احترام نہیں سمجھتی۔ اس کے شوہر کی ذہنی اور فکری فضا ار حد سے سوا سست ہونے کے باعث وہ تمام ترقیوں سے محروم ہے اور کوری ہوتی ہے، پھر بھی اوس کی الوالعز می اور جفا پیشگی ہندوستان کی عورت ذاتون کو کافی متاثر کرتی ہے۔

بادشاہ امان اللہ خاں نے ۱۹۲۲ء میں چند لڑکیوں کو ڈاکٹری اور طبابت کی تعلیم کے لئے ترکی بھیج دیا تھا جس پر افغانستان کے پرانے کارخانوں میں بنے ہوئے مولویوں نے شدید اعتراضات کئے تھے اور امان اللہ خاں اس کام کو دینی دیانت اور قومی وقار کے خلاف ٹھہرایا تھا۔

خاصی تو انا تندرست، رنگ میں سُرخ و سفید، بھادر، مجاہد اور صابر سادے سے سادہ لباس کی عادی، شوہر کے حق میں وفا پیشہ اور اولاد کے لئے ”مادر مہربان“ معمولی سی غذا، معمولی سا مکان اور معمولی سے لباس میں خوش رہنے والی مولویانہ صوفیانہ اور جاہلانہ رسوم میں گرفتار مگر شوہر کے حق میں سراپا رحمت اسلامی اصول کی معتقد اور اسلامی تھریب قدیم کا نمونہ،

چینی بیوی کے حالات بہت زیادہ تاریک ہونے پر بھی موجودہ زمانے میں وہ نئی ترقی کی کوششوں میں خاصا حصہ لے رہی ہے اب وہ بھی

اسکول کلب، تھئیٹر، اور میدان جنگ کے اندر جاتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مگر وہ
سے سوائے سست رفتار القبتہ اسکی جن چیزوں نے ہندوستانی عورتوں کو متاثر
کیا ہے وہ اسکی حد سے سوا الوداعی اور بہادری ہے وہ اس درجہ جفاکش
ہوتی ہے کہ شوہر کو وطن میں چھوڑ کر ہندوستان آجاتی ہے اور شوہر کے ہمراہ
بھی،

اسکی عام معاشرت، اشادی بیہ کے طریقے اور اخلاقی حالت خالص قدیم
ہے اور اسی لئے وہ ہندوستان میں آج بھی پچھلی اور تاریک رسوم و اصول
زندگی کے ساتھ نظر آتی ہے وہ تجارتی فوج کی بیوی ہوتی ہے اس لئے
شوہر سے منہ مستفی رہتی ہے یہ نہیں کہ بس ملازمی صاحب ہی کے بھروسہ
پر بیٹھی ہوئی امین بھلا یہ حوصلہ کیا کم ہے کہ تین تین اینج کے پانوں سے وہ چپے
ہندوستان اور دور دراز مقامات کا سفر کرتی ہے مگر گہرائی نہیں لباس اور
عام معاشرت کے حساب سے وہ بڑی جفاکش اور دولت جمع کرنیوالی ہوتی ہے شوہر
کی فرمان بردار مگر ایون کھالینے کے بعد بیوی کا بھی خدا حافظ اور شوہر کی بھی
پولیس محافظ،

یہ ہندوستان میں جب اپنے گھروں میں کاغذ کے لکھونے فروخت کرنے
آتی ہے تو اس کے اندر ادنیٰ جھجک نہیں ہوتی مگر اپنے تنہے میان کی والدائیں
اس سے ڈرتی بھی ہیں اور اُسے غور سے دیکھ کر کہی حیران رہ جاتی ہیں اور کہی

تہقہہ لگاتی تین گروہ ان باتوں سے گھبراتی نہیں،
اسکی شادی کے دوسرے قاعدہ دن میں سے ایک قاعدہ ہندوستانی شادی
کے قاعدہ سے ملتا ہے۔ یعنی چینی بیوی کو وہاں کی "شٹ" بھی تلاش کرتی
ہے یا تلاش کرتا ہے یعنی ایک خاص آدمی شادی کی تحریک اور جملہ معاملات کا
فہم دار اور طے کرانے والا ہوتا ہے،

چین میں جس طرح مردوں کے لیے اپنی مان کا احترام کرنا نہایت درجہ ضروری
اور فرض ہے۔ اسی طرح بیوی کے لیے ساس کی ناز برواری اور فرمان برداری
ادنیٰ ہی ضروری ہے جتنا کہ توالی کے وارنٹ سے ہندوستانی آدمی پنجوشی
سے گرفتار ہو جانا ضروری ہے یہاں کا دولہا بہت کم ۲۵ برس سے زیادہ عمر
کا ہوتا ہے۔ کیونکہ یہاں جب تک کہ شادی نہ ہو جائے مرد کو ننھے میاں ہی
کہا جاتا ہے۔ اس لیے وہاں نوجوان ہونا ہی شوہر بنادینے کا خاصا وارنٹ
سمجھا جاتا ہے۔ ۱۹۲۹ء کی جنگ اور قومی آزادی کے بعد سے چینی بیوی کا تہ
خاوند کی نظر میں اس لیے بلند ہو گیا ہے کہ اس نے قومی اور وطنی جنگ میں
شوہر کی نہایت زبردست خدمات انجام دی ہیں۔

عام عورتیں یورپ کی عورتوں کے رنگ میں رنگی جا رہی ہیں اور جدید طریقوں
کو اختیار کیا جا رہا ہے، اور عنقریب چینی بیوی کے اصول زندگی اور اصول
(زرد و احمی یورپ کی بیوی سے مشابہ ہو جائیں گے۔ فقط)

ہندوستانی بیوی

یادش بخیر! یہ اپنے بے چارے ہندوستان کی بیوی کیا ہوتی ہو
بس خالص ”بے چاری“ ہوتی ہے اس لئے اس کے سمجھنے سے پہلے چند
خاص باتوں کو ذہن نشین فرمایئے۔

اس سے پہلے جو اپنے ”یورپ کی بیوی“ افریقہ کی بیوی، اور افریقہ
میں مصر کی بیوی، مراکش کی بیوی، پھرایشیا کی بیوی، اور اس میں مس کی
بیوی ترکی بیوی، جاپان کی بیوی، چین کی بیوی اور جن دوسری بیویوں کے
حالات پڑے ہیں ان کے ناموں کا یہ مطلب نہیں کہ جن ممالک کو نام سے
اُن کا تعلق ہے وہ ان ممالک کے نہیں بلکہ شوہروں کے نام ہیں کیونکہ اگر
یوں سمجھا گیا تو پھر تمام عنوانات کو یوں لکھنا پڑیگا کہ جناب یورپ بیگ صاحب
کی بیوی، جناب امریکہ خاں صاحب کی بیوی اور جناب افریقہ پرشا صاحب
کی بیوی۔“

۲۔ ظاہر ہے کہ ان تمام ممالک کی بیویوں کے یہ حالات نہ تو مکمل
ہیں اور نہ تفصیلی، اور یہ اس لئے کہ ان ممالک کی بیویوں کے تفصیلی
حالات کے لکھنے کی خود ہمیں ضرورت نہیں تھی، البتہ مقصد یہ ہے کہ ہندوستانی

بیوی اور اوس کے ”بیویانہ حالات“ کی تفصیلات سے پہلے دنیا کی تمام بیویوں کے موجودہ حالات کا ایک دہندلا سا خاکہ آپ کے سامنے آجائے تاکہ آپ سمجھ سکیں کہ دنیا کے تمام انسانوں کی بیویاں زیادہ تقداد میں کس حیثیت اور کن حالات کی بیویاں ہیں، اور عورت کی حیثیت کے ساتھ ہی وہ بیوی کی حیثیت سے کیا کچھ کر رہی ہیں؟ اور یہ جو آج دنیا میں عورتوں کی ترقی، عورتوں کی اصلاح عورتوں کے حقوق اور عورتوں کی تعلیم وغیرہ کے متعلق تمام دنیا میں ہنگامے ہو رہے ہیں اوس میں ان ممالک کی عورتوں نے بیوی کی حیثیت سے کونسے اور کتنے تیر مارے ہیں تاکہ اگر ان سب کے تیروں ہی انسانی خطرات کے دفع کر نیکامی حاصل قرار دیدیا جائے تو پھر اس اپنے ہندوستان کی بیوی کو بھی وہی تیر مارنا چاہئے۔

اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ اچھا اگر دنیا کی دوسری عورتیں بیوی کی حیثیت سے آئندہ زندگی اور ترقی کا یہی دتیرہ اختیار کریں گی جو اوپر بیان ہوا تو پھر لائیے اور بتائیے کہ ہندوستانی کی بیوی ان حالات کے لحاظ سے آجکل کن حالات میں مبتلا ہے اور کیا کر رہی ہے؟ تاکہ آسانی سے فیصلہ کیا جاسکے کہ اب ہمیں اپنی اپنی بیویوں کو طلاق دیدینا چاہئے یا انہیں دنیا کی مذکورہ بالا قسم کی بیویاں بنانا چاہئے یا موجودہ حالت ہی میں چھوڑ دینا چاہئے یا خود اپنے ملک اور اپنے حالات کے موافق انہیں آگے بڑھانا چاہئے

پس ان تمام حالات کے سمجھنے کے لئے آپ کو ہندوستان کی آٹے والی بیرونی
 حالات کو ملاحظہ فرمانا ہوگا اس لئے معلوم کیجئے کہ ہندوستان ایشیا کا وہ
 عظیم نشان حصہ آبادی ہے جس کے اوپر یا جس کے اندر ایک نہ دو پورے
 (۳۵) کروڑ انسان آباد ہیں اور مردم شماری کے فیض سے ہر دس سال کے
 بعد کچھ نہ کچھ بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ اب یہ کل ہندوستان یا یہ کل ۳۵ کروڑ
 باشندے کوئی دو سو برس سے انگریز نام کی ایک قوم کے ماتحت ہیں جو
 یورپ کے ملک انگلستان میں آباد ہے۔ ہندوستان کی سب سے زیادہ
 تعداد والی قوموں میں پہلے ہندو پھر مسلمان پھر سکھ اور ایریہ وغیرہ
 نھو خیرے مانے جاتے ہیں۔

ہندوستان کا زیادہ حصہ گرم ہے اور آب و ہوا زیادہ مقدار میں
 غیر معتدل اس لئے یا اور کسی سبب سے یہاں کے باشندوں میں فلاس،
 تنگدستی، بے ہنری، جھالت، طاعون، انفلو انزما، تپ دق، نمونیا
 ہیضہ، کالی کھانسی، ملییریا، درد گردہ، درد قولج، درد سر، درد رنج،
 پسلی کا درد، مالتیوکیا، مرق، جنون، ہول، وحشت، قبض، دائمی کھٹی کھا
 آنا، سورہضی، سینہ جلنا، طحال، اسہال، پیش، بواسیر رچی، بواسیر خونی
 نفخ، گٹھیا، فساد خون، فالج، اختلاج قلب، ذیابیطیس، سل، تپ کہنہ
 جذام، غشی، مرگی، دمہ، استفراغ، پت، املا، سُدہ، پتھری، جلندہر

چچک، ضیق نفس، خناق، خنازیر، ذات الحجب، رسولی، ذات الصد
 یرقان، سل سل بول، پھوڑا، دنبل، لقوہ، وجع مفاصل، نفرس، رعشہ
 سکتہ، عرق النساء، استسقا، گنج، خارش، آشوب چشم، ضعف بصارت
 جالا، غبار، سرخی، پانی بھنا، سرطان، نزول المار اور خدا جانے کتنے
 امراض ہر وقت پائے جاتے ہیں، پھر ان پر کتے کا کاٹا ہوا، سانپ کا کاٹا ہوا
 بچھو کا کاٹا ہوا، مسلمان کا کاٹا ہوا، ہندو کا کاٹا ہوا، افسر کا کاٹا ہوا، خفیہ
 پولیس کا کاٹا ہوا، تھانیدار کا کاٹا ہوا، حلقے کے داروغہ کا کاٹا ہوا،
 فرض اور برطرفی کا کاٹا ہوا، اور جو یہ کچھ بھی نہیں۔ تو بیوی بچوں کا کاٹا ہوا
 اور ان سب کے بعد ایفون گانجا، چرس، بھنگ، حقہ، بیڑی، سگریٹ
 شراب، اور قمار بازی کا کاٹا ہوا، مریض بھی یہاں بکثرت موجود ہیں۔
 ورنہ صبح و شام اور کھانسی وز کام، اور اگر بالکل ہی نہیں۔ تو اعضائی
 اور جمائیوں سے تو یہاں کے رئیس امیر اور عہدہ دار بھی محفوظ نہیں، غرض
 ہندوستانی عورت اور مرد کے بھی وہ موانع اور محالات ہیں جن کے
 باعث وہ آجکل کی سی ترقی سے محروم ہے۔

البتہ اس کی بیداری اور غفلت سے چونکا دینے والی حرکت
 اہل میں انگریز قوم کا غلبہ ہے۔ جس کے باعث وہ ان کے تمدن ان کی
 تہذیب، ان کی ایجادات، ان کی سیاست، ان کی تعلیم اور ان کے

عام طریقوں سے ایک عرصہ سے دوچار ہو رہی ہے، مگر ہندوستانی مردوں کی حد سے گزری ہوئی جہالت، قناعت پسندی، اور تاریکی میں اعتقادی ذہنیت نے کبھی اپنی عورتوں کو آگے بڑھانے پر آمادہ نہیں کیا اور اس کے قوی ترین اسباب میں سے ایک تو ان کا یہ عقیدہ ہے کہ عورت ”صرف مرد کی خدمت گزار“ اور اطاعت کے لئے پیدا ہوئی ہے اور مذہباً وہ مرد سے کسی حیثیت سے بھی آگے نہیں بڑھ سکتی، دوسرے خود یہاں کے مردوں کی بے ہنر اور بے علم زندگی نے انہیں کبھی فراغت سے اتنا بھی دوچار نہیں ہونے دیا کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت میں وقت اور دولت سے کام لیتے،

ان مولے میں گشتِ شلاطین ہند اور اس کے بعد سے اس وقت تک کے شعراء نے بھی ہندوستانی عورت کو مرد سے پیچھے رکھنے میں خاصا کام کیا۔ اور اپنی تمام شعری قوتیں اسی ایک خیال اور عقیدے کو طاقتور بنانے پر صرف کرتے رہے کہ عورت صرف محبت کرنے اور گھر کی رونق کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ ایک ایسی ہی نازک سی چیز ہے جو ادنیٰ سی محنت کرنے سے تنگ کر بیکار ہو جائیگی پس ان خیالات اور حالات کا نتیجہ ہی ہونا چاہیے تھا کہ ہندوستانی عورت گھر کی چار دیواری کے اندر تنہا ہو جائے مگر انگلستان سے آنے والے مردوں اور عورتوں نے کوشش کی کہ ہندوستانی عورت بھی مرد کے برابر کام کرے

اور مرد کی تمام ذمہ داریوں میں برابر کی شریک نظر آئے یہ ایک ایسی کوشش تھی جسکی رفتار بہت کم اور سست تھی اور اسی لیے ہندوستانی عورت کو مرد کے برابر کام کا بنانے کے لیے کافی عرصہ گزر گیا،

لیکن پچھلی نصف صدی میں جب ہندوستانی مرد انگریزوں کی زندگی سے تعلیم کے باعث ایک حد تک واقف ہوئے تو ان کے سامنے انگریز عورتوں کی زندگی آئی اور وہ نہایت دھیمی رفتار سے اپنی عورتوں کی اصلاح کی طرف بڑے نتیجہ بیہکلا کہ اب یہ مسئلہ دماغ اور خیال سے بڑھ کر عمل میں نظر آنے لگا، اور ہندوستانیوں کی یہ ”گھریلو زمینت“ اب اسکول میں نظر آنے لگی، مگر عجیب و غریب مشکلات کے ساتھ، مثلاً پہلی مرتبہ جب یہ بغرض تعلیم اسکول میں آئی ہے تو مذہبی معتقدات نے اسے سختی سے روکا، اور جگہ جگہ سے اس کے خلاف مذہبی آوازیں پیدا ہونے لگیں، اس کے بعد اس کی مالی مشکلات نے اسے روکا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اسکول پہنچ کر بھی ناکام واپس لوٹنے پر مجبور ہو گئی،

مسلمان عورت کے آگے بڑھنے میں اگر مذہبی رنگ کی قیود سخت تھیں تو ہندو عورت کے لیے ہندوستان کا یہ خیال زبردست مانع تھا کہ عورت مذہباً اس قدر مقدس چیز ہے کہ بس اسے گھر میں بٹھا کر پوجا جائے،

غرض دونوں قوموں کے خیالات یہی رہے کہ عورت ہر حال میں نازک نفس، پاکیزہ تر اور کچھ نرمی ہی لائق دار چیز ہے جو تعلیم و تمدن اور ترقی میں مردوں کی

طرح محنت برداشت نہیں کر سکتی بلکہ بے عمل اور سست فطرت شعرا کے لئے ایک
 طرح کا مصرع طرح ہے جس پر بس خیالی اور طرحی طبع آزمائی تو کیا سکتی ہے
 مگر اس کو کام پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن طبعی ارتقا کے قدرتی اثر نے اور انگلیستا
 عورتوں کو بھی کام کے لئے پر جوش بنایا پھر بھی کافی ٹسٹ رفتار ہی کے ساتھ
 گزر ۱۹۱۲ء کی جنگ یورپ نے جب ہندوستان کے سترہ لاکھ مردوں کو میدان
 قتل و قتال میں کھینچ لیا، اور زندگی کی ہر چیز میں حرکت اور تبدیلی پیدا ہو گئی تو
 ہندوستانی عورت کی آنکھیں کھل گئیں، اس جنگ کے بعد جنگ روس یا
 انقلاب روس اور جنگ ترکی و یونان باجہ ۱۹۱۶ء و ۱۹۲۱ء میں جب روسی
 اور ترکی عورتوں نے میدان جنگ میں مردوں کے برابر خدمات انجام دیں، ادھر
 اطلاعات اور اخبارات کے ذرائع عام ہو گئے تو ہندوستانی عورتیں ایک
 گھر سے باہر نکل آئی اور اس قدر جوش کے ساتھ بڑھی کہ اب اسکا پیچھے
 ڈھکیں دینا کسی کے بس کی بات نہ رہی، اور اب وہ بازار، اسکول، فضا
 و کالٹ، ٹائی کو رٹ، اخبار نویس، لیڈری، تجارت اور ٹیچٹر اور سینما تک
 ہمیں نظر آنے لگی۔ جب یہ ہوا تو پھر کیا تھا۔ مردوں نے بھی سوچا کہ عورت
 ذات کو اپنا احسان جتانیکا بھی موقع ہے اس لئے انہوں نے بھی عورت کو
 ترقی دینے کا عطا شروع کر دیا۔

اب ایک نازک سوال یہ ہے کہ آیا ہندوستانی عورت کی "موجودہ کارگزاری"

یورپ کی اقوام سے متعلق ہونیکا نتیجہ ہے، یا اسکا طبعی انقلاب ہے؟ پھر یہ کہ اب وہ جس رنگ میں آگے بڑھی ہے وہ اسکا قدرتی رنگ ہے یا غیر وہ؟ پہلے دونوں سوالوں کا جواب اثبات میں ہے یعنی ہندوستانی عورت واقعی سب سے پہلے انگریزی عورت سے متاثر ہوئی ہے پھر اس کے ذہنی قومی عرصہ کے جمود کے بعد اب قدرتا بیدار ہوئے ہیں اور اس میں ترقی اور تبدیلی کا احساس اس کے طبعی ارتقا کا اثر ہے جو دخترت میں بھی ہوتا ہے اور ہر نشوونما پانیوالی چیز میں البتہ آخر کا مسئلہ مشکوک ہے مثلاً یہ کہ ہندوستانی عورت کے لئے موجودہ رنگ کی ترقی اسکی اصلی و طبعی ترقی و تبدیلی ہے یا نقلی؟

سواکر حالات کے لحاظ سے اس کی موجودہ تبدیلی نقلی ہے اور بعض حالات میں طبعی اور ذاتی جس کے زیادہ صاف معنی یہ ہیں کہ ہندوستانی عورت کے لئے انگریزی عورت کی نقل نہ مفید ہے نہ پائیدار، اسی طرح اس کی ملکی اور طبعی تبدیلی دنیا کی عام زندگی کے مقابل کہی مفید اور سودمند نہیں ہو سکتی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک صدی کے اندر ہندوستانی عورت یورپی اور ہندوستانی اثرات سے مل جل کر ایک بالکل ہی "جدید زندگی کی مالک ہو جائیگی" اور کچھ شک نہیں کہ اب ہندوستانی عورت اپنے پچھلے حالات کی طرف کبھی واپس نہ جائیگی، البتہ قدیم و جدید حالات کے ساتھ وہ ایک بالکل ہی دوسری چیز بن جائیگی۔ پس جب یہ خیال نہایت صحیح ہے کہ اب ہندوستانی عورت آگے بڑھے گی اور بڑھ کر رہیگی اور بڑھتی ہی چلی جائیگی اور

اور بڑھتی ہی رہیگی اور جب بڑھی تو پھر بڑھی ہی بڑھی تو پھر ضرورت ہے کہ ہم بھی یہ لہکر کھڑے ہو جائیں اور اسکی مدد کریں کہ۔ آج بھی بڑھ اگر تو بڑھتی ہے تو ہم بھی تیری امداد کو موجود ہیں۔ لہذا جب ہم یہ کہنے کے لیے مجبور ہیں تو پھر اصولاً ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ آج کل کن حالات و اثرات میں ہے خصوصاً اس حیثیت سے کہ وہ بیوی ہو کر اپنے مردوں کے لیے آج کل کیا کر رہی ہے اس لیے ذیل کی بیویان ملاحظہ ہوں تاکہ آئندہ اونہیں آگے بڑھانے اور اپنے حق میں مفید بنانے اور خود اون کے لیے مفید بننے میں آسانی ہو۔

واضح ہو کہ آئندہ آنے والی بیویوں میں اس بات کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہندوستان کے ایسے فرقوں اور طبقوں کی بیویان لی جائیں جو کل کر ہندوستانیوں کی اجتماعی اور قومی زندگی کی سب سے زیادہ ذمہ دار بھی ہیں مگر سب سے زیادہ پست پستی کے یہ معنی نہیں کہ ذات پات کے لحاظ سے پست بلکہ پستی کے معنی یہاں اونکی اور اون کے مردوں کی یکسر حیثیت ہے چنانچہ انیوالا باب صرف ایسی ہی بیویوں سے متعلق ہے جن کے تقریباً پورے خاندان کو بھی علم چھو کر نہیں گزرا ہے اور آنکھیں ایک ہی تمام جاہل مرد اور عورتوں کے ہندوستان آبادی کا غالب ترین حصہ ہیں، کیونکہ صرف مائٹووزی صاحب اور اون کی مبلغ ایک بیوی تو ہندوستان کی کل آبادی نہیں ہو سکتی ہیں اس لیے فرمائیے کہ ہندوستان کی غالب آبادی کس حال میں ہے؟

بیوہ بیوی

بیوہ اُس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر مر جائے یا قتل کر دیا جائے، اس قسم کی عورت ہندوستان میں بکثرت ملتی ہے ہندوؤں میں ایسی عورتوں کی تعداد کا صحیح اندازہ بہت مشکل ہے کیوں کہ اُن کے ہاں ایک گروہ کے خیال میں بیوہ عورت کو دوسرا نکاح کرنا مذہبی لحاظ سے مناسب نہیں، مگر اب علم و تعلیم کی ترقی کے باعث ایسے ہندو پیدا ہو گئے ہیں جو بیوہ عورت کے لئے دوسرا نکاح جائز قرار دینے کے لئے زبردستی کوشش کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے تاریک خیال گھرانوں اور جاہل مزاج خاندانوں میں بھی بیوہ عورت کے لئے دوسرا نکاح حرام سمجھا جاتا ہے۔ بعض بیوہ عورتیں مزاج کی جہالت اور حماقت کے باعث خود بھی دوسرے نکاح کو حرام سمجھتی ہیں اور اسے مُردہ شوہر کی توہین قرار دیتی ہیں، بعض بیوہ عورتیں اس خوف سے دوسری شادی نہیں کرتیں کہ مرے ہوئے شوہر کی طرح نیا شوہر آرام نہ پہنچائے گا، بہر حال سبب کچھ بھی ہو مگر اس میں شک نہیں کہ ہندوؤں کی آدمی زندگی بیوہ عورتوں کی دوسری شادی نہ کرنے سے برباد ہو رہی ہے، چونکہ ہندوستان میں صرف شوہر کا تہا ہے اور بیوی بے ہنر ہوتی ہے اور گھر میں بیٹھے بیٹھے شوہر کی کمائی کھاتی ہے اس لئے شوہر کے مرجانے کے بعد اس کی زندگی حد سے زیادہ تکلیف دہ

اور ناقابل دید اور ناقابل سماعت ہوتی ہے، اور جب ایک نوجوان عورت شروع زندگی میں شوہر اور دولت سے محروم ہو جائے تو اُس کی تکالیف اور مصیبتوں میں کیا شک ہو سکتا ہے اکثر بیوہ عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کے ساتھ ایک سے لیکر دس بار بچے بھی شوہر محروم ہو چکے ہیں اور ایسے ہی بچوں والی بیوہ سب سے زیادہ مظلوم، بے کس، پریشان اور قابل ہمدردی ہوتی ہے، بد نصیبی سے ایسی کثیر اولاد والی بیوہ عورتیں بھی ہندوستان میں کثرت موجود ہیں۔

اب علم و تعلیم اور داغی ترقی کا اثر تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ ذمہ دار لوگ ایسی عورتوں کو فوراً دیکر علاج کے لئے طرح طرح سے آمادہ کرتے انھیں بیوہ رہنے کے خراب اثرات سے واقف کرتے، انھیں سمجھاتے کہ بیوہ رہنے سے طبی قاعدہ سے عورت بیماریوں کا یونانی اسپتال بن جاتی ہے، جس خاندان میں بیوہ عورت ہوتی ہے اُس خاندان میں کبھی خوشی و مسرت اور برکت داخل نہیں ہوتی اور اسی لئے مذہب اسلام نے بیوہ عورت کے لئے دوسری شادی کو نہایت مفید اور ضروری قرار دیا ہے مگر غلام ملک ہونے کے باعث یہاں کا ہر کام اونڈھا اور اُلٹا ہوا کرتا ہے چنانچہ یہاں کے شعراء، صاحبان تصنیف، ایڈیٹروں اور لیڈروں نے بیوہ عورت سے ہمدردی کے لئے جتنا زور صرف کیا ہے اتنا دوسرے نکاح کے لئے نہ کیا، اور بیوہ عورت کو ہمیشہ انتہا سے زیادہ مظلوم ثابت کرنے کے لئے پوری قوت صرف فرمائی ہو اور بیوہ عورت کے نہایت درجہ غم افزا حالات کو ہزاروں رنگ دیکر پیش کیا ہے جس سے نجات میں عام افسردگی اور مرہ دلی پیدا ہوتی ہے اور حیرت ہے کہ بیوہ عورت سے اس قسم کی ہمدردی

بڑھانے میں ہندوستان کے بعض ذی علم اور نکتہ رس حضرات بھی شریک ہیں۔ چنانچہ
شاعرانہ عظمت و سر بلندی کے ایک بہت بڑے مدعی اور صوبجات متحدہ دارالحکومت اکبر آباد
کے ایک لیبے چوڑے شاعر جناب ستیا ب کی ایک نظم ملاحظہ ہو جس کی سطر سطر اور لفظ لفظ میں
موت کو یاد دلانے والی افسردگی اور بے کسی بھری ہوئی ہے نظم یہ ہے جو رسالہ صوفی گجرات
کے مابج سلسلہ ۶ نمبر میں شائع ہوئی تھی،

(۱)

ابھی تو تھا عنفوانِ بہتی، ابھی تو تہیدِ زندگی تھی

ابھی بہ عنوانِ شادمانی، مجھے نئی زندگی ملی تھی

ابھی تو میرے دراز بالوں میں، سنبلِ خلد کی تھی خوشبو

ابھی تو میرے جوان خیالوں میں صبحِ سدرہ کی تانگی تھی

شباب کی تھی کہاں میسر ابھی مری عمر کو متانت

ہا ابھی تو میں کرسی کی معصومیت سے بول ہی رہی تھی

ابھی تو دیکھی تھیں صرف باغِ حیات کی ستر بہاریں

ابھی جوانی کے گلستاں کی میں تو شگفتہ سی اک کلی تھی

ابھی شبِ ماہ و لطفِ ساحل سے میری نظر کہاں تھی

ابھی تو غلوتِ کہہ میں میرے محیطِ میری ہی پامنی تھی

ابھی تو میرے لباس سے جلوہ گر تھے آثارِ نعرہ دہی

ابھی تو میرے بدن میں عطرِ سہاگ کی بو بسی ہوئی تھی

ابھی تبسم و شیزگی کے کنارِ غنائیں کھیلتا تھا

ابھی تھی مصوم میری چیتوں، میری نگاہوں میں سا دگی تھی

ابھی سے کیوں کر دیا فلک تیرے دور نے سو گوارِ نجد کو

بنا دیا کیوں ابھی سے تقدیر نے مری بے قرارِ مجھ کو،

(۲)

ہاں گیا وہ رفیقِ میرا، جو ضامنِ لطفِ زندگی تھا

کہاں گیا وہ شفیقِ میرا، جو میری خلوت کی روشنی تھا

کیا تھا مجھ سے کسی نے وعدہ کہ عمر بھر میں نباہ دوں گا

یہ کیا خبر تھی کہ عمر بھر، ایک مختصر لمحہ خوشی تھا

وہ حسرتیں کیا ہوئیں جو میرے وفا بھرِ دل میں پل رہیں

وہ آرزوئیں کہاں گئیں جن سے مجھ کو ارمانِ سرخوشی تھا

دو میرے عشرِ نکدے کی شمعوں کا نور کیا ہو گیا اتنی

جو میرے عشرِ نکدے کے دیوارِ درد سے بیدار ہو گھڑی تھا

نہ وہ امنگیں، نہ وہ ترنگیں، نہ وہ تبسم، نہ وہ ترنم

تو کیا فریبِ نشاطِ میرے لئے زمانہ میں عارضی تھا؟

وہ ہی ہوں میں اور وہی ہو گھر بھی، مگر وہ آسودگی نہیں ہے

ہوا وہ دل کا سکونِ محنت جو باعثِ عیشِ دائمی تھا

یہ میری تنہائیاں آگہی، کہ سبکی میں ترپ رہی ہوں

نقطہ ہے اب اک خیال باقی، کوئی مراد نواز بھی تھا

جہانِ فانی کی وسعتوں میں نہیں کوئی غم گسار میرا

تباہیاں میری زندگی کی بھی ہوئی ہیں مزار میرا

(۳)

میں درد اپنا کسے سناؤں، وہ میرا درد آشنا نہیں ہے

نصیب نے درد وہ دیا ہے کہ جس کی کوئی دوا نہیں ہے

مجھے تنہا ہی میں چھوڑ کر تم، اکیلے دنیا سے کیوں سدا کر

نہیں یہی اقتضائے الفت، یہ شرطِ مہر و وفا نہیں ہے

میں کس کی ہو کر رہوں جہاں میں تباخفا ہوئے جانیرا

یہ لہو کیسا ہے جو میرے دل پر تم نہیں ہو وفا نہیں ہے

تمہارے گندیدہ لطیف راتیں جو میرا سامانِ زندگی تھیں

جو خوابِ عشرت میں گھومتی تھی اب اس کا کوسوں پر نہیں ہے

جہاں میں ہونے کو یوں تو سب کچھ ہو، مجھ کو ان سب کا سٹک

کہ جس سے شے زندگی عبارت، وہ زیست کا آسرا نہیں ہے

زنا نہ کہتا تھا مجھ کو دلہن، اور اب ہوں میں نصیبِ بیوہ

یہ انقلاب اور تغیر، ٹھکانہ اس ظلم کا نہیں ہے

جہاں ہو مجھ کو وہیں بلالو، تم اپنی ہی قبر میں سلا لو

کشاکش ہجر سے نکالو، کہ زندگی میں مزا نہیں ہے

مرے ہی سر پر بصورتِ قہر آج ٹوٹا سہاگ میرا

تمہارا داغِ جدائی دے کر اجل نے ٹوٹا سہاگ میرا

۴

میں سن ہی ہوں کہ نیمِ عالم میں عشرتِ عید آرہی ہو

خدائی میں عید کی مسرت، خوشی کا پیغام لا رہی ہے

مگر مجھے کیا کہ میں تو اپنے الم کے بحر میں تڑپ رہی ہوں

تمہاری طلت کی سو گواہی شریکِ ماتم بنا رہی ہے

تصورِ دوش سے ہوں محزوں، کہ دل کو تم یاد آ رہے ہو

وہ عید کی عشرتِ گزشتہ مجھے بہت اب ستا رہی ہے

نظرِ قوت کہاں جو دیکھوں میں عید کی دلفریبیوں کو

کہ عیشِ رفتہ کی ایک سستی سی ابتلا لھوں میں چھا رہی ہے

یہ عید جو کل ہے آنیوالی مرے لئے ہے میرے محترم

پیامِ ماتم کا دے رہی ہے، اجل کا نوہ سنا رہی ہے

خوشی تمہارے ہی دم سے تھی، اب خوشی کہاں ہے خوشی کا ماتم

نہ پھول میں وہ مہک ہی باقی، نہ شمع میں وہ ضیا رہی

تھی عیدِ جن کی تجلیوں سے وہ آج قبروں میں سو جی

قریبِ عشرت میں ہی یہ دنیا کہ عید اب بھی منار ہے

نہ ہو رفیقِ حیات باقی کوئی تو پھر داد و دید کیسی؟

کہ دل ہی جب خوش نہ ہو کسکی تو پھر خوشی کیا اور عید کی

(۵)

ہمارا دکھ کون پوچھتا ہے پڑی ہی اپنی ہی ہر کسی کو

سب اپنے اپنے خیال میں ہیں، نہیں ہماری خبر کسی کو

ہمارے غم پر جو رحم کھائیں تو کچھ نئی ہمتیں دکھائیں

اٹھا کے تربت سے کیوں نہ لے آئیں پھر یہاں وہ گر گئی

یہ سوگِ اویسِ بختا میں، یہ ہم نفس کی فضول باتیں

جو خواب ہم آج دیکھتے ہیں وہ آنیگا کیوں نظر کسی کو

سکونِ دل میں کہاں رہا ہے، الم ہے اور جان مبتلا ہے

ہمیں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ روئیں گے عمر بھر کسی کو

اگر سمجھتی کہ وہ خفا ہیں تو منتیں کر کے روک لیتی

نہ جانے دیتی میرا اپنے پہلو سے اس طرح روٹھ کر کسی کو

مکان کی تیرہ خلوتوں میں خیالِ ڈرتنگِ دستوں میں

نگاہ میری تلاش کرتی ہے شام سے تاسخر کسی کو

بلا سے بچپن میں موت دینا، بلا سے ہر عشق چھین لینا

بھری جوانی میں یا الہی نہ کرنا بیوہ مگر کسی کو

یہ مجرمِ عوم سو گوارم، امید صبر و قرار تاکے؟

بیابا اے اجل کہ ہستی ہلاکِ صدا انتظار تاکے؟

اب اس نظم کے دیکھنے کے بعد بتائیے کہ جس قوم کے شعراء اپنی شعری قوتوں سے بیوہ عورتوں کے ایسے افسردہ اور مایوس کُن نمونے پیش کریں گے اُس قوم کی اجتماعی زندگی برباد نہ ہوگی تو کیا انگریزوں کی زندگی برباد ہوگی، اس شاعر کے بعد ایک دوسرے شاعر جنابِ قسمر بھی نے بیوہ عورت کی عید کا جو نمونہ پیش کیا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو جو رسالہ سہیلی لاہور بابۃ عید نمبر ۱۹۲۹ء کے صفحہ ۳۸ سے لی جاتی ہے نظم یہ ہے۔

عید کے دن سب تو غصتے ہیں مجھے اندوہ ہے میرے دل پر کاہشوں کا آج ایک انبوہ ہے

غم کی ماری ہوں پڑی ہر آفتوں میں میری جہاں دل کی جو حالت ہو مجھ سے ہو نہیں سکتی بیاں

ناک میں دم آگیا غم کھاتے کھاتے اے خدا مرگئی جانے کہاں، موت آتے آتے اے خدا

عید سب کو عید ہے لیکن محرم ہے مجھے

کیا کموں کسی جوانی میں لٹا میرا سہاگ ہائے عشرت کے زمانے میں ہی پھوٹے میرے گہاگ

جب نہیں ”وہ“ دیکھنے والا تو بن کر کیا کروں ہوں اگر کڑے تو ہیں ان کو سین کر کیا کروں

پان بھی چھوٹا ہستی کا منہ بھی کالا ہو چکا اب کہاں ”سُوج“ تیرے گھر میں اُجالا ہو چکا

عید ہے لیکن خوشی کا آج ماتم ہی مجھے

یاد بھی مجھ کو نہیں ہوتا ہے کیسا عیش اب نام عشرت کا مجھے آتا ہے سن کر طیش اب
جب کوئی آتا ہے موقع شاد ہوں جس میں سہمی عام جب کوئی خوشی دنیا میں ہوتی ہے کبھی
تازہ ہو جاتے ہیں غم وہ یاد آجاتے ہیں پھر سین وشت کے ان آنکھوں میں سما جاتے ہیں
عید کے دن کی خوشی سب کو فقط غم ہی مجھے

ہائے میرے بھوے بچے کتے ہیں منہ غیر کا سیر کون ان کو کرائے آج ہر دن سیر کا
وہ نہیں تو عید گاہ اب کون لجاے نہیں کون لجا کر کھلونے آج دلوائے انہیں
اپنے پہلو میں بٹھائے کون ان کو پیار سے بیکسی ہے ہے! ٹپکتی ہے درود یوار سے

عید اور میں جل رہی ہوں گھر جہنم ہی مجھے

ہائے ستا ہی نہیں کوئی میری فریاد کو موت بھی آئی انہیں افسوس مجھ ناشاد کو
درد سے بیتاب ہر دل چوٹ سے زخمی جگر بیکسوں کی کون لگاڑے وقت لیتا ہے غبر
کیا دکھاؤں تم کو افسردہ دل میں جو اسوے غم میری قسمت میں ہر ادیش مجھ سے دور ہے

عین کی کیسی سوئیاں ہر غذا اسم ہے بچے

کاش ان نظموں کو عوض ایسی نظمیں کہی جاتیں جن کے اندر بیوہ عورت کو عقد ثانی کے
بغیر زندہ رہنے پر شرم دلائی جاتی، اس کی عملی قوتوں کو بیدار کرنے والے خیالات اور جذبات
ہمت میں جوش مل پیدا کر کے اثرات کو پیش کیا جاتا تو مسلمانوں سے بیوہ عورتوں کی سرپرستی
کی محنت کم ہوتی، بخلاف اس کے اس قسم کے خیالات سے نہ فقط بیوہ عورت ہی کا دل سرد

ہو جاتا ہے بلکہ دوسری عورتیں بھی ان خیالات سے متاثر ہو کر بے عمل ہو جاتی ہیں، ایک عورت کو بیوہ رکھ کر اُس کی اعانت کرنا اس حد تک تو نہایت درجہ مفید و ضروری ہے جب تک کہ اُس کے دوسرے نکاح کا بندوبست نہ ہو جائے، لیکن اس خیال سے کسی بیوہ عورت کی دائمی سرپرستی اور مدد کرنا جماعت میں بد اخلاقی، بے علمی اور اقتصادی بیماری اور تباہی پھیلانے کا باعث ہے کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب ایک بیوہ عورت اپنے ساتھ دو چار یتیم بچوں کو لے کر اپنے ماں باپ کے گھر واپس آتی ہے تو اس سے ماں باپ کی مالی زندگی متاثر ہوتی ہے، بعض اوقات یہی مالی تنگدستی گداگری اور دوسرے اقسام کے برباد کن حالات پر ختم ہوتی ہے، مسلمانان ہند کی عورتیں عموماً پردہ میں رہتی ہیں اور کثرت سے بے ہنر ہیں اور مسلمانان ہند اپنے ساتھ کی دوسری قوموں سے یقیناً منظر واقع ہوئے ہیں پس اس لحاظ سے ایسی تمام مسلمان بیوہ عورتوں اور ان کے یتیم بچوں کو اگر جمع کیا جائے تو اسلامی جماعت کی مزید تنگدستی اور افلاس کے اعداد میں کافی اضافہ نظر آئے گا، مگر ہندوستان میں مسلمان بیوہ عورت سے شادی کرنے یا اُس کی دوسری میں رکاوٹ ڈالنے والے اسباب میں سے بعض یہ ہیں،

۱۔ بیوہ عورت کے خاندان کی اُس کے ساتھ اندھی محبت اور ہمدردی جبکہ اُس کے دوسرے رشتہ دار محض اس خیال سے اُس کی دوسری شادی نہیں کرتے کہ میں بیوہ عورت یہ خیال نہ کرے کہ میرے شوہر کے مرجانے سے میرے عزیزوں پر میرا گزارہ اور صرف بھاری ہو گیا۔ اور کچھ شک ہے کہ محض اس خیال سے متعدد خاندان بیوہ عورتوں

کی پرورش کا پوجھ اپنے سر لئے بیٹھے ہیں۔

۳۳۔ بیوہ عورت کے خیال میں دوسری شادی کرنا مرحوم شوہر کے حق میں بیوفائی کرنا ہوگا

۳۴۔ یہ اندیشہ کرنا کہ اب پہلا ایسا شوہر نہ ملے گا، اور ممکن ہے کہ دوسرے شوہر سے

تکلیفیں بھونچیں۔

۳۵۔ یہ خوف کہ دوسرے شوہر سے سابقہ شوہر کی اولاد کو نقصان پہونچے گا، اور جہاں

کے عام ہونے کے باعث بیوہ عورت کا یہ خوف ایک حد تک صحیح بھی ہے جبکہ حالات نے

ثابت کر دیا ہے کہ دوسرے شوہر کو بیوہ عورت کی پہلی اولاد سے یا تو کم نفرت ہوتی

ہے یا پھر وہ صحیح معنی کی محبت نہیں کرتا اور یہ بات قرین عقل و فطرت بھی ہے۔

ان حالات کے بعد بھی مسلمانوں میں بیوہ عورت سے شادی کی جاتی ہے لیکن عموماً وہی

لوگ بیوہ بیوی اختیار کرتے ہیں جن کی داڑھی اور سر کے بال خضاب لا جواب لگانے کے

قابل ہو جاتے ہیں، جن کی گمراہی میاں کی بیٹی سے نہ باندھا جائے تو وہ حرکت کے

قابل بھی نہیں ہوتے جو ملازمت اور کمانے کی عمر سے نکل کر کنپشن اور شفا خانے

میں پڑے رہنے والی عمر میں داخل ہو جاتے ہیں جنہیں اپنی مرحوم بیوی کی اولاد کی

پرورش کے لئے ایک عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔

جنہیں عورت کے نہ ہونے سے اپنے گھر کے انتظام اور امور خانہ داری میں ایک

سلیقہ مند عورت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اب چونکہ بیوہ عورت دوسری شادی انہی وجوہ کی بنا پر کی جاتی ہے اس لئے مرد کو

ایسی بیوہ بیوی سے طبعی اور غیر معمولی محبت نہیں ہوتی، اس کے بعد بیوہ عورت جن وجوہ کے باعث دوسری شادی کرتی ہے اُن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ یا وہ بالکل جوان ہوتی ہے اور بے شوہر کے وہ پوری عمر رہنا گوارا نہیں کر سکتی

۲۔ یا اُس کی سرپرستی اور گزارہ کے لئے اُس کا کوئی عزیز نہیں ہوتا۔

۳۔ یا اُسے اولاد کی آرزو ہوتی ہے۔

۴۔ یا وہ غیرت مند ہوتی ہے اس لئے اپنی بیوگی کا بوجھ وہ اپنے خاندان پر ڈالنا نہیں چاہتی۔

۵۔ یا اُسے اپنے بے ذریعہ بچوں کی پرورش مقصود ہوتی ہے، ان وجوہ کے ساتھ چونکہ بیوہ عورت دوسری شادی منظور کرتی ہے اس لئے اُسے بھی دوسرے شوہر سے طبعی محبت نہیں ہوتی،

بیوہ بیوی عام طور پر اپنے پہلے شوہر کے زمانہ کو نہیں بھولتی اور نئے شوہر کے

حالات کو پہلے شوہر کے حالات سے مقابلہ کرتی رہتی ہے اس لئے اُس کا دل

نئے شوہر کے حق میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہوتا۔ اس کا اثر نئے شوہر کے خانگی امور پر

پڑتا ہے البتہ بیوہ بیوی اخلاقی حیثیت سے بہت قیمتی بیوی ہوتی ہے اس طرح کہ اب

اُس کے مزاج اور اخلاق میں کافی پختگی، سنجیدگی، سلیقہ مندی اور ضبط مصائب حالات

کا وزن پیدا ہو جاتا ہے جو ہر آئینہ آزدواجی زندگی کے لئے بیش قیمت دولت ہے،

نئے شوہر کے حق میں بیوہ بیوی ہر طرح مفید ہے مثلاً بیوہ بیوی کے اندر تو تعمیر و رہنمائی کا

شوق باقی رہتا نہ کلب اوٹھنڈی سرک کی تفریح پر وہ مجبور کرتی ایسی بیوی کے اخلاق کا ایک ثرٹے شوہر پر بھی پڑتا ہے مثلاً اب وہ بھی پہلے کی طرح فضول خرچ نہیں رہ سکتا کہ بیوہ بیوی اس قسم کے معاملات میں سختی سے احتساب کرتی ہے اس میں عباداتی اعمال کا اضافہ ہوتا ہے اور ان سے شوہر صاحب بے نازی سے، نازی بن جاتے ہیں، اس قسم کی بیوی بہت ارزاں اور کم داموں میں ملتی ہے مثلاً اس سے شادی کرتے وقت جانکی بانی الہ آباد والی کے ناچ کا انتظام نہیں کرنا پڑتا، نہ میرا بابا داور خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی کے ہاں سے قوال بلائے جاتے، نہ اذن کے فیشن ایبل کارڈ اور لفافے تقسیم کرنا پڑتا، نہ ولیمہ میں ہاتھی اور اونٹ کا پلاؤ پکانا پڑتا نہ بڑا میں ٹھلچھڑیاں چھوڑنا پڑتا، بس چند کھانسی میں مبتلا بوڑھے جمع ہو جاتے ہیں اور بغیر باجے اور رنڈی کے بیوہ بیوی گھر آ جاتی ہے، اسی طرح بیوہ عورت کے عزیزوں کو اب اس کے جہیز میں نہ سات ولایتوں کے بنے ہوئے برتن دینا ہوتا نہ مہر کی ایک لاکھ تعداد پر جھگڑا کرنا پڑتا، نہ براتیوں کے لئے قنوج اور احمد حسین دلدرا حسین لکھنوی کے ہاں کا عطر درکار نہ سنہری ورق کے پان، بس ایک جوڑا بڈھے میاں کو اور ایک بیوہ عورت کو، اس قسم کی بیوی بے حد صلح پسند، نرم مزاج، اور خدمت گزار ہوتی ہے وہ دولت بھی جمع کرتی ہے اور بڈھے میاں کے اخلاق کی اصلاح بھی پس مبارک ہیں وہ خاندان جن کے اندر بیوہ عورت کی دوسری شادی ضروری سمجھی جاتی ہے جو ہر طرح خیر و برکت کا کام ہے کاش ہندوستان میں بیوہ عورتوں کی شادی قانوناً ضروری قرار دیدی جائے جس سے

ملک و قوم کی اخلاقی اور مالی زندگانی کی ترقی یقینی ہو سکے، اسی لئے وہ ماں بہنیں خدا اور رسول
 کے نزدیک بھی محبوب و عزیز ہیں جو بیوہ عورت کی دوسری شادی کو پسند کرتی ہیں، اور اسی
 لئے اسلامی شریعت میں بیوہ کی دوسری شادی کو مبارک اور محمود کہا گیا ہے،

کسان کی بیوی

آپ کے اور ہمارے دادامیاں مرحوم کے زمانہ میں تو کسان صرف اسی شخص کو کہتے تھے جو کھیتی باڑی کا کام کرتا تھا، اور اس کا مطلب بھی اتنا ہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ وہ آدمی ہے جو گیہوں، چناؤ چاول، اور ماش کی دال بوتا ہے اور بازار میں لاکر فروخت کر جاتا ہے، اس کے گھر جا کر پولیس کے سپاہی میاں اسے بارہ بجے رات کو بھی جوتا مار سکتے ہیں اور دن کے تیرہ بجے بھی، بالکل ہی حال چھ سو برس پہلے یورپ کے کسانوں کا تھا مگر یورپ میں تعلیم جتنی ترقی کرتی گئی اس شخص کی عزت اور توقیر میں اتنا ہی اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۱۹۱۷ء میں ملک روس میں بادشاہ کے خلاف وہاں کی رعایا نے تلوار اٹھا کر اور یس کم مع اُس کے خاندان کے کھڑے کر کے پھینک دیا، جس جاعت نے اُس کے بادشاہ صاحب کا قیمہ قیمہ کر کے رکھ دیا اس کو عام طور پر بالشویک کہتے ہیں جس میں روس کے ہر قوم اور قبیلے کے لوگ شریک ہیں۔ پس جب یہ بغاوت ختم ہو گئی اور بادشاہت پر قبضہ کر لیا گیا تو پتہ چلا کہ یہ باغی لوگ اصل میں روس کے کسان اور مزدور تھے جنہیں ایک شخص ایم لینن نے بھڑکا کر بادشاہ روس کے خلاف لڑایا، اور یہی وہ شخص تھا جس نے ایشیا میں کسان کی عزت بڑھائی

میں کافی سے زیادہ خدمات انجام دیں اور جب اُس کے ساتھ روسی کسانوں نے میدان جنگ میں خاصی جانثاری سے کام لیا تب کمپن جاکر ہم ہندوستانیوں کی آنکھیں کھلیں اور ہم نے سمجھا کہ اُنہوہ یہ کسان خالص صاحب بڑے مرتبے کے آدمی ہیں بس اُسی وقت سے ہندوستان کے بے دماغ اور نقالی لیڈروں نے بھی شور مچانا شروع کر دیا کہ اے غافل ہندوستانیو! اٹھو اور اپنے کسانوں کی قدر پہچانو حالانکہ اس سے پہلے ہی ہندوستان میں کسان موجود تھے مگر ان کے متعلق کبھی کبھار کوئی بات سُن لی جاتی تھی اور ایک ادھ دھ گاندھی صاحب نے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار فرمایا تھا،

بس اب جو یورپ والوں نے اپنے ہاں کے کسانوں کی اس طرح عزت کی تو ہندوستان میں اب نہ پوچھئے بس جو اُٹھتا ہے وہ کسان ہی کسان پکارتا نظر آتا ہے، یہاں تک کہ اب ہندوستان کے ایڈیٹر، مقرر، اور شاعروں تک نے کسان کی تعریف اور ہمدردی میں لکھنا اور کہنا شروع فرما دیا۔ لہذا ملازمین بھی کسان کی تعریف کرتے ہیں کہ

۱۔ کسان وہ جو شہر کی صاف اور سُتھری آبادی کو چھوڑ کر جنگل، پہاڑ، غار اور چیل میدانوں میں مع اپنے غاغان کے جا کر آباد ہوتا ہے، نرم گرم ہوا سرد گرم موسم کی تکلیفیں اُٹھاتا ہے خطرناک درندوں ڈاکوؤں اور خوفناک تنہائی کا مقابلہ کرتا ہے بے یار و مددگار زندگی بسر کرتا ہے، تھیں، سینا، دنگل، رام لیلہ، عید بقر عید، موٹر کار، بیل اور اُٹھان کی رات اور لطف سے محروم رہتا ہے۔ سپاہی، تھانیدار، تحصیل دار، اور کلکٹر صاحب کے جوتے اُٹھاتا ہے مگر ہزاروں قسم کی ترکاریاں اور غلہ تیار کر کے شہر کی آبادی کا گزارہ فراہم کرتا ہے

اب سوال یہ ہے کہ ایسے مظلوم انسان سے ہمیں ہمدردی کرنا چاہئے یا نہیں؟ تو
 ملا رموزی صاحب کا جواب یہ ہے کہ ہرگز نہیں اور یہ اس لئے کہ اگر کوئی شخص کسان
 بنکر اتنی مصیبتیں اٹھاتا ہے تو اس لئے نہیں کہ اُسے شہر کی آبادی کی بھوک پیاس کا بہت
 زیادہ خیال ہے اس لئے بے چارہ شہروالوں کی پرورش کے لئے اتنی مصیبتیں اٹھاتا ہے
 بلکہ یہ تمام مصیبتیں وہ محض اپنے نفع کے لئے اٹھاتا ہے یعنی کھیتی کی آمدنی اتنی زیادہ ہوتی ہے
 کہ ایک سال کی آمدنی سے وہ تین ڈپٹی کلکٹر کو تنخواہ دے سکتا ہے پھر بعض لوگ اس لئے
 کسان بن جاتے ہیں کہ وہ کسان ہی کے گھر پیدا ہوتے ہیں اس لئے قدر تا وہ اسی پیشہ کو اختیار
 کرتے ہیں اور انھیں شہر میں آکر آباد ہونے کی عادت ہی نہیں ہوتی لہذا جب ثابت ہے کہ کسان
 اپنی کھیتی قوم اور ملک کی امداد کے لئے نہیں کرتا بلکہ اپنے اور اپنے خاندان کی بھلائی کے
 کرتا ہے تو پھر ہمیں کیا ضرورت جو ہم اس کا احسان مانیں؟

مگر ہاں ایک بات ضرور ہے اور وہ یہ کہ اگر کسان لوگ تاؤ میں آکر کھیتی کا کام ہی چھوڑ دیں
 تو ہم لوگ بھوکے مرنا شروع ہو جائیں اور اتنے مریں کہ دفن ہونے کو جگہ بھی نہ ملے، دوسرے
 یہ کہ اگر کسانوں کی ہمتیں اور حوصلے کھیتی کی مشکلات سے پست ہو جائیں تو پھر ہمارا آپ کا
 مارتے فاقوں کے جو حال ہو وہ ظاہر ہے اس لئے اس جماعت کی اگر عزت کی جاسکتی ہے
 تو وہ صرف اس کی اولوالعزمی اور ہمت کی، یا پھر وہ از روئے قاعدہ انسانیت اس
 لئے ہمدردی کا مستحق ہے کہ وہ جتنی مصیبتیں برداشت کرتا ہے اتنا روپیہ اُسے نہیں
 ملتا، مثلاً زمین کا محصول ہی اتنا ادا کرتا ہے جتنا کہ اُس کا اور اُس کے بال بچوں کا

دل نہیں چاہتا، بیکار، رشوت، بیماریوں، اور شہر سے دوری کی اتنی اذیتیں برداشت کرتا ہے مگر روپیہ تنہا نہیں پاتا اور جس کے ولیمہ میں جاتا ہے سب سے آخر کی صف میں بٹھایا جاتا ہے، انگریز لوگوں کے منجملہ کے سامنے اگر کھڑا ہوا بھی نظر آجائے تو اتنے دھبہ رسید کئے جائیں کہ گھنٹہ ڈھنگ میں ہوش میں آئے، ہمارے آپ کے ہٹل میں اگر کھانا کھانے گھس آئے تو مارے رکابیوں کے دماغ درست کر دیا جائے اگر وہ علی گڑھ والوں کے برابر دوسروں کا سوٹ پہن لے تو مارے غنسی کے تمام دنیا اسے ذلیل کر کے چھوڑے، اگر وہ عینک لگا کر کسی جگہ کھڑا ہوا اخبار پانیز پڑھا ہو تو انگریزوں کی عورتیں اتنی تالیاں بچائیں کہ بے چارہ اخبار پھینک کر جھاگ جلے تو ان باتوں کی وجہ سے اس پر قدرتا ترس آتا ہے پھر یہ اس لئے بھی ہمدردی کرنا پڑتا ہے کہ اس کی کھیتی سے قوم لاکھوں قسم کی تجماعت کرتے ہیں اور کروڑوں روپیہ کاتے ہیں اگر وہ روٹی کی کھیتی ترک کر دے تو ہم آپ ننگ ڈھنگ پھرنے پر مجبور ہو جائیں اگر وہ چاول کی کھیتی ترک کر دے تو پلاؤ، بریان، اور مرغفر کو ترس جائیں،

حکومت کو اس کے ساتھ اس لئے ہمدردی ہوتی ہے کہ یہی سب سے زیادہ روپیہ حکومت کو دیتا ہے، لڑائی کے زمانہ میں یہ خود وردی ہیں کر سپاہی بن جاتا ہے تمام فوج کے لئے غلہ دیتا ہے، جانور دیتا ہے، گھانس اور لکڑی دیتا ہے، اور کبھی کبھی اپنے ہی کھیتوں کو توپ سے اڑا کر میدان جنگ بنا دیتا ہے مگر لڑنے سے منہ نہیں پھیرتا، اس کے کھیت میں سے اگر ریل کی سڑک نکالو تو یہ چپ ہو جاتا ہے اس کی گائے

سایہ دار عمارت تجویز نہیں کی گئی بلکہ گھانس کے چھتر تلے درخت کے نیچے تاریک غار میں کھلے میدان میں اور زندوں کے مُنہ میں غرض جہاں وقت آجائے یہ پیدا ہو جاتی ہے پھر اس کی پیدائش پر نہ سرکاری اخباروں میں کوئی اعلان ہوتا نہ غیر سرکاری اخباروں میں، نہ تقاریرے بجائے جاتے نہ شادیاں، اصول پرورش میں نہ حفظانِ صحت کا خیال نہ اصول تربیت کا انتظام، بد و طفلی میں نہ اس کے لئے پھکدار جھولے کا بندوبست، نہ نرم و نازک بستر کی ضرورت، نہ آرام دہ تکیے نہ پھول پھول کے کپڑے نصیب، بلکہ بچوں کی پرورش کے لئے افلاطون و سقراط و بقراط سے لیکر ڈاکٹر انصاری صاحب نے آج تک جتنے قواعد بنائے ہیں اُن میں سے ایک بھی اس کے استعمال میں نہ ہوتا، مگر یہ دستور کے سایہ ہی تلے چل کر یوں جوان ہو جاتی ہے کہ شاعر لوگ تک اس پر عاشق ہونے کے لئے دیہات میں چلے جاتے ہیں، تو پھر آپ کہیں گے کہ اس کی پرورش کے لئے قدرت کے قاعدوں کا استعمال ہوتا ہو گا تو یہ بھی صحیح نہیں بلکہ ان قدرتی قاعدوں کو اس طرح توڑا جاتا ہے کہ فطرت کا دل ہی کچھ خوب جانتا ہو گا، مثلاً اگر پرورش کے لئے فطرت کا یہ عام دستور ہے کہ بچے کو تمام خطرات سے محفوظ رکھا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ اسے بچپن میں گرمی کے شدید موسم میں میدان میں سٹلایا جاتا ہے مگر گرم ہوا کے اُغلو انزا پیدا کرنے والے جھونکے اس کا کچھ نہیں بگاڑتے، اماں اور تو اور اسے جھنڈل کے درندے رات کے وقت اپنے مُنہ میں دبا کر لے بھاگتے ہیں مگر جہاں اس کے کسان والد صاحب نے شور کیا کہ یہ درندہ اُسی جگہ ٹپک کر بھاگ جاتے ہیں اور یہ زندہ و سلامت رہ جاتی ہے مگر مرنے نہیں اور ڈرتی نہیں

پھر بچپن میں جسم کی نرمی اور نزاکت کے لئے جس درجہ نرم و نازک لباس کی ضرورت ہوتی ہے ظاہر ہے مگر اس کے جسم کے لئے نہ ریشمی بنیادیں ہوتیں نہ قیمتی اور فینسی موزے، نہ کارخانہ لال ملی کانپور کے بنے ہوئے گلوبند، نہ بنارس کی ساری بلکہ اس کی والدہ صاحبہ اسے پون سنگ دھڑنگ کھیت پر ڈال دیتی ہیں کہ دیکھئے اور حیران رہ جلیئے، پھر چند دن کی دھوئے اور کھیتوں کی سخت زمین سے اس کانگ دھڑنگ جسم ایک طرح کا پالش کیا ہوا، واٹر پروف بن جاتا ہے پھر اس پر گرم ہوا اثر کرتی نہ ٹھنڈی ہوا اور اسی لئے یہ بچپن میں کھیتے وقت جنگل کی کانٹوں والی جھاڑیوں میں یوں چھپ جاتی ہے جیسے ہمارے آپ کے بچے کو ٹھریوں اور کمروں میں چھپتے ہیں گویا جھاڑیوں کے تیز اور نوک دار کانٹے اس کے جسم کے اندر چھب جانے سے خود ڈرتے ہیں نہ اس کا عقیدہ شاندار ہوتا نہ بسم اللہ کی تقریب ہوتی ہے بس بڑی شان دکھائی تو یہ کہ پیدا ہونے سے دو چار دن بعد تک گاؤں کی چارچھ عورتوں نے اس کے پاس بے ٹکاسا گانا فرمایا اور بس، والد صاحب کو اگر اس پر کچھ بہت ہی زیادہ پیار ہوا تو انھوں نے چاندی، پتیل، یا تانبے کے سیریز ہر وزن کے کڑے چوڑیاں یا گلے کے طوق بنوا کر پنا دیے اور بس،

اسی طرح اس عورت کی جوانی شروع ہوتی ہے، اب جوان ہونے پر نہ اسے اسکول جانے کا غم نہ کلب کی نمبری کا شوق، نہ ٹھنڈی شرک کی تفریح کا خیال، نہ پیانو بجانے کا شوق، نہ ڈانس میں شرکت کا دھیان نہ پمپ جوتے کی یاد، نہ پاؤڈر کے ڈبے کی طالب نہ کشیدہ کاٹھن پیر پابند، نہ آداب گفتگو کی تابع نہ عباداتی امور کی تعلیم، نہ شوہر نہ حقوق کی باضابطہ تعلیم، نہ

امور خانہ داری کی کتاب پڑھے نہ وہ تربیتِ اولاد کے قواعد سیکھے نہ حسنِ عشق کے افسانے
 سے ہاتھ لگائے نہ اپنے ملازم کے ذریعہ کسی غیر شخص کو خطا و تصور پہنچے نہ کلانی پر نازک سی
 گھڑی باندھے، نہ ولایتی انگوٹھی پر وہ دم دے نہ بنارس کی ساری کے لئے بے چین، مگر جو اپنی
 کی اُمنگوں سے اس محسوسیت سے سرشار کہ ضبط و جفا کشتی قسم کھائے اور پاکدامنی نشانہ
 شعری حساب سے ایک حسنِ مستقل مگر باوقار اور جلالِ صدر رنگ مگر متین،
 کسانِ برادری میں شادی بیاہ کے لئے خاندان اور قومیت کی تحقیق و شخصِ ایک حد تک
 ضروری ہے لیکن حسنِ تربیت کے لئے کسانِ اکبر آبادی مروجہ کے اس مصرعِ پعل کرتیہ ہے کہ
 نہ حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام

اس کے پیام و پیغام کے لئے نہ رنگین خطوط کی ضرورت نہ چالاک مشاطہ کی حاجت ایک دو شے
 یا پڑوس کے کسان جہاں کسی چید تیرہ پر بیٹھ گئے کہ منگنی منظور، اکثر شادیاں بہت کم عمری کی ہوتی
 ہیں اور چارہ پانچ برس کی عمری میں کسان زادی دولہا میاں کے گھر غر بھر کے لئے تشریف لے
 آتی ہیں، اب خواہ وہ جھوٹی عمر میں آئے یا بڑی عمر میں مگر ڈھائی ماٹھ لمبا گھونگھٹ ضرور فرمائے
 رہتی ہیں اور موٹا موٹا زور بھی، ان کی برہات میں دیہات کے وہ ہاجے ہوتے ہیں جو کسی متمول چند
 بھائی کے جنازہ کے ساتھ ہوا کرتے ہیں، یراتوں کی تعداد شاید ہی کبھی پندرہ بیس سے زیادہ
 ہوتی ہو، البتہ برہات کی سب سے زیادہ رونق برہات کی وہ عورتیں ہوتی ہیں جو براتی مردوں کے
 پیچھے قطار قطار نہایت سستی کے ساتھ جھوم جھوم کر گاتی جاتی ہیں ان کے آس پاس اور کہیں پر
 کی گود میں یا ماؤں کی انگلی پکڑے ہوئے وہ تنگ دھڑنگ اور کالے کالے بچے بھی ہوتے ہیں

جن کے چکدار سیٹ ہمیشہ سینہ سے اونچے نظر آتے ہیں، براتیوں کے بیچ عجیب و غریب قسم کے لباس اور زیور کدے چھوے دولہامیاں ہمیشہ ایسے ٹیوٹر سوار ہوتے ہیں جو دنیا میں مہینے سوا مہینے کا اور زمان ہوتا ہے مگر اس چکدار طریقہ سے سوار ہوتے ہیں گویا سنا آنے والوں سے کہہ رہے ہیں کہ میں ہوں اس برات کا دولہا، براتیوں کے آگے پیچھے کتے بھی ہوتے ہیں جو راستے کے نئے کتوں کے خوف سے دُور کوٹا لگتے دباے ہوئے چلتے ہیں اور کہیں کہیں مالک کو برات چھوڑ کر اپنے کتے کو راستے کے حملہ آور کتوں سے بچانا پڑتا ہے، براتیوں میں چلتے چلتے فلم پینا ضروری چیز ہے اور بھابھ دھوبے سر میں شاید لمبے لمبے جھتے بھی ہمراہ ہوتے ہیں، غلامی کی بے کسی یہ کہ اگر راستے میں کسی ہندوستانی افسر کا موٹر بھی نظر آجائے تو پوری برات مع دولہا کے نالی ٹاس پانظر آتی ہے اور دولہا میاں تک جھک کر موٹر کو سلام عرض کرتے ہیں،

دولہا کو گھر پہنچ کر ضروری نہیں کہ براتیوں کو زرین شامیانے کے نیچے اور قیمتی قالینوں کے اوپر بٹھایا جائے بلکہ برات کے یہ تمام شرکا خود بخود یوں ہو جاتے ہیں کہ

حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے، بیٹھ گئے

اب نہ برقی روشنی درکار نہ قوالی کی فکر نہ وہ لکھنؤ کی ملکہ جان اور نہ آلمہ آباد کی بالائی کا گالہ نہ تو امن کے لئے لنڈن اور پیرس کے سکیورٹی اور سگڈرکار نہ برف اللہ منیڈ کی بوتلیں، بس ایک طرف ڈھائی سیرنگا کو اور ایک طرف اُپلوں کا دھواں دھارا لاؤ، اب اپنا اپنا ہاتھ اور اپنی اپنی فلم یا دولہن کی جانب کا ایک آدمہ تھ، اب جو اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب برات ہوئی تو تھوڑی

دیر بعد معزز و محترم براتی خود ہی اُٹھے اور ناچ فرمانے لگے ورنہ گانے سے توجہ کتنے ہی نہیں
 اُدھر گھر میں دو لہا اور دو لہن والیوں کے گانے کا وہ شور کہ محلے والوں کو سونا حرام اور کڑے
 بلانا محال، البتہ براتیوں کی ضیافت کا انتظام دُہن والوں کے لئے اس طرح ضروری تھا
 ہے کہ دُہن والوں کے ساتھ مل کر دو لہا والے خود ہی کھانا بھی پکائیں اور خود ہی خوش
 ہو کر تناول بھی فرمائیں، پھر عین اسی حالت میں اگر کسے تحصیلدار اور تھانیدار کی گاڑی چلائے
 کے لئے آدمی کی ضرورت ہو تو دُہن کا باوا بھی بیگار میں لیا جاسکتا ہے اور دو لہا کا بھائی
 بھی، اب نہ تحصیلدار کو بیگار میں لے جانے سے دریغ، نہ انہیں انکار کی مجال، البتہ رشوت
 دو تو برات میں رہو ورنہ چلو تحصیلدار صاحب کی گاڑی لے کر،

چند نہایت ہی سادہ رسموں کے بعد ”خصتی“ اس طرح کہ نہ دُہن کے ساتھ جہیز میں مسہروں
 پر مسہریاں ہیں، نہ زیورات کے صندوق پر صندوق، نہ کپڑوں کے جوڑوں پر جوڑے ہیں،
 نہ ڈوبی کیا تھ خادم و خادمہ، دُہن صاحب یا کسی سیل گاڑی کے اندر ورنہ دو لہا میاں کے
 ٹیوٹر پر لدی ہوئی، اور دو لہا میاں پیادے بنے ہوئے آگے گھر بھوپنچے تو ولیمہ کی بھی وہی
 ”دُستِ خود اور دہن خود“، والی ترکیب جو دلچسپ گھڑی یعنی براتی خود ہی پکائیں خود ہی کھائیں
 اور تھوڑی خود ہی گائیں اور جہاں سے آئے تھے تھے اب وہیں جائیں،
 لیجئے یہ ہو گئی پوری شادی کوئی سو سو سو روپیہ میں،

اب جو دُہن دو لہا میاں کے گھر آئیں تو اس طرح کہ چار پانچ دن تک وہ ذرا دُہن ہی بنی ہیں
 اور وہ پھر جو اُٹھیں تو آج اُنھوں نے مہر صاحب کے مُنہ دھونے کا لوٹا بھر کر رکھ دیا تو کل سا

صاحبہ کے پاؤں دبا دیئے، پرسوں نند کے ساتھ بیٹھ کر تھوڑے سے گیموں صاف کئے اور پرسوں سے شوہر صاحب کا ناشتہ تیار کرنے بیٹھ گئیں، اور وہ لیجے وہ شوہر کی ادا کے لئے ایک ہی ہفتہ میں کھیت پر کھڑی نظر آ رہی ہیں، یہ نہیں کہ طبقہ متوسط کی طرح شوہر کے گھر جائیں تو ایک مہینے تک تو گوشہ حجاب و ناز، ہی سے باہر نہیں آئیں، مُنہ دھلائے تو خادمہ اور کمرہ سے صحن تک جائیں تو نند یا ساس سہارا دے ورنہ بیٹھی ہوئی ہیں شرم و حجاب کا ڈھیر بنی ہوئی، نہ مارے حجاب کے زور سے بات کرتی ہیں نہ پوری آزادی سے مُسکراتی ہیں، مہینہ بھر کے بعد اگر آزاد ہوئیں تو صرف اس قدر کہ گھر میں اگر شوہر صاحب نہیں ہیں تو ساس یا نند سے ایک آدمہ بات کر لی ورنہ دوڑیں اور اپنے والدہ کے گھر آج ہیں کہ چاند دیکھنے والدہ کے گھر چلی جا رہی ہیں تو کل کسی عزیز کی سلامی اور مہمانی کے لئے اس طرح کوئی چھ مہینے میں وہ اس قابل ہوتی ہیں کہ شوہر کی چند خدمات آزادی سے انجام دیں سوہ بھی اُس وقت کہ شوہر خادمہ و خادمہ رکھنے کے قابل ہی نہ ہو ورنہ جب دُلسن تکبر آئی ہیں تو عمر بھر جھولا ہی جھولیں گی اور زیور پہنیں گی مگر پوری جفاکشی اور محنت سے کام نہ لگیں، چنانچہ خود ہمارے ننھے میاں کی والدہ نے شادی سے ڈیڑھ برس بعد کام کرتے ہوئے ایک مرتبہ سرد آہ کے ساتھ فرمایا تھا کہ جو کام ہم نے اپنے باپ کے راج میں نہ کئے تھے وہ شوہر کے راج میں کرنا پڑے لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ، مگر کسان کی دُلسن ہوگی کہ روز بروز شوہر کی محنت کے لئے آزاد و مستعد ہوتی جائیگی وہ ابتدا، میں صبح کو سب سے پہلے بیدار ہوگی اور سب سے پہلے وہ خود ہی چولہا روشن کرے گی، اور شوہر کے لئے ناشتہ تیار کر لیگی، پھر وہ شوہر کیلئے

پانی بھر کر رکھ دیگی مگر ایسی جگہ کہ جہاں شوہر خود ہی دیکھ لے کہ پانی یہ رکھا ہے، پھر وہ سنا اور سُسر کے لئے بھی اتنے ہی کام کرے گی اور قبل اس کے کہ شوہر یا ساس سُسر بیدار ہوں وہ تمام کاموں سے فافع ہو کر کسی گوشہ میں یوں بیٹھ جائیگی گویا اُس نے کچھ کیا ہی نہیں، البتہ چور نظروں سے دیکھتی رہے گی کہ شوہر نے ناشتہ کھا لیا یا نہیں اگر وہ ناشتہ سے فافع ہو گیا ہے تو ابھی جبااُسلانے نہ آئیگی مگر جیسے ہی کہ شوہر اُٹھا اور اُس نے آکر برتن اُٹھائے اور فوراً صاف کر کے قرینہ سے رکھ دیے، اور جو کہیں شہمت ہی سویرے کھیت پر چلا جاتا ہے تو یہ ناشتہ تیار کر کے کھیت پر جائیگی اور کھیت کے کنارے ناشتہ اور پانی کا برتن رکھ کر خود کسی کی اوٹ میں بیٹھ جائیگی اس لئے کہ ابھی وہ نئی دُہن ہے، شوہر کھانے سے فافع ہوا کہ اس نے برتن اُٹھائے اور گھر آگئی، پھر چند دن بعد وہ صبح اُٹھتے ہی پانچ گیسوں لیکر چلی چلائیگی، گراں سلیقہ اور حجاب سے کہ گھر والوں کو بھی خبر نہ ہو کہ دُہن چلی چلا رہی ہے، پھر وہ کبھی کبھی کھیت پر بھی جائیگی اور چند معمولی کام کر کے شوہر سے پہلے گھر لوٹ آئیگی اس لئے کہ ابھی وہ نئی دُہن ہے پھر وہ دس پندرہ دن بعد ہی سے کھیت پر زیادہ دیر تک کام کر گی اور ایک مہینہ کے بعد وہ شوہر کے تمام حالات اور کاموں سے واقف ہو کر اُس کی صحیح معنی کی رفیع زندگی بن جائیگی، اب ساس نند سُسر اور شوہر سے لیکر گھر کے ایک ایک فرد کی جگہ نشا وہ انجام دیگی گرنہ شرمائیگی اور نہ گھبرائیگی، اور نہ دُور دُڑ اپنی ماں کے گھر جائیگی، اب وہ چوبیس گھنٹے شوہر کے گھر خوش ہے اور اس اعتماد کے ساتھ اب اُس کا اصل گھر شوہر ہی کا گھر ہے، اور چھ مہینے کے بعد کسان کی بیوی کام کے لحاظ سے بجائے بیوی کے شوہر ہو جاتی ہے

اور ہر وہ کام کر گزرتی ہے جو اس کا شوہر کرتا تھا، اب اگر اُس کی کوئی تفریح ہے تو کھیت پر
 دبی آواز سے کوئی کسان غل گالینا، یا چکی چلاتے وقت ایک آدھ ٹھہری یاد ادرے کی تان
 اڑالینا وہ دن میں دس مرتبہ سنگھار میں مصروف رہتی ہے نہ ہفتہ کے ایک ہزار جوڑے
 ملتی ہے، نہ شوہر سے نئے زیور کی فرمائش ہے نہ عطر لونڈر کی درخواست، نہ مرغ مسلم
 اور نہ کباب اور مٹھائی کی طالب، اب تو وہ ہل بھی چلاتی ہے اور گاڑی بھی، بیلوں کو پانی بھی
 پلاتی ہے اور کھیت کی نگرانی بھی کرتی ہے، غرض ایک سال کے اندر ایسی وہ سب کچھ ہو جاتی ہے
 البتہ اب اگر اُسے کوئی چیز بہت زیادہ خوش کرنے والی ہے تو اُس کی اولاد۔

مگر یہ بھی اس طرح کہ اگر خدادے تو شکر و نہ اس کے لئے نہ کسی بزرگ سے دعا کی خواہش
 نہ کسی عامل کے تعویذ کی حاجت، نہ کسی مزار کے عرس میں جانا ضروری نہ کسی مسجد کا طاق
 بھرنا لازم، اسی طرح اگر خدا بیادے تو احسان اور بیٹی دے تو احسان، نہ اولاد نہ رینہ کی
 کسان کو فکر نہ اُن کی اُون، کچھ اگر اولاد میں اب قسمت ہی میں لکھی ہے تو اس کی تعداد
 ایک سے لیکر نو دس تک کسی طرح کم نہیں ہوتی، پھر پیدائش کے دن نہ تو پس سر کرنے کی ضرورت
 نہ نقارے اور شادیاں نہ بجانے کی تمنا، خاندان والوں نے اگر کوئی تعویذ کی، کی، ورنہ
 یہ ہر حال میں خوش، رچکے لئے نہ لندن کی بنی ہوئی دایا کی موجودگی درکار نہ دوا خانہ یونانی
 دہلی کی مقویات، کی تلاش، یہ ہمارے آپ کی طرح نہیں کہ ننھے میاں کی پیدائش سے تین
 ماہ قبل ہی سے عقیقہ کے لئے چاول بھی خریدے جا رہے ہیں اور گھی بھی، سسرال والے
 بھی جوڑے اور زیور تیار کر رہے ہیں اور میکہ والے بھی، ننھے میاں کے والا صاحب بھی

ہیں کہ عقیقے میں مارے غرور کے اکڑے پھر رہے ہیں اور بیوی صاحبہ کے غمزدانہ کاتو اندازہ ہی نہیں، گویا زچگی کیا ہوئی طاعون آگیا کہ اب مرخصی مارے نزاکت کے نہ ہوش میں آتی ہے نہ تین مہینے تک حرکت کر سکتی ہے قیمتی سے قیمتی دوائیں اور غذائیں ہیں کہ کھلائی جا رہی ہیں اور بھاری سے بھاری کپڑے ہیں کہ پہنائے جا رہے ہیں، شوہر صاحب کے ہاں لڑکا کیا پیدا ہوا کہ مارے خرچ اور قرض کے دیوالیہ ہو کر رہ گئے، بیوی صاحبہ ہیں کہ مارے نزاکت کے اب کسی کام میں حصہ ہی نہیں لے سکتی ہیں، آج سیٹ میں درد ہے تو کل سینہ میں، پھر سر میں ہے تو ایک دن کمر میں، نتیجہ یہ ہے کہ میسرے ہی مہینے سے دق کے آثار شروع ہوئے اور حکیموں اور ڈاکٹروں نے ساری جائداد پر قبضہ کر کے "نازک سی زچہ" کو قبر میں بھونچا دیا اور اولاد کسی خیم خانے میں داخل کرنی لگی، بخلاف اس کے کسان خدا کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا اور وہ تین دن کے بعد ہی سے پھر سر گرم عمل نظر آنے لگی، وہ اب روٹی بھی پکاتی ہے اور کھیت کا کام بھی کرتی ہے مگر اسے نزاکت اور بیاری کی بجائی آتی نہ کھانسی ستاتی،

ان کے ہاں بچے کی پرورش یوں ہوتی ہے کہ پانچ چھ دن بعد لیا اور ایک مضبوط سے کپڑے میں ڈال کر اپنی کمر سے باندھ لیا اور سر پر بوجھ اٹھا کر کھیت پر بھیجی گئیں اور گھر میں آگئیں اب جو بچہ اور بڑا ہوا تو ایک ٹوکری میں ڈالا اور کھیت پر لے گئیں اور جو بہت ہی رویا تو اسی ٹوکری کو کسی درخت پر لٹکا دیا اور کام کرتے کرتے ایک مرتبہ آئیں اور بڑے لاڈ پیار سے جھولا دیا اور یہ مصرع پڑھ دیا

سومورے بھیا،

سوموری بھیا،

اور جو بہت زیادہ پیار ہوا تو جھولے سے اٹھا کر دو دھپلا دیا اور اتنی دیر بچہ کو ہلا ہلا کر کچھ باتیں کہیں اور چند بار پیار اور پھر درخت پر لٹکا کر کھیت پر تشریف لے گئیں، اب اگر اس عرصہ میں اس بچے کے والد صاحب کو پیار آگیا تو وہ کھیت سے مارے محبت کے جھولے کے پاس آئیں گے اور ازراہ مرحمت کا شکرا نہ اُسے جھولا دیکر سار فرمائیں مگر ساتھ ہی علم بھی پتے جائیں گے جس وقت کسان صاحب اس بچے سے عشق فرما رہے ہوں گے اُس وقت اُن کی ”وہ“، بڑے فخر کے ساتھ کھیت میں کھڑی سسکا کر اپنے بچے کی طرف دیکھ رہی ہوں گی، اسی انداز سے یہ بچہ گھر میں کھلایا جاتا ہے، یہاں تک کہ چلی چلاتے وقت بھی بچہ والدہ صاحبہ کی گود میں پڑا رہتا ہے اور والدہ صاحبہ کے چلی چلانے کے تمام چکولے ہنتا رہتا ہے مگر ان زوردار چکولوں سے اُس کی گردن میں خم آتا نہ کہ میں درد ہوتا نہ پسلی نمبر ۳ خراب ہوتی نہ پسلی نمبر ۴ ٹوٹ جاتی، بڑا جوش ہوا تو ساس صاحبہ اسے لیکر چوتہ پر بیٹھ گئیں، اور آڑے ترچھے الفاظ اور جملے اس کی شان میں ارشاد فرما کر کھلاتی رہیں مگر یہ کبھی نہ ہوگا کہ اس بچے کے ہر وقت رونے چلانے سے اس کی ماں چولے اور چکی کے کام سے انکار کر دے، یا کسان صاحب اپنی بیوی کی نزاکت بڑھانے کیلئے کوئی خادمہ ملازم رکھ لیں، تھوڑے دن بعد بچہ پٹاؤں پر کھڑا ہونے لگا تو والدہ صاحبہ اس سے بے فکر ہو کر کھیت پر چلی جائیں گی

اور وہ روتا ہوا اور گرتا ہوا خود ہی کھیت پر چلا جائیگا کرو والدہ صاحبہ اب اُسے
 گود میں لیکر بھی کھیت پر نہ جائیں گی کہیں کہیں والدہ صاحبہ کی اس بے اعتنائی سے اتنے
 بڑے بچے گھر کے پاس والے کنویں میں گر کر مر بھی جاتے ہیں، اور والدین تعانے
 میں ریٹ لکھائے بغیر دو چار دن رو کر کھ کھیتی باڑی میں مصروف ہو جاتے ہیں مگر یہ بھی
 نہیں ہوتا کہ اکلوتے بچے کی یاد میں والدہ صاحبہ کو دق ہو جائے اور والد صاحب کو
 مایہ نوا،

دس بارہ برس کی عمر تک والدہ صاحبہ اس سچے کی یوں پرورش فرمائیں گی کہ نہ اُسے روزانہ
 خود غسل دیں گی نہ اُسے غسل کرنے کی ہدایت فرمائیں گی، البتہ بچہ خود ہی پاس والی
 ندی یا نہر میں نہالے تو یہ اُس کی مرضی مگر غسل کے بعد یہ نہیں ہو سکا کہ والدہ صاحبہ کپڑے
 بھی بدلوائیں اور اُس کا بدن بھی صاف کریں، اور اسی لئے کسانوں کے بچوں کے جسم
 گرد و غبار کے اثر سے ہر وقت اس طرح گندے نظر آتے ہیں گویا ان پر جاپان کا بنا ہوا
 ایسا پالش کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے صاف ہوا بھی ان کے جسم میں داخل نہیں ہو سکتی
 اور گرم ہوا بھی ان کے جسم سے شرمایا کر خود ہی الگ ہو جاتی ہے، اس عمر میں والدہ صاحبہ
 اگر بہت زیادہ محبت فرمائیں گی تو یہ کہ بچے کو کھدر اور گاڑھے کا ایک کُتر عطا فرمائیں گی اور
 ایک دھوئی بھی، مگر یہ دھوئی بجائے ٹخنوں سے اونچی نہونے کے ٹخنوں سے اونچی ہوگی اب
 اُن کی بلا سے اگر ننڈیاں برہنہ رہیں اور ان پر ہوا کا کوئی ذرا اثر ہو جائے، جوتا بُدھت
 کبھی ملتا ہے اور کبھی نہیں اور جو ملتا بھی ہے تو اُس کا وزن اتنا ہی ہوتا ہے کہ بچے کو چلنا بھی

مشکل اور بھگانا بھی محال، حجامت کا یہ حال گویا کسان کا بچہ تو کیلہ ہے اصحاب کہف میں سے ایک صاحب اس طرف نکل آئے ہیں، اور کچھ شک نہیں کہ کسان کے بچے کے سر کے بال اور ہاتھ پاؤں کے ناخن کی لمبائی اپنی اپنی جگہ برابر ہی ہوتی ہے، صبح کو اگر چہ رُند دھویا جاتا ہے مگر اس درجہ کمال کے ساتھ کہ بس اُن کی والدہ ہی پہچان سکتی ہیں کہ رُند دُھلایا بھی یا نہیں؟ کسان کا بچہ سات آٹھ برس کی عمر ہی سے تھہ اور تمباکو پیٹا یا کھانا شروع کر دیتا ہے جو محض خاندان کے جملہ ارکان کی تھہ نوش صحبت، کا اثر ہوتا ہے اسی لئے اس کی والدہ صاحبہ بھی اس عادت بد سے روکتی نہیں، تعلیم کا نہ گھر میں تذکرہ نہ باہر، بس اُس طرف کے کسی جبریہ مدرسہ کے انسپکٹر صاحب تعلیم ہی اس بچے کو وارانٹ کے ذریعہ مدرسہ میں بلا لیں تو اُن کی ”سرکاری مہربانی“ ورنہ اس کی والدہ کو اس کا بھی غم نہیں، دیہات کی صحت بخش آب و ہوا کا اثر کھئے یا افلاس کی نشانی کھئے کہ کسان کے اولاد بکثرت پیدا ہوتی ہے گویا کسان کی بیوی کو سرکاری حکم ہے کہ وہ ہر سال ایک بچہ کی ماں اگر رہتی ہے تو رہے ورنہ گاؤں خالی کر دے اسی لئے کسان کی بیوی کو ہر وقت بہ لحاظ تعداد یوں دیکھئے گا کہ ایک گود میں تو دوسرا کاندھے پر ایک اُوگلی بکڑے ہوئے تو دوسرا آگے روٹا ہوا چلا جا رہا ہے، یہ بیوی قدرۃً مزاج کی کھسیانی ہوتی ہے اسی لئے یہ اپنے مشریم بچے کو رسی سے باندھ کر کھیت پر چلی جاتی ہے، پھر وہ تنبیہ اور سزا کے وقت یا رسی سے کام لیتی ہے یا پھر جبار تو سے، پھر سزا دیتے وقت کسان اور ان کی صاحبہ جن فحش اور تباہ کن افلاک کو استعمال فرماتی ہیں اور فرماتے ہیں انھیں بچے کے اخلاق کے لئے وہ بُرا سمجھتے نہ بھڑ خیال فرماتی ہیں، دو برس کے بچے کو بیماری کی حالت میں کسان بیوی جس نزاکت اور قیامت

دو پلاتی ہے گویا کسی مُنہ زور گھوڑے کے مُنہ میں پوری قوت سے لٹام دی جا رہی ہے، رات کو سوتے وقت بچہ بیدار ہو کر صبح تک چیتا رہتا ہے مگر یہ نہ بیدار ہوگی نہ اُسے سنبھالے گی، نہ تھکے گی نہ دودھ پلائے گی اور جو کبھی بہت زیادہ مجبور ہو گئی تو بچے کو دودھ پلانے کی عوض اُس کے مُنہ میں دودھ ٹھونس دیگی اور بچے سے پہلے خود داخل ہو جائے گی پھر اُس کی بلا سے کہ اس بچے کو اُس کی بغل سے شیر اُٹھا کر لیائے یا چور،

یہ ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی طرح نہیں کہ ہر شام سے گود میں لے کر بیٹھتی ہیں تو عشاء کی نماز گزار دگر ننھے میاں کے رونے کو برداشت ہی نہیں فرما سکتی ہیں، مگر کسان کی بیوی نے جو دودھ کو بچے کے مُنہ میں ٹھونسنا تو پھر صبح کو بچہ ہی اسے چھوڑ دے تو اس کی

مہربانی ورنہ اسے تو اپنا سینہ چھپانے کا بھی ہوش نہیں اور اسی لئے وہ کبھی کبھی اپنے چوتھے پر برہنہ سینہ ایک مست ساندی کی طرح چت پڑی ہوئی نظر آتی ہے، اسے بھی پرواہ نہیں ہوتی کہ صبح کے وقت سوتے ہوئے اس کے بچے کی آنکھوں پر پکھیاں زیادہ جمع ہو گئی یا خود اس کی آنکھوں پر، اس کے ہاں کوئی ضابطہ اور قانون ایسا نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بچہ کو لٹو اور کھلوں کے واسطے پیسے یا روپیہ دے بس سال میں ایک آدمہ مرتبہ رام لیلا کے میلہ پر اگر کچھ غنائیت فرادیا تو احسان ورنہ نہ اس کے بچوں کو شکایت نہ خود اسے اس کا غم، البتہ وہ اپنے بچے کو خواہ وہ لڑکا ہو یا لڑکی زیور ضرور پہناتی ہے ایسا زیور جو لڑکے کو پہنایا جاتا ہے کڑے، انگوٹھی، گلے کا طوق، کنٹھا، یا ہمارے تلبے بعض لڑکے کو پاؤں میں بھی کڑے پہناتی ہیں، اور کانوں میں بالیاں جن کے مختلف نام ہوتے ہیں

گویا زیور کے حساب سے کسان کا لڑکا بھی لڑکی کہی جاسکتی ہے، تربیتِ اولاد کے مذکورہ بالا حالات سے گزر کر اب وہ جوں جوں بڑھی ہوئی جاتی ہے اُس کے مزاج میں سخت جھاکشی، اور بہادری کے جوصلے ترقی کرتے جاتے ہیں، مزاج میں ملنی، اور بھونچہ خاصی پیدا ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کے غصے اور تاؤ کے اظہار کے یوں تو بے شمار مواقع ہیں مگر جب یہ ساس شوہر اور سُسر سے لڑتی ہے اُس وقت یہ بغیر مار کھائے خاموش ہونا نہیں جانتی اور اگر محلّے والی سے اس کی جھڑپ جائے تو یہ مارے تاؤ کے ناچتی ہوئی اپنے چپوترے سے اُتر کر اُس کے چپوترے تک پر چڑھ جاتی ہے اس کے تاؤ کا یہی حال اس وقت ہوتا ہے جب یہ اپنے کھیت کے اندھ کسی شخص کو داخل ہوتا دیکھ لیتی ہے، بس اُس وقت اس کی آواز اور اس کی گالیوں کا وزن، مقدار، اقسام اور طریق استعمال کا اندازہ مردِ شامی والے ہی بتا سکتے ہیں، اس کی گالیوں میں غش کے ساتھ بد دعا، کے اجزاء، یا جراثیم زیادہ ہوتے ہیں، اور اس وقت کی آوازیں جو تسلسل ہوتا ہے وہ کھانسی چل جانے پر ہی ٹوٹے توٹے ورنہ یہ اپنی طرف سے کبھی دم نہیں لیتی اور جب تک آپ اس کی نظر سے اوجھل نہ ہو جائیں کیا مجال جو وہ چُپ ہو جائے۔

کھیت کے بعد وہ گھر میں بھی اتنی ہی تیز اور غضبناک رہتی ہے اور اکثر اوقات اس کے مقابل شوہر صاحب ہی کو دب جانا پڑتا ہے، گھر کی لڑائی اس سے زیادہ صاف اس سے زیادہ تیز اس سے زیادہ برہنہ اور اس سے زیادہ فیصلہ کن کوئی دوسری ہیوی نہیں لڑ سکتی اب اگر آپ اس کے مکان سے قریب والے مکان میں رہیں تو معلوم ہو جائے کہ وہ کسی

نہایت ہی معمولی بات پر شوہر سے ابھی یا شوہر اُس سے الجھا اور لڑائی کا آغاز ہوا، مگر ابھی آپ اس ابتداء کے اسباب ہی پر غور میں ڈوبے ہوں گے کہ وہ شوہر کے چانٹے، گھونسنے، لاتیں، ڈنڈے اور جو تے کھا کر فغان بھی ہو چکی ہوگی اور اس لاتیں کھا کر بندہ نیا لڑائی کی علامت یہ ہوگی کہ اب اُس کی گالیوں کی غیر مسلسل آواز آسمان کے برابر اونچی ہو جائیگی اور بجائے گالیوں کے وہ نہایت لاجواب کچن آؤدی کے ساتھ رونا شروع کر دیگی اور اس رونے میں جگہ جگہ ٹھہرنا بھی پڑتا ہے اور پھر اُسی لمبندی سے رونا شروع ہو جاتا ہے اس کے رونے کی آواز میں باقاعدہ سُراور زیر و بم کا پیدا ہونا علامت ہے اس بات کی کہ یہ کسان کی بیوی رو رہی ہے مثلاً وہ رونے کی آواز کے شروع میں چند واقعات کو بیان کرتی ہے اور آخر میں بہت زور سے رو کر بطریق ردین و قافیہ وہ ایک ”پوئے“ کی آواز پر تان توڑتی ہے پھر یہی نہیں بلکہ اس کا مار کھا کر رونا اس کا بچھڑے ہوئے رشتہ داروں سے مل کر رونا، اور اس کا کسی مردے کو یاد کر کے رونا تقریباً یکساں ہوتا ہے، یعنی جس لے اور تان کے ساتھ وہ شوہر کے گھونسنے کھا کر روتی ہے اُسی لے اور تان کے ساتھ وہ وطن سے آئے ہوئے عزیزوں سے مل کر روتی ہے پھر عزیزوں سے روتے کے لئے اس کی ضرورت نہیں کہ وہ گھر میں مل کر روئے بلکہ اگر اُس کے عزیز راج رام لیلہ کے کسی بیٹے بھاری مجمع اور بانار میں مل جائیں تو بیچ سڑک پر بھوم کر اُسی رفتار سے چلا کر روتی ہے جس رفتار سے وہ اپنے گھر میں رو سکتی ہے، البتہ مار پیٹ اور زد و کوب کے اس سلسلہ میں اُس کے مزاج اور اخلاق میں ایک قابلِ قیاس بات یہ ہے کہ وہ شوہر کے سوچنے کھا کر بھی نہ اُس کے

گھر سے بھاگتی نہ میکہ میں جا کر ہمیشہ کے لئے رہ جاتی نہ محلّے والیوں سے شکایت کرتی اور نہ ملا
کی درخواست دیتی خدا کرے یہ عادت ہر شریف بیوی میں پیدا ہو جائے، مگر اُس کے شوہر
میں یہ عادت پیدا نہ ہو، اور اسی لئے وہ شروع رات میں جوتے کھاتی ہے اور صبح کے وقت
چکی چلاتی ہے اور غزلیں گاتی ہے کیونکہ دہلی کے مشہور شاعر حضرت غالب نے کہا ہی بونج ہے کہ
۵ رات کو خوب سی پی صبح کو توبہ کر لی،

تو کسان کی بیوی اس مصرع کو یوں استعمال کرتی ہے کہ

۵ رات کو خوب پی صبح کو توبہ کر لی،

لہذا صلح شد اسی طرح اس کا شوہر اسے خوب خوب ٹھونک کر یا مار کر بھی گھر سے بھاگ نہیں
جاتا اور نہ وہ اس کے برابر شوق کرتا ہے بس اگر بالکل ہی مضبوط نہ ہو تو گھر سے باہر والے
چبوترے پر آکر غموں میں ڈھکے رہتا ہے اور بھوک کی شدت کے وقت بغیر کسی کے منائے خود ہی جا کر
کھانا تناول فرالیتا ہے، کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ شوہر صاحب مار کر بھی بیٹھ ہی تھے کہ یکایک

پھراٹھے اور مارنا شروع فرمادیا، اب کسانوں کے قانون میں بیوی کو مارنے کے لئے یہ قید

نہیں کہ وہ بیوی کو مارتے وقت اُس کی صحت، اُس کے جسم، اُس کی عمر اور اُس کی خُلا

کا اندازہ بھی کر لے یا وہ بیوی کو صرف چلنے ہی سے مارے بلکہ ہر کسان آزاد ہے کہ اپنی بیوی

کو جس وقت، جس جگہ جس طرح، اور جتنا چاہے مارے کوئی جرم نہیں اور اسی لئے کسان کی

بیوی کو بھی یہ حق ہے کہ اگر ہو سکے تو مار کھاتے وقت وہ بھی شوہر کو مارے جس کی شکایت صلح

کے بعد شوہر کو بھی نہیں ہوتی (اُسے کہتے ہیں عورت کے حقوق کی آزادی) چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ

کالہاس بیوی کو مارنے وقت تارتا رہا کہ وہ جانتا ہے، اسی طرح مار فیکے لئے چلنے
 دت، گھونسے، جوتے، پھڑپی، اور قمچی کے بعد کسان کو حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو
 رستی، لٹھی اور چلانے کی کسی موٹی سی لکڑی سے بھی مارے اور اس کی ہرگز پروا نہ
 کرے کہ اس لٹھ سے بیوی کا سر کتنی جگہ سے پر اٹھا ہو کر رہ جائیگا؟ پھر کسان شوہر کیلئے
 یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنی بیوی کو مارنے کے لئے اسکول کے لڑکوں کی طرح باضابطہ
 مرقابنا کر کھڑا کرے یا اُسے کسی مہری پر باندھ دے یا اُس کے صرف سیدھے گال پر چاٹنا
 رسید کرے پھر اگر وہ بایاں کمال خود ہی آگے کر دے تو مارے ورنہ ان سلٹ سے ڈرے
 اور مار ختم کر دے، بلکہ اُسے حق حاصل ہے کہ جب وہ مارنے چلا ہے تو اسکول کے اُن لڑکوں
 سے کہیں سوا مارے جنہیں آج کل صرف ایک بید رسید کر دینے پر ماسٹر صاحب اُستاد
 ہو کر بھی بغیر پیش کے اسکول سے عمر بھر کے لئے نکال دیے جاتے ہیں کہ کسی قاعدہ وضع
 کیا ہے آج کل کے ماہرین تعلیم نے استادوں کی قدر و عزت افزائی کا دور دورہ
 لہذا کسان کو حق ہے کہ وہ بیوی کے گال پر چاٹنا بھی مارے اور جوتا بھی، پھر چلے تو اسے
 رستی سے باندھ کر لٹکا دے یا چوتھرے پر سے نیچے دے مارے، یا وہ بھاگتی پھرے اور
 یہ کوٹتا رہے، یا وہ گر پڑے اور یہ برابر رسید کرتا رہے، اس حالت کو ذکر کرنے کے لئے
 یہ ضروری نہیں کہ گھر کے یا پردس کے دوسرے لوگ اُسے شوہر سے بچالیں بلکہ سب کے
 لئے غمخشی ہی بہتر جوتی ہے اور جو کوئی اس نہ گھائے سے بہت ہی زیادہ بے تاب ہو جائے
 تو وہ اس طرح پچاتا ہے کہ دور ہی سے کسان سے کہتا رہتا ہے یا کہتی رہتی ہے۔

بس بس اب جانے دے،

ارے اب نہ کریگی،

دیکھ وہ مرنے چلے،

اچھا تو پھر گلا ہی گھونٹ دے نا اُس کا،

اس مار پیٹ کے بعد یہ کبھی نہ ہوگا کہ ہمارے آپ کے ہاں کی طرح بیوی کے والدین

اور بھائی صاحب فوراً دوڑے اور ہمیں آپ کو اگر درست کر دیا یا اپنی بیٹی کو گھر لے گئے

اور دوسرے دن عدالت میں طلاق یا روٹی کپڑے کا دعویٰ دائر کر کے لڑکی کو گھر

بھر کے لئے شوہر سے علیحدہ کر لیا،

امور خانہ داری میں یہ بیوی کسی جگہ بھی شوہر کی محتاج نہیں ہوتی، سودا سلفت بھی خود ہی لاتی

ہے اور گھر کا پانی بھی خود ہی بھرتی ہے، وہ خود ہی جلانے کی لکڑی پھاڑتی ہے اور خود ہی

مکان کی مرمت کرتی ہے، اب یہ سوال کہ کھانا وہ خود زیادہ کھاتی ہے یا اُس کا شوہر؟

سو اس کا جواب اس کی صحت پر موقوف ہے، البتہ تحقیق سے بالکل ثابت ہے اکثر مرد

پر شوہر سے زیادہ بیوی کھاتی ہے، لباس اور زیور کو وہ شاید سال میں ایک دو مرتبہ ہی

دیکھتی ہے یعنی کسی تہوار یا شادی کے موقع پر، اُس کے مزاج میں نہ فضولی ہوتی نہ

فضول خچی اور یہ شاید اس لئے کہ اُس کا ماحول ہی نہایت محدود ہوتا ہے، وہ قدر و قیمت

جمع کرنے کی عادی ہوتی ہے اور حد سے سوا سادہ اور موٹی غذا کھانے والی، وہ چاندی

اور سونے وغیرہ کو زمین میں دفن کر کے محفوظ رکھنے سے خوش ہوتی ہے مگر خرچ کرنے سے

گھبراتی ہے۔ اسی لئے چوروں اور ڈاکوؤں کو اس کے ہاں ڈاکے ڈالتے وقت دولت برآ
 بڑی حدت سے کام لینا پڑتا ہے اور جب تک چور اس کے سینہ پر ہندوق نہ کھٹکے
 بہرگز تسلیں بتاتی کہ روپیہ اور زیور کس جگہ دفن ہے، شوہر کی حد سے گنہ گری ہوئی خانہ
 وفادار، اور عزت کرنے والی، عزت اور برادری کے ضوابط کی حفاظت میں اس درجہ
 مضبوط کہ دوسری بیویاں جواب سے عاجز، دلیری، شجاعت، ہمت، حوصلے، اور عمل کا
 نمونہ اور یہ خاص کا اثر ہے کہ کہیں کہیں یہ ناؤ میں آکر شوہر تک کو کلہاڑی یا زہر سے
 ہلاک کر دیتی ہے جیسا کہ سنہ ۱۹۳۷ء کے آخر میں صوبہ پنجاب میں اس قسم کے واقعات وقوع
 پذیر ہوئے صورت کی نہایت بھونڈی، گندی، سیاہ فام، دُبی تپلی زیادہ مگر موٹی تا
 کم، اس سے زیادہ دانشور، تعلیم کے نام اللہ کا نام،



مزدور کی بیوی

ہندوستان میں جاہلوں کی تعداد ۹۵۵ فیصدی بتائی جاتی ہے، لہذا اس حساب
 یہ اندازہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ پھر اس ملک میں مزدور کتنے ہوں گے تو کہاں ہوں گے
 کیونکہ مزدور کا پیشہ اختیار کرنا اُس وقت ضروری ہو جاتا ہے جب انسان میں علم و ہنر نہ ہو،
 اب سوال صرف یہ ہے کہ ہندوستان میں مزدور کی تعریف کیا ہے اس لئے اگر ہریانہ مزدور
 کی تعریف کے لئے یورپ کے مزدور اسی تعریف کی جائے تو غلط ہے کیونکہ یورپ اور
 ہندوستان کے مزدور میں زمین آسمان کا فرق ہے، لہذا بہترین تعریف یہ ہے کہ جو
 ہندوستان کے کارخانوں، دکانوں، مکانات، کانوں، مہیا خانوں، باغوں، کھیتوں،
 اور بازاروں میں، اس طرح کام کرتے ہیں کہ اپنی محنت کا معاوضہ روزانہ وصول کرتے ہیں
 یا ہفتہ وار وہ ہوئے مزدور تو یہ تعریف اس لئے کمزور رہیگی کہ بعض کارخانوں میں مزدور
 کا معاوضہ ”ماہوار“ دیا جاتا ہے اور جب مزدور کا معاوضہ ماہوار ملتا ہے تو پھر دفاتر کے
 تمام ملازم بھی مزدور ہوئے اس لئے کہ انھیں بھی ماہوار معاوضہ تنخواہ کے نام سے ملتا ہے،
 البتہ ملازم سرکار کا معاوضہ مزدور سے کچھ زیادہ بارونق اور شاندار ہوتا ہے البتہ سرکاری
 ملازم کے لئے چند رعایتیں ایسی ہیں جو عام مزدوروں کو حاصل نہیں، مثلاً ملازم سرکار کو

رعایتی رخصت، علالت کی رخصت، وضع تنخواہ سے رخصت، لینے کا حق خاص ہے مگر مزدور چاہے بُخارا، کھانسی، مایچولیا، مرق، جنون، اور انفلو انزا ہی میں مبتلا کیوں نہ ہو اُسے ان رخصتوں میں سے ایک رخصت ہی نہیں ملتی، اسی طرح اگر ملازم سرکار کو اُس کی نوکری پر کوئی شخص چاہتا، گھونٹہ، دھپ، لٹھ، اور جوتا مار دے تو اسے سرکار کی توہین کہتے ہیں اور مارنے والے پر سرکار کی جانب سے مقدمہ چلا کر اُسے جیل خانے بھیجا جاتا ہے لیکن عام مزدور کو آپ جہاں تو اُس کی بیوی کے سونے جوتے رسید کریں آپ چاہیں تو اُسے چوک بازار میں گالیاں دیں اور گھونٹے عطا فرمائیں لیکن اس کے لئے بجائے مقدمہ چلانے کے ہر قسم کا دیکھنے والا یہ کہیگا کہ

اور مارے بھائی صاحب،

واقعی بڑا ہی بد معاش ہے،

وہ میرا مکان جب اس نے بنایا تھا تو ایسی ہی تختیں مجھ سے کرتا تھا،

اور کام کرنا تو اسے آتا ہی نہیں،

ابھی بڑے بہانے کرتا ہے، آپ تو لیجائیے اسے تھانے میں، ابھی سیدھا ہو جائیگا،

ابے جانا کیوں نہیں ہے بھائی صاحب کے ساتھ؟

تو کیا وہ تیری مزدوری نہ دیں گے بد معاش؟

دیکھا برا بر ہے کہ زبان چلا رہا ہے،

بس آپ تو دو چار جوتے رسید کیجئے،

یہی حال اس کے معاوضہ کا ہے جس کے لئے نہ کوئی قانون ہے نہ ضابطہ نہ اصول اور
نہ معیار جس پر کچھ آپ نے مزدور نے طے کر لیا وہی معاوضہ ہو گیا،

ہندوستان میں بڑی عرف و نجات لوہار، کھار، دھن، جلا ہے، تھام، دھوبی، اور معاریک ”مزدور“
کے اور سمجھے جاتے ہیں، حالانکہ یہ لوگ صنایع اور سرپرستہ ہوتے ہیں اور عام یا جاہل محض مزدور
کے مقابل ان کی عزت زیادہ ہونا چاہئے مگر ایسا جو نہیں ہے تو اس کا سبب خواص اور سرپرستہ

حضرات کا ”اقتدار پسند“ ہونا یا جاہل ہونا ہے، کیونکہ خواص میں جس تعلیم کا حصہ ہے یا جن لوگوں کو
تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے اصولاً وہ تعلیم یافتہ سمجھے جانے کے قابل نہیں ہیں مگر اس کو کیا کہئے کہ
ایک ایسا عالم تو خاطر میں نہیں لایا جاتا جس نے عربی زبان میں تمام عقلی و علمی علوم کی تحصیل و تکمیل

کی ہو، لیکن ایسوں کو تعلیم یافتہ کہا جاتا ہے جو بی، اے، یا ایم، اے پاس ہوں، اس لئے اب
کثرت ہے ایسے ہی عالموں کی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں ”مزدور“ کی تعریف ہی اب تک مقرر نہیں ہو سکی
البتہ اب پچھلے پچیس سال سے یہاں کے انگریزی پڑھے ہوئے لوگوں نے یورپ کے مزدوروں
کے حالات پڑھ کر ہندوستانی مزدور کی اصلاح، ترقی، تعلیم، اور بہتری کے لئے کوشش

شروع کی ہے، اُدھر حکومت ہند نے بھی ہندوستانیوں کی بیداری کے اندازہ پر ان کے
ساتھ کچھ مراعات خاص کی ہیں، چنانچہ آج کل ہندوستان میں بھی ”مزدور کا فرائض“ ”مزدور کا
مزدور رہنا“ اور مزدور اخبارات، پیدا ہوئے ہیں چنانچہ راقم الحروف نے شہر ممبئی کے

دو اخبار دیکھے ہیں جن میں سے ایک کا نام ”مزدور“ اور دوسرے کا نام ”مزدور“ ہے
تھانہ دونوں اخبار اردو زبان میں جاری ہوئے تھے اور عام مزدوروں کی اصلاح و ترقی

کے حامی تھے، صوبہ پنجاب سے بھی اس مقصد کے لئے چار پانچ اخبار اور رسالے جاری ہوئے جن میں سے ایک پرچہ بنام کرتی، بابت ماہ اگست ۱۹۲۶ء اس وقت راقم الحروف کے سامنے ہے، اس ماہوار رسالہ کا مقصد بھی کسانوں کی حمایت و ترقی، اصلاح و بیداری اور ان کے لئے مالکوں اور سرمایہ داروں سے حقوق طلبی ہے، سرمایہ دار بھی یورپی ادبیات سے ترجمہ کیا گیا ہے اور یورپ کے اخباروں اور کتابوں ہی سے اڑایا گیا ہے خصوصاً اس لفظ کا اصل مصدر ٹانگ روس ہے جہاں ۱۹۱۷ء میں کسانوں اور مزدوروں کو فوج میں بھرتی کر کے ایک کارآزمودہ جماعت نے بادشاہ روس اور اُس کے پورے خاندان کو قتل کر کے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا اس فاتح جماعت کے عموماً بالشویک کہا جاتا ہے اور اسی نے اس خیال کو عام کیا کہ دنیا میں سب کچھ مزدور کا حق ہے اور وہ لوگ قابلِ سزا ہیں جو مزدور کی محنت سے کافی سے زیادہ دولت جمع کر کے دنیا کا لطف اٹھاتے ہیں اور انہی لوگوں کو سرمایہ دار، کہا جاتا ہے مگر تھوڑے ہی دن بعد سرمایہ دار اور مزدور، سیاسی مطالبے کو ادا کرنے کے لئے استعمال ہونے لگا یعنی دنیا کے تمام بادشاہ، وزراء، اور حکام، سرمایہ دار قرار دیے گئے اور عام آبادی کو مزدور کے معنی میں مخاطب کیا جانے لگا اور سرمایہ دار کے خلاف نہایت خونریز اور نفرت انگیز خیالات کی اشاعت ہونے لگی، چنانچہ راقم الحروف نے جس رسالہ کرتی کا اوپر تذکرہ کیا ہے اُس کے صفحہ نمبر ۶ جلد نمبر ۱ پر ہندوستانی مزدوروں کو، ترقی کرنے کے لئے ذیل کے الفاظ میں مخاطب کیا گیا ہے

”روس میں مزدور حاکم ہیں انگلستان جیسے گئے گزرے سرمایہ دار ملک
 ”میں بھی مزدوروں نے پچھلے دنوں اپنی طاقت قائم کر لی ہے جرمنی
 ”فرانس، آسٹریا میں مزدور فرقہ دن بدن زوروں پر ہے، امید
 ہے کہ آئندہ بیس سال میں کوئی ایک ملک بھی مزدور فرقہ کی حکومت
 سے محروم نہ رہے گا،

” پھر یہ بھی کیوں ہو کہ آخر جو لوگ دولت پیدا کرتے ہیں دولت کا ^{لہ}
 ” انتظام بھی انہی کے ہاتھوں میں ہونا چاہئے یعنی مزدوروں کے ہاتھ میں“

اسی مزدور سے ہمدردی کے لئے شمالی ہندوستان کے سب سے بڑے اور مسلمانان
 ہند کے سب سے بلند مرتبہ شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال نے کہا ہے کہ
 خواجہ ازغونِ رگِ مزدور سازِ دِاعِلِ ناب
 از جھانے دہِ خدایانِ کشتِ دہقانِ خراب
 ” انقلاب “

انقلاب اے انقلاب، ^{لہ}

لیکن افسوس اس امر پر ہے کہ ہندوستان میں اصلاح و رہنمائی کے فرائض وہ لوگ انجام دے
 رہے ہیں جو عمر، تجربے، اور تعلیم کے لحاظ سے ابھی خود محتاجِ اصلاح و ہدایت ہیں،

لہ ملاحظہ ہو رسالہ سمرقانی امرتسر پنجاب بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء،

لہ ملاحظہ ہو کتاب ”زبورِ عجم“ صفحہ نمبر ۳۴ مطبوعہ مقبول عام پریس لاہور،

یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی باشندے اصل ترقی سے دور ہیں چنانچہ ہندوستانی مزدوروں کی صحیح ترقی اور اصل تربیت میں بھی ان مصلحین ہی کی نااہلیت رکاوٹ بنی ہوئی ہے، چنانچہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے ہندوستان میں اول تو مزدوروں کی تحلیف اور اس کی ترقی و اصلاح کا خیال ہی سرے سے یورپ والوں کی نقل ہے پھر ہندوستان کے مزدوروں کی اصلاح کے لئے علمی حیثیت سے بھی یورپ والوں نے بہت زیادہ کام لیا، مثلاً ہندوستان میں مزدوروں کی تنظیم و اصلاح کے لئے انگلستان کے بعض ذی اثر اور قابل ترین اشخاص ہندوستان آئے اور انھوں نے یہاں آکر ہندوستانی باشندوں کو مزدوروں کی اصلاح و تنظیم کے لئے آگاہی کی، ایسے غیر ہندوستانی لوگوں میں انگلستان کی پارلیمنٹ کے ممبر کرنل ویجود خاص ہیں جنہوں نے ۱۹۱۷ء میں کل ہندوستان کا دورہ کر کے مزدوروں کی اصلاح و ترقی پر بے شمار تقریریں کیں، ان کے بعد انگلستان کے مشہور حامی مزدور مسٹر اسپور میں جو ہندوستان کی نمائندہ جماعت آل انڈیا نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۹۲۹ء میں شریک ہوئے، پھر انگلستان کی پارلیمنٹ کے ہندوستانی ممبر مسٹر سیکلات والا باشندہ ممبئی ہیں جنہوں نے ہندوستانی مزدوروں کی ہمدردی اور اصلاح کے لئے کل ہندوستان کا دورہ کیا۔

مگر ہندوستانی مصلحین کی جس کمزوری کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے اُس نے یہ بھی نہ سمجھنے دیا کہ غیر ہندوستانی اشخاص کی ہندوستانی مزدوروں سے ہمدردی کا اظہار اُن کی کسی سیاسی اور تجارتی خود غرضی پر تو مبنی نہیں ہے؟ حالانکہ واقعی یہی ہے کہ جو لوگ انگلستان

یافرانس اور جرمنی کے باشندے ہو کر ہندوستانی مزدوروں سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اُس میں اودن کی نہایت گہری تجارتی خود غرضی موجود ہے، یا پھر وہ غیر ملکی لوگ ہندوستانی مزدوروں سے ہمدردی کرتے ہیں جو ان کے ذریعہ ہندوستان میں لگنیر کے خلاف کام لینا چاہتے ہیں غیر ملکی انشیاں کی تجارتی خود غرضی یہ ہے کہ ہندوستانی مزدور کو زیادہ کار آمد بنا کر اُس سے زیادہ کام لیا جائے اور بس اور ان تمام تدابیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستانی مصلحین کی نظر اصل کام سے دور جا پڑی اور مزدوروں کی اصل کمزوری اپنی جگہ پر موجود رہی، مثلاً مصلحین نے جو کوشش سب سے پہلے شروع کی وہ مزدوروں کی دماغی یعنی تعلیمی ترقی، معاشرتی اصلاح اور اخلاقی تربیت نہ تھی جو اصل اور بنیادی ضرورت ہے انسان کی ترقی اور بیداری کی، بلکہ بغیر دماغی اصلاح کے بہ یک وقت مزدوروں کی اُجرت میں اضافے کی تحریک کو اس درجہ اہم ضروری اور فوری قرار دیا کہ بے علم اور غیر تربیت یافتہ مزدور بھڑک اُٹھے نتیجہ یہ ہوا کہ ممبئی، پونا، احمد آباد، گجرات، اور مدلس میں مزدوروں اور مالکوں کے درمیان نہایت رعب و خروش تصادم اور قتل ہوا اور بے شمار مزدور ہلاک اور قتل یا سزا یا بھروسے،

یہی طریقہ ریلوے کمپنیوں اور کارخانوں میں اختیار کیا گیا اور صحت اُجرت میں اضافے اور دوسرے مطالبات پر مہینوں ہڑتالیں جاری رکھ کر بے شمار مزدوروں کو روزی سے محتاج کر دیا گیا، قتل و غارت گری کے ہولناک نقصانات برداشت کئے گئے، چنانچہ سال ۱۹۱۳ء میں جی، آئی، پی ریلوے کمپنی کے مزدوروں نے جو ہڑتال کی اس میں سب سے

بھاری نقصانات مزدوروں ہی کو برداشت کرنا پڑے اور ایسے نقصان رسیدہ مزدوروں کی ایک بھاری جماعت خود اقامہ الحروف کی نظر میں آج بھی موجود ہے جو بھوک پیاس اور بے روزگاری کے عذاب میں مبتلا ہے مگر اب مصلحین اُن کی اعانت سے بالکل محذور ہیں پنجاب اور شمالی ہند کے مصلحین نے مزدوروں سے ایک دم وہ کام لینا چاہا جو یورپ کے تعلیم یافتہ مزدور برسوں کی تعلیم و تربیت کے بعد کر رہے ہیں، چنانچہ ان حضرات نے مزدوروں کی کانفرنس منعقد کیں، انجمنیں بنائیں، ان کے مطالبات وضع کئے اور ضوابط کی ترتیب کی مگر حصول مقاصد میں لغزش کی یعنی مطالبات کے حصول کا وہ طریقہ اختیار کیا جو سیاسی مطالبات کا ہوا کرتا ہے نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد مصلحین بغاوت اور امن عامہ کی برہمی کے الزام میں ہمیشہ کے لئے بے روزگار کر دیے گئے اور اُس طرف کے مزدوران اعلیٰ دماغ کو گونگی ہدایات سے محروم ہو گئے حالانکہ وہ اصولی چیز جس نے یورپ کے مزدور کو آج بام حکمرانی تک پہنچا دیا تعلیم اور صرف تعلیم ہے اُس کے بعد جماعتی تنظیم اگرچہ ہندوستانی مصلحین بھی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہیں اور ایسے حضرات ضرور موجود ہیں جو ہندوستانی مزدوروں کو ہنگامہ آرائی سے محفوظ رکھ کر ٹھوس اور دماغی اصلاح کی طرف لے جانا چاہتے ہیں، مگر اس تحریک کی سلامتی میں ہندوستان کی تحریک حصول آزادی بہت زیادہ اثر انداز ہے چنانچہ حصول آزادی ہند کی تحریک چونکہ وطنی اور قومی ہے اور اخبارات رسائل، اور تقریروں کے ذریعہ اس تحریک کو دوسری تمام تحریکات سے زیادہ مقدس اور ضروری قرار دیدیا گیا ہے اس لئے دماغوں میں جوش اور بکرائی حالت موجود ہے نتیجہ یہ ہے کہ ہر دوسری تحریک کے ارکان ادنیٰ جوش پر اپنے اصول و مقاصد سے بہت کفر و اغیر متعلق اثرات کو قبول

کہہ لیتے ہیں اور اسی جذبے کے تحت مزدوروں کی بے شمار تحریکات نے بہ یک لمحہ سیاسی رنگ قبول کر لیا حالانکہ اصولاً مزدور تحریک کو سیاسی نہ ہونا چاہئے تھا مگر ماحول کے اثرات بالآخر غالب آئے اور دوسو برس کے غلام مزدوروں نے یورپ کے آزاد اور تعلیم یافتہ مزدوروں کی طرح ہنگامے، ہڑتالیں، مقاطعہ عمل، اور لٹھ بازی سے کام لینا شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت کی جانب سے ان لوگوں کی ہنگامہ آرائی کے انسداد کے لئے جو طاقتور تدابیر اختیار کی گئیں ان کے خوف نے متعدد لوگوں کو مزدوروں کی ہمدردی سے علحدہ کر دیا اور اسی لئے اس کتاب کے وقت یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ ہندوستان کا مزدور کسی حیثیت سے بھی قابل اعتبار و اعتناء ہوا یا نہیں،

اس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستانی مزدور کی ترقی داغی سر بلندی اور عملی حیثیت مستقبل میں ترقی پذیر سی مگر موجودہ حالت میں ہندوستان کا مزدور جہل، بوجہ فحری، ذلت، خواری، تنگدستی و بد حالی، بے کسی و محتاجی میں ساری دنیا کے مزدور پیشہ لوگوں سے آگے ہے حالانکہ یورپ کے مزدوروں کی ترقی کا یہ عالم ہے کہ اس مضمون کے لکھتے وقت یعنی ۱۹۳۷ء میں حکومت انگلستان کی حکمران جماعت خالص مزدور ارکان پر مشتمل ہے جس کے صدر عظیم مسٹر ریچرڈ میکڈونلڈ ہیں، لہذا ہندوستان کے مزدور کی اسی سستی اور بد حالی کے لحاظ سے اس کی زندگی کا نقشہ ملاحظہ کیجئے،

عام طور پر ہندوستانی مزدور اپنی فلاکت زدہ زندگی کے باعث فوراً پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ مزدور ہے، اس کا جسم نہایت لاغر نہایت بد نما، بداد اور بھونڈا ہوتا ہے وہ اصول حفظان صحت کے سیر

ناواقف ہوتا ہے، اُس کا لباس نہایت کم بلکہ بعض کی لنگوٹی کے لئے بھی پورا کپڑا نصیب نہیں ہوتا اس لئے بے شمار مزدور تنگ دھڑنگ ہی نظر آتے ہیں، یہ لوگ کسی قابل اعتبار برادری قبیلے یا قوم سے متعلق نہیں ہوتے بلکہ ہر تنگ دست اور افلاس زدہ ہندوستانی مزدوری کا پیشہ اختیار کر لیتا ہے اور مزدور بچا رہتا ہے، ان کی تعداد کا کوئی یقینی اندازہ مرتب نہیں بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کو اگر چار حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو تین حصہ مزدور ہوں گے اور صرف ایک حصہ غیر مزدوری پیشہ باشندوں کا ملے گا،

ہندوستانی مزدور صرف ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ وہ اپنی روزی کے لئے لٹکا ہوا ہے نکل کر عراق، افریقہ، چین، روس، اور یورپ کے ہر حصہ میں پہنچ چکا ہے، خصوصاً افریقہ اور عراق میں وہ بکثرت موجود ہے بعض ممالک میں حکومت انگریزی نے اپنے مقاصد کیلئے اسے بھیجا ہے جس کے متعلق شکایت ہے کہ بڑی تکلیف کے ساتھ بھیجا گیا ہے، ہندوستانی مزدور نے افریقہ میں خصوصیت سے بے حد مصائب برداشت کئے ہیں جن کی تفصیلات اخبارات ہند میں موجود ہیں،

ہندوستان میں ہندوستانی مزدوروں کی جس طرح کوئی نسل کوئی قوم اور کوئی برادری نہیں اسی طرح اُن کے لئے کوئی خاص خطہ کوئی خاص شہر یا علاقہ بھی نہیں بلکہ وہ ہر شہر ہر قصبے اور ہر گاؤں میں نہایت آسانی سے مل سکتا ہے جمالیہ محض کے اثر سے یہ طبقہ نہایت سخت اور جاہلانہ رسوم کے ہاتھوں ہلاک ہے اس کے رہنے کا مکان ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اُسے مکان کہا جائے بلکہ ان کی زیادہ تعداد ہمیشہ خانہ بدوش رہتی ہے، جس شہر میں یا جس علاقہ

میں مزدوری ملتی ہے وہاں یہ مزدور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جا کر آباد ہو جاتا ہے اور مزدوری ختم ہونے پر پھر وہاں سے تلاشِ معاش کی فکر لے کر دوسرے شہر کا راستہ اختیار کرتا ہے اس پر بھی تنگدستی اور افلاس کا یہ حال ہے کہ اگر ہندوستان کی کل ریلوے کمپنیوں سے پورے اعداد شمار طلب کر کے دیکھے جائیں تو تقریباً پچیس ہزار مزدور ہوں جو کل ہندوستان میں مزدوری کی تلاش میں روزانہ ریلوے اسٹیشنوں پر بے ٹکٹ سفر کرتے ہوئے گرفتار ہوتے ہیں، اس گرفتاری کا جرمِ ادا نہ کرنے کی بے کسی کے باعث ٹکٹ کلکٹروں اور ریلوے پولیس والوں کے طابچے اور جوتے کھا کر بے قید بگھتے چھوڑ لے جاتے ہیں یہی حال ان کی رہائش کا ہے، مثلاً یہ صحیح معنی کے مکانات میں نہیں رہتے اور یہ اس لئے کہ ہندوستان میں جس طرح مزدوری کے لئے کوئی نظام و نظامہ نہیں اُسی طرح کسی ایک شہر میں ہر لمحہ مزدوری کا ملنا بھی یقینی نہیں اس لئے ہندوستان کے مزدور کا عمر تلاشِ معاش میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں جانا ضروری ہے اور اس صورت میں کسی مزدور کا پختہ مکان تعمیر کرنا گویا اپنے لاوارث مال سے حکومت کی امداد کرنا ہے، پس عام طور پر ہندوستان کا مزدور کھلے میدانوں یا درختوں کے سایہ میں پورے خاندان کے ساتھ آباد نظر آتا ہے، اور اگر زیادہ دن قیام کی امید ہو گئی تو گھانس اور لکڑی کا ایک تاریک سا جھونپڑا بنالیتا ہے اور اس کی اس بے بسی کی حد یہ ہے کہ خود حکومت یا ارکانِ حکومت یا سرمایہ داروں کے نزدیک بھی ہندوستانی مزدور مکانوں میں رہنے کا مستحق ہی نہیں سمجھا گیا، اسی لئے جن سرمایہ داروں کی طرف سے مزدوروں کے رہائش کا انتظام کیا جاتا ہے اُس

میں ان کے لئے نیم بچتہ مکانات کا بھی انتظام نہیں ہوتا، بلکہ یہ لوگ بھی ان کے لئے گھاس کے ویسے ہی جھونپڑے تیار کراتے ہیں جن کے اندر ہندوستانی مزدور اپنی مالی محتاجی کے باعث رہنے پر مجبور ہوا کرتے ہیں اگر یقین نہ ہو تو ہندوستانی ریلوں میں سفر کر کے دیکھ لو، آپ کو ریلوے کے کنارے جگہ جگہ بے شمار جھونپڑے نظر آئیں گے، جو ریلوے کسٹدیوں کے ٹھیکہ داروں اور اجارہ داروں کی طرف سے اپنے مزدوروں کی رہائش کے لئے بنوائے گئے ہوں گے، یہی حال ان کی رسوم و عادات اور عام زندگی کی تہری اور خرابی کا ہے کہ نہ ان میں کفایت شعاری کے معنی سمجھے جاتے نہ دولت جمع کرنے کے اصول رائج نہ مذہبی مسائل کا علم نہ اولاد کی تربیت کا وجود، اس لئے ایسے مزدور کے ہاں جو بیوی پیدا ہوتی ہے وہ عام حالات کی نسبت سے ہندوستانی کسان کی بیوی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے مثلاً یا اگر کھلے میدانوں، کانوں، جنگلوں، غرض جہاں دو گز زمیں مل گئی وہیں پیدا ہو جاتی ہے اور پیدائش کے وقت لیکر چار پانچ برس کی خدا جانے کس طرح ہو جاتی ہے، اس لئے کہ پیدائش کے دن بھی اس کے ماں باپ کے ہاں اتنی ہی دولت ہوتی ہے کہ وہ صبح و شام خشک روٹی کھا سکیں اس لئے اب اس کی زچہ ماں کے لئے وہ بادام، اخروٹ، چلغوزہ اور مقویات اور مشروباتِ لطیفہ کون لائے اور کہاں سے لائے، پیدائش کا مقام نہ شہر نہ قصبہ بلکہ ویران میدان کا کارخانہ، یا جنگل نہ جہاں منتظم آبادی نہ محلے دار اور نہ پڑوسی، پھر ان کی پیدائش کی اطلاع ہو تو کسے اور ان کی پیدائش کا اعلان کرے تو کون، اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ والد صاحب قبلہ ہوتے ہیں اپنی تہذیبی پر اور بیوی صاحبہ کسی تہائی میں پچھڑے مارتی ہیں اور خود ہی ہوش میں آ جاتی ہیں شوہر صاحب

بھی تشریف لا کر جب اپنے آس پاس میدان ہی میدان پاتے ہیں اور جیب خالی تو بیوی کے پاس مٹھی کر آیا آگ روشن کر دیتے ہیں یا زچہ کے لئے روٹی پکانا شروع کر دیتے ہیں، بڑا سہارا اگر ملا تو یہ کہ پاس والے مزدوروں کی دو چار عورتیں ”نسوانی ہمدردی“ کے اثر سے محنت کو، انہیں تو وہ بھی اس طرح کہ اگر ”مزدوری“ سے فرصت ہو تو، ”ورنہ یہ عورتیں بھی اپنی مزدوری پر اور زچہ صاحبہ بچہ تنہا کی تنہا، اب اگر بچے کو سنبھالیں تو خود زچہ صاحبہ اور خود کو ہوش میں لایں تو خود زچہ صاحبہ، چنانچہ خود راقم الحروف نے مزدوروں کی ایسی بے شمار زچہ عورتیں دیکھی ہیں جن کی گود میں چاہے دن کا بچہ ہے اور وہ مزدوری میں مصروف ہیں، ضعف کا یہ عالم کہ حرکت کرنا محال مگر بھوک اور تنگ دستی کا یہ تقاضا کہ مزدوری کرو، بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہندوستان کے امیروں، رئیسوں، اور ذی قدرت لوگوں کی حماقت اور ستم آفریں بے خبری ان نصیبوں کے لئے یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ ایسے نازک اور دل ہلا دینے والے واقعات کو سن کر یہ لوگ نہایت آسانی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ ”اُوھ فکر ہی کیا ہے“

اگر مزدور کی بیوی زچہ بن کر مزدوری کرتی ہے تو اللہ نے اُس کے خواص اور عادات بھی ویسی ہی بنادی ہیں، حالانکہ یہ کیمر غلط ہے کہ مزدور کی بیوی کے خواص رئیس کی بیوی کے خواص سے مختلف اور الگ ہوا کرتے ہیں، کاشکہ کوئی دولت مند اپنی بیوی کو مزدور کی بیوی بنا کر امتحان کرے تب پتہ چلے کہ مزدور کی بیوی ہو جانے سے انسانیت کے عام اور طبعی خواص بدل نہیں سکتے، الغرض پیدائش کے بعد مزدور کی بیوی اپنے نوزائید کو زرق برق کپڑے نہیں پہنا سکتی، بلکہ اپنے ہی استعمال کے بڑے کپڑوں کو پھاڑ کر اس لاڈلے بچے کو اس کے

چیتھڑوں میں لپیٹ کر یا لپٹا کر گود میں لیتی ہے اور چار دن کے بعد ہی وہ اپنی تمام کمالیعت کے ساتھ مزدوری کے لئے اس طرح نکل جاتی ہے کہ یہ ننھا سا بچہ اُس کی ٹوکری میں ہوتا ہے جسے وہ ہوا کے گرم و سرد جھونکوں، دھوپ اور سایہ کی بے اعتدالی، اور چرند و پرند کے رحم پر چھوڑ کر مزدوری میں مصروف ہو جاتی ہے، اب جس طرح اس کے ہاں کی پیدائش کا کوئی اعلان نہیں ہوتا اُسی طرح اب اُس کے ہاں عقیدے کی تقریب ہے نہ غسل زچگی کا اہتمام نہ خوشی کے شادیانے ہیں نہ مسرت کے نقارے، نہ کوئی دوست مبارک باد کے لئے نہ کوئی عورت جوڑ لاتی، نہ مہماؤں میں سسرالی رشتہ دار ہیں نہ میکے والوں کا پتہ، نہ بچے کے لئے پھول پھول کے کپڑے ہیں، نہ جرمینی کے بنے ہوئے کھلونے، یہی وجہ ہے کہ مزدور کی بیوی کے پاس یا اُس کے ساتھ جب دیکھئے ایسے ننگ و عریں بچے نظر آئیں گویا کسی جھوٹ کی بیوی نے اپنے خوفناک بچے مزدورنی کے ساتھ کر دیے ہیں، پس ایسے ہی عجیب و غریب حالات کے ساتھ جب مزدورنی کی لڑکی یا لڑکا مبلغ پانچ برس کا ہوا تو اب نہ اُس کی تعلیم کے لئے کوئی بے، اسے پاس استاد ہے نہ خدمت کے لئے، اما صاحبہ بلکہ اُلٹی مصیبت یہ ہے کہ پانچ برس کا بچہ اپنی روزی اب خود کمائے چنانچہ مزدور کی اولاد کے اسی نقشہ سے متاثر ہو کر ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر حضرت جوش ملیح آبادی نے یہ نظم کہی ہے،

اک دوشیزہ سڑک پر دھوپ میں ہے بیتقرۃ
چوٹیاں بختی ہیں کنکر کوٹنے میں بار بار،
نازنینوں کا یہ عالم بادِ ہند آہ آہ،
کس کی چالوں نے یہ کر دی ہے تری لختہ

چوڑیوں کے ساز میں یہ درد کیسا ہے بھرا،
 کیوں ترا گلزارِ دردِ بخ کا نمونہ ہو گیا
 کہسنی سوئی ہوئی ہے دیدہ نمناک میں
 سر برہنہ کیوں ہے؟ وہ پھولوں کی چادر کیا ہوئی
 روئے زیبا اور نقابِ فسوسِ جلتی خاک کی
 تیری آنکھوں سے ٹپکتا تھا کبھی عشرتِ کارس
 آہ اے افلاس کے مارے ہوئے ہندستان
 ہیں برستا تھا کبھی اسے ہند تیری خاک پر
 دستِ نازک اور تھر مچھوڑنے کی واسطے
 ہمہ آخِرِ جہل و نکبت کی حکومتِ ناکجا
 جس کو قدرت نے بنایا ہو خاک کے واسطے
 بیکیوں کے واسطے طوق و سلاسلِ تابکے
 جن کو فطرت نے تراشا ہو تبسم کے لئے
 اس کلائی میں تو کنگنِ گلگنا نا چاہئے
 ان حالات کے ساتھ یہ جوان ہوتی ہے مگر اس عالم میں پھونچ کر اُس کے اندر صرف ایک چیز
 نئی نظر آتی ہے اور وہ اُس کا طبعی حجاب اور فطری شوخی باقی سب طرحِ خیریت و خیرِ عافیت،
 نہ جوان ہو کر اُس کے لباس میں بھر مک پیدا ہوتی نہ زیور میں اضافہ ہوتا، نہ مزاج کی شوخی

اور آزادی اعتدال کی حد سے سوا ہوتی اور اُننگ اور ترنگ سے وہ بدست ہوتی،
 البتہ فقر و فاقہ کشی اور محنت مزدوری کی ٹھکن سے اُس کے چہرے پر جُزنِ ملال کے عوض
 ایک با اثر مصیبت اور بے چارگی نمایاں نظر آتی ہے، وہ بٹھے پڑنے چٹھڑوں سے اپنے
 جسم کو یوں چھپاتی رہتی ہے گویا وہ غیر آدمی کی نظروں سے کوسوں دور رہنا چاہتی ہے
 مگر غربت اور تنگدستی کی مصیبت اُسے لوگوں کی نظر میں لاتی ہے اُسے جوانی میں اگر تفریح
 کی سوجھتی بھی ہے تو بس اتنی کہ وہ رات کے وقت اپنی سبجلیوں اور سہیلیوں کے
 ساتھ مل کر گالیتی ہے مگر وہ بھی اُس وقت اور اس طرح کہ جب اُسے یقین آجائے کہ اُس
 کے گانے سے اُس کا باپ یا اُس کی ماں ناراض نہ ہوگی، اس کے بعد یا تو اُس کی شادی
 کم عمری ہی میں ہو جاتی ہے اور نہیں تو اب اُس کی شادی کا وقت آجاتا ہے، اب اگر
 شادی کی تفصیلات کو تلاش کیجئے تو گمان ہوتا ہے کہ مزدور زادی کی شادی کا ہونا
 نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے یعنی اس کی شادی کے لئے یہ ضروری نہیں کہ لڑکی اپنے وطن
 اور گھر میں ہو، بلکہ اگر مزدوروں کا قافلہ مزدوری کے لئے کسی ویران میدان اور دور
 دراز شہر یا قصبے میں ٹھہرا ہوا ہے تو اُسی جگہ شادی کا ہو جانا ضروری ہے اور اگر گھر پر ہے
 تو شادی کا ہو جانا ضروری ہے، مگر اکثر شادیاں بیرونِ شہر اور مزدوری کے مستقر
 ہی پر ہوتی دیکھی گئی ہیں، اور وہ بھی اس قیامت کی بے سرو سامانی کے ساتھ کہ اگر
 ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی کسی لڑکی کی اس بے سرو سامانی بکلی شادی کر دی جائے
 تو ہمارے ننھے میاں کی والدہ مارے غم کے یقیناً زہر کھا کر جاؤں گی، چنانچہ مزدور زادی

کی شادی کے پیغام کے لئے نہ کسی شاطہ اور درمیانی عورت کی حاجت ہے نہ کسی پیغام بردار کی ضرورت ہے، نہ نگین لہافے نہ تار اور ٹیلیفون، بس جس قافلہ میں وہ پیدا ہو کر شادی کے قابل ہوئی ہے اُسی قافلہ کے کسی لڑکے کے ساتھ بیاہ دی جائیگی، اسی طرح نہ اس لڑکے کے لئے بی اے، پاس ہونے کی شرط ہے نہ جوان صالح ہونا ضروری بس یہ سمجھئے کہ لڑکا ”ہو خواہ کسی رنگ و رخ اور کسی ڈیل و ڈول کا ہو، یہی حال مزدور کے صاحبزادہ۔ مزاجی اور دماغی حالات کا ہو گا کہ اُسے بھی اس بات کی پروا نہ ہوگی کہ ہونے والی بیوی علی گڑھ کی پڑھی ہوئی ہو یا انجمن حمایت الاسلام لاہور کی، یا وہ مزدوری کے ساتھ ساتھ شیر وانی سینا بھی جانتی ہو اور قمیص بھی، یا وہ صورت کی لیلے ہو یا مجنوں، یا شیریں ہو یا فریاد، یا گھر روز رینہ ہو یا ملکہ مہرنگار یا انجمن آرا بگیم، غرض مزدور کے لڑکے کی انتہائی خوشی کے لئے صرف یہ خبر کافی ہوگی کہ ”اب اُس کی شادی ہو رہی ہے“ اور وہ اسی خیال سے مست نظر آئیگا کہ اب اُس کی شادی ہو رہی ہے،

کچھ شک نہیں کہ مزدور کی شادی اگر کسی شہر میں واقع ہو جائے تو دم دم دھام اور شادی کے لحاظ سے بعض اوقات یہ شادی ملا رموزی کی شاندار شادی کے برابر ہو جاتی ہے مگر ایسا بہت کم ہوتا ہے، مگر یہ زیادہ ہوتا ہے کہ شہر کا نہایت ذلیل باجہ بجاتے ہوئے چند مزدور صاحبان لڑکی کے گھر تشریف لے آتے ہیں، اور دولہامیاں آج بھی جو خلعتِ فاخرہ ”زیب زتن“ فراتے ہیں وہ کسی طرح ہمارے آپ کے ہاں کے ملازم امیر امیرا کے روزمرہ لباس سے زیادہ صاف اور شاندار نہیں ہوتا، البتہ یہ جوڑا نیا

مزدور ہوتا ہے، آتے ہی کسانوں کی طرح کسی میدان یا سڑک کے کنارے مقیم ہوئے، اور چند معمولی رسوم کے بعد ہی سُن لیجئے کہ نکاح بھی ہو چکا اور وداع بھی، لڑکی کی والدہ صاحبہ نے چند سینکڑہنہ نایت باضابطہ آواز سے کچھ رونا دیا چند عورتوں نے خدا کے واسطے کچھ گانا گایا کہ لڑکی ہمیشہ کے لئے رخصت، نہ ولیمہ کا ہنگامہ، نہ جہیز اور مہر پر جمع کردہ مزدور کی لڑکی اور مزدور کا لڑکا قصہ تمام جہیزیں لڑکی کو پیش، تسنبے، اور ایک آدھ چاندی کا زیور دیدیا گیا، جس کی تعداد ایک سے دس تک بس ہے، برتنوں میں دیرٹھ دگچی، ایک آدھ طباق، تھالی، طشت اور چوٹے کے اوزار اہم ہتھیار عروت دست پہناہ ضرور دیا جائیگا، اور ٹوکری کا ہونا بھی ضروری ہے، باراتیوں کی تواضع کے لئے اگر دو لہا کی طرف سے بہت ہی زیادہ فیاضی اور تحلف سے کام لیا گیا تو شراب پینے کا انتظام کر دیا گیا، اب جو دو لہا کے ہاں باراتیوں کو شراب مل گئی تو وہ کہاں جاتے ہیں بغیر گانا گائے اور کب بیٹھتے ہیں بغیر ناچ کے چپن سے، پس مزدوروں کی بارات آپ کے محلے میں جم جائے تو سمجھ لیجئے کہ اب ملے نایگ گانے کے خود باراتیں کو نیز بدی حرام ایسے موقع پر باراتیوں کا جوش، ولولہ، مستی، اور بے خودی صرف پوس والے تو روک سکتے ہیں ہم آپ نہیں، زیادہ پُر لطف ناچ دو لہامیاں کے پچاس برس کے والد صاحب کا ہوا کرتا ہے، جو اسے نشے اور بیٹے کی مسرت کے کچھ بہت ہی زیادہ بہک جاتے ہیں، اور جوان سے بھی زیادہ امیر اور دولت مند ہوئے تو ولیمہ کی تقریب بھی کی جاتی ہے جس میں دو لہا کے والد صاحب سے لیکر دو لہا تک خاندان اور

بھٹیاریے بنے نظر آتے ہیں، بہت بڑھا قسم کا کھانا چاول، جوتے میں تھیں اس درجہ گندگی کے ساتھ پکایا جاتا ہے کہ اگر ایک لقمہ بھی برطانیہ کے وزیر اعظم صاحب نوش فرمالیں تو مارے استقرارغ کے ہندوستان سے لیکر لندن تک بھاگتے پھریں مگر طبیعت میں سکون پیدا نہ ہو، مزدوروں کا ہندو طبقہ بجائے برتنوں کے دھتوں کے پتوں پر کھانا رکھ کر کھاتا ہے جس سے اُس کی ذہنی ذلت اور خواری کا پتہ چلتا ہے، پھر کھانا کھانے کے لئے بھی کسی شامیلے اور بہترین مکان کی ضرورت نہیں بلکہ کھلا میدان، سڑک کا کنارہ اور گھر کا چبوترہ کافی ہوتا ہے اور ان تمام مقامات میں فرش کی کہیں بھی ضرورت نہیں ہوتی بس خدا کی زمین اور مزدور کا فرش، شادی میں شرکت کی عزت کو بڑھانے والی سب سے بڑی علامت یہ ہوگی کہ ہر باراتی کے کپڑوں پر ہلدی کے پیلے رنگ کے نشانات موجود ہوں گے جنھیں بڑے فخر کے ساتھ باقی رکھا جاتا ہے، کچھ شک نہیں کہ مزدور کی شادی مصارف کے لحاظ سے دوسرے تمام طبقات کی شادیوں کے مصارف سے کم تر مصارف کی شادی ہوتی ہے پھر بھی رسم بد کے تحت مزدور کو ”بمادری“ کا کھانا کھلانا، اتنا ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اُسے اس موقع پر قرضدار ہونا پڑتا ہے، لطیف یہ ہے کہ دلہن کی طرح دو لہا میاں بھی موٹا موٹا زیور پہنتے ہیں، مگر مزدور دو لہا کے زیور پہننے پر مذاق اڑانے سے پہلے ہندوستان کے تعلیم یافتہ لوگوں کو اپنے ہاں کے والیاں ملک کا مذاق اڑانا چاہئے جو یورپ ایسے سنجیدہ اور شائستہ ملک میں بھی مرد ہو کر قیمتی زیورات پہنتے ہیں اور نہیں شرماتے اور اس حاکم کو اپنی رُسیا نہ خصوصیت

قرار دیکر اپنے حماقت بھرے دل میں خوش ہوتے ہیں یہی حال موجودہ زمانے کے ہندوستانی طلبہ کا ہے جو عورتوں کی طرح چکھدار انگوٹھیاں، گھڑیاں، اور سونے کے توڑے زیور کی طرح استعمال کرتے ہیں اور اسے اپنی فیشن کا بالکل نہیں سمجھتے ہیں،

غرض جو اب مزدوری کی بیوی شوہر کے گھر آئی تو زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ دلسن کے انداز میں سرخ رنگ کے کپڑے پہنے نظر آجائیگی مگر ایک ہفتہ کے بعد اب اُس کے لئے گھر میں رہنا معیوب ہے اور اسی لئے وہ شوہر کے ساتھ مزدوری کے لئے ٹوکری لئے مزدوری میں مصروف نظر آئیگی، لیکن اسی ابتدائی زمانہ میں اُس کے مزاج میں ایک خاص بات نظر آئیگی اور وہ شوہر کے لئے حد سے سوا مستعد، وفادار اور اُس کا ادب کرنے والی، پچانچہ وہ شوہر کے ساتھ دن بھر کی مزدوری کی تھکا دینے والی محنت سے واپس ہوتے ہی اپنے جھونپڑے کو صاف کر دے گی، اور انتہائی تیزی اور مستعدی سے کھانا تیار کرے گی، مزدوری کی بیوی کے لئے اُس کے شوہر سے زیادہ قابلِ عزت اُس کی ساس ہوتی ہے لہذا جس بیوی کی ساس موجود ہے وہ ہرگز اب شوہر کے ساتھ مزدوری کے لئے نہ جائیگی بلکہ ہر جگہ اور ہر کام میں آگے ساس ہوگی اور پیچھے ہو، لیکن گھر میں بڑے بڑے کاموں میں وہ ساس کو شریک نہ ہونے دے گی بلکہ اُس کی ہدایت کے موافق خود تمام کام پورا کرے گی، وہ جھونپڑے میں رہے یا کسی درخت کے سایہ میں مگر قرضی ملک میں وہ رہے گی کچھ حد سے سوا احاف رکھیگی، اگر کسی بڑے شہر میں گزر ہوگی یا کبھی دلسن پل جو ش حد سے سوا ہوگی تو وہ ساس یا شوہر کے ساتھ بازار جا کر آٹھ دس آنے کی نئی چوڑیاں پہن لے گی، ایک ڈیرہ کنگھی خرید لائیگی اور بس، اس سے سوانہ اُسے آئینہ کا شوق نہ ہوگا۔

کی مالا کاربان، بس یوں سمجھ لیجے گویا وہ دنیا میں صرف مزدوری اور شوہر کی خدمت کے لئے بھیجی گئی ہے نہ اُسے مراد آباد کا پاندان درکار نہ اُگا لدان کی حاجت بس جس دن وہ حد سے سوا حسین اور پری جمال بن جانا چاہتی ہے تو اُس دن وہ سر میں تلی کا تیل ڈالتی کیا ہے بھر لیتی ہے جو پیشانی تک بہتا ہوا صاف نظر آتا ہے اور میرے کے سر کے کے عوض آنکھوں کو جتنا ہو سکتا ہے کا جل سے سیاہ کر لیتی ہے جو اُس کی آرائش کی انتہائی حد ہے، اور مزدور بیوی کی اتنی ہی خوبصورتی اُس کے شوہر صاحب اور خاندان کی عزت بڑھانے کے لئے کافی سے زیادہ سمجھی اور مانی گئی ہے،

اب اگر خدا نے اُسے کوئی نیکو لالہ سا بچہ، بھی عطا فرمایا تو سمجھ لیجے کہ اب وہ مکمل عورت ہو گئی مگر بچے کی پیدائش بھی اُس کی عام زندگی طرح بے اصول ہو گئی یعنی اس کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ پیدائش کے وقت کسی مکان میں ہو یا شہر میں بلکہ جہاں بھی ہو اور جس جگہ بھی، بس ایسے وقت میں اُس کا ہمدرد صرف خدا ہو گا یا اُس کا شوہر، نہ دایا ہو گی نہ محلے کی عورتیں اسی طرح یہ نہنگی کے زمانہ میں نہ مقویات، کھانے کی عادی نہ رسوم و تقریبات کی خواہش مند بس وقت پر جوں جوں اور جو ہو سکے، اس کے ہاں بھی نہنگی کے لئے تین چار دن کا آرام کافی سمجھا جاتا ہے اُس کے بعد ہی سے پھر مع بچہ مزدوری اور کاروبار کی ذمہ داری اور بچا آوری، ایک خاص بات مزدور کی بیوی میں یہ ہے کہ اب جو اُس کے ہاں اولاد کا سلسلہ شروع ہوا ہے تو اب وہ بند ہونے کا نام نہ لینگا، چنانچہ یہ بالکل صحیح ہے کہ اولاد کی جو کثرت مزدور کے ہاں نظر آتی ہے وہ انسانوں کے دوسرے طبقوں میں شاید ہی کہیں نظر آئے، پھر اس کے

بچوں کے لئے صبح خوبصورتی تو شاید دنیا میں پیدا ہی نہیں کی گئی اس کے بچے جتنے زیادہ ہوتے ہیں اتنے ہی گندے میلے چٹے لنگڑے، کالے، امبے، نیچے اور عجب قسم کے ہوتے ہیں مگر اس بیوی کی دلیری کی کا یہ حال کہ ایک ہی وقت میں وہ دس دس بچوں کی خدمت نگرانی اور پرورش کے فرائض انجام دیتی ہے مگر تمہت نہیں ہار تی، البتہ اولاد کی کثرت سے اُس کے مزاج میں سختی اور شدت ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور اسی سے وہ بچوں کی صحیح نگرانی اور خدمت سے بھی ایک حد تک بے پروا ہو جاتی ہے، چنانچہ اُسے چھوٹے بچے کا حد سے زیادہ روزنا چلانا ترہ پنا اور بے چین ہونا نہ اُس کی مزدوری سے روکنا نہ اُسے اُن کی طرف متوجہ کرتا، نہ وہ ان میں سے ہر ایک کے لئے گوٹے کناری کے ٹکڑے بنانے پر دم دیتی ہے نہ ان میں سے ہر ایک کو نگلیں لٹکانے رہنے کو اپنا سامان بن، سمجھتی، یہی حال اس کے بچوں کا ہوتا ہے کہ اگر دو بچے چھٹے پڑانے چھڑے پہنے ہیں تو دو بالکل ہی ننگے نظر آئیں گے، دو اگر ماں کی بغل میں سو رہے ہیں تو تین چٹان پر، ایک اگر کسی چار پائی پر ہے تو دو زمین پر، ایک اگر کھیل رہا ہے تو تین آپس میں لڑتے لڑتے گتھ گتھ گئے ہیں اور چلا چلا کر ماں کو مخاطب کرتے بھی ہیں تو ماں مخاطب نہیں ہوتی اور جو آخر میں مخاطب بھی ہوئی تو اس طرح کہ جو چیز ہاتھ میں گئی اُسی سے سب کو ٹھونک کر رکھ دیا اور فناغ ہو گئی پھر اگر یہ بچے روتے روتے بے ہوش ہو جاتا تو اُسے غم نہیں اور اگر سو جائیں تو اُسے پروا نہیں، نہ اُن کے لئے وہ کھلونے خریدے گی نہ مٹھائی کا روزانہ بندوبست کریگی اور جو کسی دن بچوں کو مٹھائی دلانا ہی پڑے گی تو اس طرح کہ اُن کے ساتھ کھانے میں یہ خود بھی شریک ہو جائیگی مگر کھانے وقت بھی اسے بچوں کی

لڑائی سے فرصت نہ ہوگی اس کے منہ میں لڈو بھوکا اور ہاتھ میں بچوں کے مارنے کے لئے لکڑی، اس کے ہاں بچوں کی بیماری کے لئے نہ کوئی حکیم آتا نہ ڈاکٹر نہ اس کے پاس کوئی شفا ~~نہ مالکی~~۔ بس اس اول تو بچے خود بخود اچھے اور صحت یاب ہو جاتے ہیں یا پھر جمل کی فدا جانے کیسی کیسی دوائیں ہیں اور اس کے بچے، اور خدا کا فضل کہ وہ اچھے تو ہو جاتے ہیں مگر مرتے نہیں، اسی تربیت کے ہاتھوں نہ اس کے بچے کسی کو جھک کر سلام کرنا جانتے نہ کسی مدرسے اور مکتب کو پہچانتے، بس اُن کا پانچ چھ برس کی عمر میں داخل ہونا کافی ہے کہ یہ بھی والدہ صاحبہ کے ساتھ مزدوری میں شریک ہو جاتے ہیں، اب بچہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور آمدنی میں کمی، نتیجہ یہ کہ مزدور کی ~~کمی~~ روٹی اور کپڑے کے حساب سے زیادہ مشکلات پس مبتلا ہوتی جاتی ہے، اور بچے آئے دن کی فاقہ کشی اور محنت کی ٹھکن سے بہکنا صحت و اخلاق دنیا کے پست تر اور بدترین انسان ہوتے جاتے ہیں، اب مزدور کی اس نئی نسل میں اعلیٰ درجہ کی تندرستی، خاندانی تربیت، جماعتی اصول کی پابندی، بلند تر اخلاق، بہتر معاشرت، وغیرہ یعنی آداب انسانیت کا وجود ہو تو کس طرح؟

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ جب مزدور اپنی بیوی سے ناراض ہو گا تو بس لالمان، اب اگر ماراضی کے وقت اُس کے ہاتھ میں جوتا آجائے تو جوتا، لکڑی آجائے تو لکڑی، لوہا آجائے تو لوہا، تپھر آجائے تو تپھر، غرض جو کچھ وقت پر مل جائے وہ اُس کے ذریعہ اپنی بیوی کو مارنا شروع کرتا ہے پھر مار کے لئے نہ کوئی حد ہے، نہ اندازہ نہ معیار ہے نہ مضابطہ بس جب تک اُس کا جی چاہے وہ اپنی بیوی کو مار سکتا ہے، پھر مارنے کے لئے یہ بھی نہیں کہ صرف

چاہنا مار دے بلکہ وہ مارنے کے ساتھ ہی کاٹ بھی سکتا ہے اور نوچ بھی سکتا ہے
گٹھا بھی سکتا ہے اور لٹکا بھی سکتا ہے غرض دنیا میں جتنے قسم کی فوجداری اور کوتوالی
ہو سکتی ہے وہ سب اپنی بیوی پر صرف کر سکتا ہے، ایک سب سے بڑی مصیبت یہ ہے
کہ مزدور کی بیوی کو لڑائی کے وقت بچانے کے لئے نہ محلے والے تیار نہ پیوس والے
موجود اور یہ اس لئے کہ اکثر یہ لوگ دیرانوں میں مقیم ہوتے ہیں اسی لئے جس وقت
مزدور اپنی بیوی کو مارنا شروع کرتا ہے اُس وقت اس کے چھوٹے چھوٹے دس بارہ
بچے اپنی ماں کے رونے میں شریک نظر آتے ہیں اور بس، مزدور کی بیوی اکثر چوٹے
کے پاس والی لکڑی سے مار کھاتی ہے اس لئے کہ اس کے شوہر کی ناراضی خفگی اور
غصے کا وقت شام ہی کے کھانے کے وقت سے شروع ہوتا ہے اُدھر بیوی نے مزدور
سے واپس آکر چولہا روشن کیا اُدھر مزدور صاحب مزدوری سے فارغ ہو کر یا شراب پی کر
آئے یا تانوں میں بھرے ہوئے بس ابھی کہ بیوی نے ایک ہی روٹی تیار کی تھی کہ شوہر صاحب
نے سیدھی سیدھی اور نہایت درجہ غلیظ گالیوں سے بیوی کو مخاطب کیا اور جنگ کا آغاز ہوا
اب جتنا وقت گزرتا جائیگا شوہر صاحب کی گالیوں اور غصے کا زور بڑھتا جائیگا مگر ابھی
بیوی کی آواز شوہر سے اونچی نہ ہوگی، اب اگر آپ اس کے محلہ دار ہیں تو یہی سمجھئے گا کہ
آج مزدور بیوی کو کچھ یوں ہی ڈانٹ رہا ہے بس جیسے ہی کہ آپ نے یہ خیال قائم کیا کہ
اُدھر مزدور صاحب نے بیوی صاحب پر دھاوا بول دیا، یہ دھاوا بول دیا اس لئے
لکھا کہ مزدور صاحب کے غصے میں کوئی سلیقہ نہیں ہوتا، اول تو اس لئے کہ وہ مزدور ہی تو ہیں

کہیں کے لکھنؤ، بیرسٹر تو ہیں نہیں جو بیوی سے بھی بوقت غضب و اندھ چنانچہ کمر خموش
 ہو جائیں، پھر یہ مزدور بھی کیسا کہ تاؤ سے بے قابو، پھر ایسے پھیرے ہوئے مزدور سے یا
 خدا بچائے یا پولیس، محلّے والوں کی کیا مجال جو ”دخّل در میان بیوی“، فرما سکیں، نتیجہ یہ
 کہ جوتے لکڑی، گھونسے، تلخے، اور چانٹوں سے بڑھ کر جب معاملہ ذگل کی صورت اختیار
 کر لیتا ہے تب کہیں جا کر شور کا غصّہ کم ہوتا ہے مگر ملّا ر موزی نے مزدور کو جب اپنی بیوی کو
 ٹھونکتا ہوا پایا ہے اُس کے لحاظ سے یہ کمنا غلط ہے کہ مزدور کا غصّہ کم ہو جاتا ہے بلکہ یوں
 کہنے کے وہ مارتے مارتے بے دم ہو جاتا ہے تب کہیں بیوی صاحبہ نجات پاتی ہیں البتہ اس
 معاملہ میں ایک خاص بات نہایت حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ دنیا کی تمام بیویوں سے مزدور کی
 بیوی جتنی زیادہ مار کھاتی ہے اُس کی نظیر ہی نہیں مگر اس پر بھی نہ اُس کے سر سے خون بہتا
 نہ اُس کی ٹانگ ٹوٹتی؟ اس لئے کافی مطالعہ کے ذریعہ ملّا ر موزی نے معلوم کر لیا کہ مزدور کے
 ٹھونکتے وقت مارنے زیادہ اُس کا شور ہوتا ہے اور اس شور میں مار کھانے والی بیوی کا
 شور شامل ہو کر اصل مار کو بے حد کم کر دیتا ہے یہی تو راز ہے جو رات کو چار مرتبہ مار کھانے
 کے بعد صبح سے پھر بیوی صاحبہ بغیر طلاق اور مقدمہ دائر کئے اسی مارنے والے شور کے ساتھ
 فوکرے لے کر مزدوری کے لئے تشریف لے جاتی نظر آتی ہیں، ورنہ خراب ہزار کچھ ہو
 مار کھائی ہوئی، بیوی بھی کم از کم تین دن شور ہر صاحب کا کھانا تو حرام کر ہی دیتی ہے مگر مزدور کی
 بیوی مار کھا کر جو کچھ کرتی ہے وہ یہ کہ شور ہر کوئی بھر کے سیدھی سیدھی سنالیتی ہے اور بدعا
 کرتی ہے مگر کیا مجال جو وہ لڑائی کے بعد ایک ہی دن کا کھانا پکانے سے انکار تو کر دے،

اسے دوست احباب اور رشتہ داروں کی تقریبات میں شرکت کا موقع نہیں ملتا اس لئے کہ وہ ہمیشہ شہر اور محلے سے دور رہتی ہے اور جو خدا نخواستہ کبھی ایسا موقع مل گیا تو اُس وقت اس کی آرائش اور تقریب میں شرکت کا بند و بست دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے بس یوں سمجھئے کہ اُس کے پاس زیور اور لباس کا کوئی ذخیرہ نہ پہلے تھا نہ اب ہے یہی حال بچوں کے ننگ دھڑنگ پن کا ہوتا ہے بس وہ محفل میں جاتے وقت اپنے منہ پر بہت زور سے قلعہ کرتی ہے اگر مل گیا تو سرسمرہ در نہ کا جل سے آنکھیں کالی کیں، پُرانے کپڑوں کو دو تین پیسے کے دیسی صابون سے دھویا اور محفل میں اس خوشی سے پھونچ گئیں گویا وہ عید گاہ تشریف لے گئی ہیں، یہ بیوی گرستی اور امور خانہ داری کے لحاظ سے کار آمد نہیں اور اس لئے نہیں کہ وہ کچھ جانتی ہی نہیں بلکہ اس لئے کہ اُسے اتنی دولت ہی حاصل نہیں ہوتی کہ وہ اپنے گھر میں کوئی کار ذکر انتظام کر سکے، اسی لئے نہ اس کے ہاں بستر موجود نہ کپڑوں کے صندوق، نہ پورے برتن نہ چار پائی، یہاں تک کہ کھانا پکانے کے لئے بھی مٹی کی بانڈی کے سوا باقی سب طرح خیریت اسی لئے دیکھا گیا ہے کہ یہ خود، اس کا شوہر، اور اس کے بچے ہمیشہ ننگ دھڑنگ گندے اور غلیظ ہوا کرتے ہیں، خود اس کے جسم کا آدھ سے زیادہ حصہ برہنہ رہتا ہے خصوصاً علاقہ بمبئی، مدراس، گجرات، اور پونا میں خود ملار موزی نے دیکھا ہے کہ مزدور کی بیوی صاحبہ اپنے جسم کو بقدر ضرورت ہی چھپائے رہتی ہیں، چونکہ مزدور کی آمدنی اکثر یومیہ یا روزانہ ہوتی ہے اس لئے شام کو جتنے دام ملے اُن کا سودا سُلٹ شام ہی کو لائے اور کھا کر صبح کو پھر فقیر کے فقیر، اس لئے مزدور کی بیوی خانہ داری کے سلیقے کے لحاظ سے نہایت بے کار رہتی ہے نہ

اُس میں گھایت شکاری کی عادت نہ سلیقے اور تمیز کا پتہ، اسی لئے اُس کا گھراول تو ہوتا ہی نہیں، بلکہ خانہ بدوش زندگی کے باعث اس کی ساری گریہ سستی درختوں کی شاخوں پر اس طرح لٹکی نظر آتی ہے کہ ایک شاخ پر اُس کا بستر لٹک رہا ہے تو دوسری شاخ پر ہانڈی تیسری پر پانی کا برتن تو چوتھی شاخ پر اُس کا بچہ، اسی درخت کے نیچے اُس کا چولہا اور خوراک اور اسی کے نیچے اس کے شوہر کا بستر، اور جو کسی مزدور صاحب کا مکان ہوا تو اس طرح کہ دروازہ اتنا مختصر کہ بغیر سجدہ کئے اندر داخل ہونا محال، پھر اندر جائے تو مارے تاریکی کے دن کو چراغ کی ضرورت، اگر دو تین دیواریں اچھی تو ایک دیوار اتنی شکستہ کہ گھر میں ہاتھ بھی اُٹل ہو جائے اور چوبی، پھر داغی بستی یا تنگ دستی کا یہ حال کہ جو دیوار شکستہ ہو جائے وہ عمر بھر شکستہ ہی رہے گی مگر مزدور اُسے درست نہ کرائیگا نہ اُس کی بیوی تعمیر کے لئے بے چین نظر آئیگی، پھر اگر اس کے مکان کا صحن کشادہ اور وسیع ہوگا تو اس میں ہمیشہ کوڑے کرکٹ کے انبار نظر آئیں گے صرف اتنا حصہ صاف طے گا جو مزدور کے لئے اُٹھنے بیٹھنے کے لئے ضروری ہے، مزدور کی بیوی ہی وہ بیوی ہوتی ہے جس کا مزاج کپڑے، گھر، برتن، اور بستر کی ہزار قسم کی گندگی کو برداشت کر کے کھانے کے محلے میں بھی نہایت درجہ گندہ کھانے کو برداشت کر لیتا ہے، خالص جہالت پست تربادری اور گندہ محبت کے باعث یا مالی مجبوری کے باعث مزدور کی بیوی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اُسے کھایا جائے اس کے پکائے ہوئے کھانے میں گندگی، بدبو، اور مکروہ صورت ہونے کی تمام علامتیں ہوتی ہیں مگر یہ اور اس کا شوہر اس کھانے کو بڑے مزے لے کر تناول فرماتے ہیں، ان میں سے

بعض تو مردہ جانوروں کا پلاؤ پکالنے سے بھی نہیں چوکتے،

البتہ یہ بیوی مزاج اور عادات کے لحاظ سے نہایت درجہ قابلِ خرام ہوتی ہے، وہ شوہر کی حد سے سوا مطیع، فرماں بردار و فادار، خدمت گزار، اور اُس سے محبت کرنے والی ہوتی ہے اور یاس لئے کہ اُس کی ذہنی حالت بے علمی کے باعث نہایت محدود ہوتی ہے۔ اُس کی خواہشات اور مطالبات کا کم ہونا ایک فطری نتیجہ ہے، شہل تو ان بڑھکیوں کے لئے جسٹیں شروع ہی سے بنارس کی ساریاں پہنائی جائیں، کلائی پر گھڑی باندھی جائے، اور اسکول میں پڑھا کر دماغ کو ساری دنیا کے حالات سے واقف کرائیا جائے، اور پھر کہا جائے کہ آج کل کی بیوی دوزخ کا نمونہ ہوتی ہے،

مزدور کی بیوی کا حلیہ یوں واقع ہوتا ہے کہ اُس کا رنگ ہمیشہ سیاہ اور سفیدی کا دشمن واقع ہوتا ہے جسم کے اندر مزدوری کی مشقت سے کبھی موٹا پا پیدا نہیں ہوتا، صورت کے حساب سے جیسے ڈھائی مہینے کی مرینہ قدمیں ایک حد تک دراز، بستم اور بشاشت کا چہرے پر وجود بھی نہیں، صرٹ بچہ کو کھلاتے وقت مسکراتی ہے، اتنے حالات ملّا رموزی کے ذاتی تجربات بتے مگر خوش قسمتی سے اس معنیوں کے لکھتے وقت یعنی جنوری ۱۹۳۱ء میں شہر لاہور میں تمام ایشیا کی عورتوں کی ایک سالانہ مجلس کا اجلاس منعقد ہوا اور اُس میں ہندوستان کے مزدور کی بیوی کی اس مجلس کی صدر خاتون نے جو کچھ کہا وہ یہ ہے،

”ڈاکٹر معقولکشی ریڈی صدر آل انڈیا خواتین کانفرنس و سابق ڈپٹی پرنسپل

مدارس کو نسل بننے لگا کہ مدراس کی عورتیں زیادہ تر چالے کے کھیتوں اور کاؤں

میں کام کرتی ہیں یا رستی بٹنے اور قطعوں کے کام پر دیکھی جاتی ہیں، اگر ہندوستان بھر میں دیکھا جائے تو مرد مزدور کی نسبت عورت مزدور کی تعداد کبھی کم نہیں، مگر مجھے حیرت ہے کہ ہندوستان بھر میں صرف ایک عورت انسپکٹر ہے، اور یہ اس لئے کہ عورتوں کی ناخواندگی کا فائدہ اٹھایا جا رہا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ عورتوں کے لئے ترقی اور کاروبار کا میدان وسیع کیا جائے، کیونکہ ایک عورت کو دن بھر میں کارخانے میں کام کرنے کے بعد چھ گھنٹہ میں جا کر کام کرنا، کھانا پکانا اور بچوں کو سنبھالنا پڑتا ہے، عورت مزدور کے لئے آمدنی کا جو اندازہ میں نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک عورت مزدور کو سو گھنٹہ روپیہ دو آنے چھ پائی ماہوار آمدنی ملتی ہے اور اگر وہ ایک دن غیر حاضر ہو جائے تو اس کی تنخواہ کاٹ لی جاتی ہے، میں دیکھتی ہوں کہ ہندوستان کے مزدور کی کمائی کو بے رحمی کے ساتھ لوٹا جاتا ہے، ان کے بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا بھی ضروری ہے دیکھا جاتا ہے کہ کارخانوں میں بے مدد بچوں کی عمر کے بچے کام کرتے ہیں اور قانون موجود ہے کہ ۱۲ سال سے کم عمر کے بچوں کو فیکٹری میں نہ لیا جائے مگر لوگ

باز نہیں آتے ۷۷

یہ ہیں ہندوستانی مزدور صاحب کی میگم صاحبہ، اب اس بے نصیب بیوی کے لئے سب سے آخری شکل یہ ہے کہ اسے جماعت میں قابل تو جہ ہی نہیں سمجھا جاتا اور نہ اس کی مشکلات کا دور ہو جاتا مشکل نہیں، خدا الیڈروں کو توفیق دے کہ وہ مزدور صاحب کی اہلیہ محترمہ کی خدمت و ترقی پر متوجہ ہوں، فقط،

مہاجن کی بیوی

جس طرح یورپ میں کیساں کوٹ پتلون کے باعث ایک مہاجن اور وزیر اعظم کے درمیان فرق کرنا مشکل ہے اُسی طرح ہندوستانی مہاجن کی صحیح تعریف مقرر کرنا بھی مشکل ہے، اگرچہ اجتماعیات، اقتصادیات، اور اخلاقیات، کے اعتبارات اور اُس کی ہمہ گیر زندگی کے اثرات کے لحاظ سے یہ اس درجہ اہم ہستی قرار دی گئی ہے کہ اس پر مضمون نگاری کے ساتھ ساتھ شاعری بھی ہوتی رہتی ہے، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہاجن کے اوپر یا ہوا و رشااعرے منعقد ہوتے ہیں، بلکہ مضامین کی طرح اس کی زندگی پر شعراء نے بھی اظہار خیال کیا ہے۔

بظاہر تو مہاجن وہ شخص ہے جو تجارتی کاروبار کرتا ہو، اُس کی ایک یا چند دکانیں ہوں وہ جسم کے حساب سے ایسا ہو جیسے پانی کے چھڑکاؤ کی گاڑی کو کھڑا کر کے اُس کے سرے پر آدمی کا سر لٹا دیا جائے، گو متعدد اصحابِ قلم نے اُس کا حلیہ اور اس کی سیرت کے متعلق اظہار خیال کیا ہے، لیکن اصلیت کے لحاظ سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ کس کا لکھا ہوا صحیح اور مکمل ہے فی الجملہ مہاجنوں کی حقیقی قسمیں ہو سکتی ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں،

۱۔ مہاجن غمیر ایک وہ جو کئی کروڑ یا کئی لاکھ روپیہ کا مالک ہو اور خواہ یہ بے شمار روپیہ خود اُس نے کمایا ہو یا اُس کے والد کے والد کا ہو یا اُس کے صرف والد کا ہو، یا نانا کے نانا کا ہو یا

اُس کے صرف نانانے اس کے نام لکھ دیا ہوا اور مر گیا ہوا اس کا نہ باوا ہونہ دادا، نہ نانانا ہونہ
 نانی ہو بلکہ اسے کسی مہاجن نے مرنے سے پہلے اپنا بیٹا بنایا اور اپنی تمام دولت اس کے نام لکھ
 دی ہو، کہ بعض مہاجن اس قسم کے بھی ہوا کرتے ہیں، پس جو مہاجن کہ لاکھ سے اوپر ہو گا وہ اپنے
 کاروبار کا صرف نگران رہے گا، اس کے پاس لاکھوں کی کوٹھیاں، گھوڑے موٹر کاریں، خدام،
 اور طائر مرغ سب کچھ ہوتا ہے یہ بہت زیادہ صاف اور پاکیزہ لباس پہنتا ہے، عورتوں کے زیورات
 میں سے مرد ہو کر بھی نصرت قریب زیور پہنتا ہے، تجارت کے حسابات اکثر گھر پر اور کبھی کبھی دکانوں
 پر یا کر سمجھتا ہے اور ان میں کے بعض ”آسری مٹریٹ“ ”خان بہادر“ ”راٹے بہادر“ اور ”گرنیشن“
 بھی ہوتے ہیں، مگر اس طبقے کی تعداد پانچ فی صدی آبادی کے برابر بلکہ اس سے بھی کم ہے،
 البتہ ممبر دو کو مہاجن کسی قدر زیادہ ہیں ان کے کاروبار کا علیہ غیر ایک کے مہاجن سے ملتا جلتا ہے
 بس اتنا فرق سمجھئے کہ یہ اپنے کاروبار میں خود اپنی ذات سے زیادہ حصہ لیتا ہے،
 نمبر تین کا مہاجن، مہاجن ہونے پر بھی مذکورہ بالا مہاجنوں سے کافی حد تک علیحدہ اور مختلف ہے
 ہوتا ہے، اس کے اختلاف کی فہم یہ ہے کہ اس کے کاروبار کی نوعیت نہایت درجہ ہموگیر اور
 عالمگیر ہوتی ہے، شراب، گھسنے، افیون، چرس، بھنگ، چانڈو، اور بڑی سگریٹ سے لیکر وہ
 گیہوں، چنے، باجرے، جوڑا، گھوڑے، بیل، ہاتھی، گدھے، اٹو، پٹیل، تانبے، سونے، چاندی
 جو آہر، اور مٹی کے چور بازار کی ایک ایک چیز کی تجارت سے نہیں چوکتا، وہ کھیتی باڑی، قرض
 روپیہ، نیلام، قرض، وارنٹ اور گرفتاری کی تجارت تک سے باز نہیں رہتا، کپڑے، زیور
 بسا، خانے، چمچے، جوتے، لوہے، سوڈا واٹر، موٹر، سینا، اور ٹیبلٹ، نوٹو گرافری، تعمیرات

اور توپ و تلوار کی دکان اور ان چیزوں کے سامان کی تجارت پر حاوی ہوتا ہے، وہ مردہ انسانوں کو جلانے، دنگ لے کر رک بنانے، ریلوں کے پل بنانے، دفتروں میں قلم دوات کاغذ اور فرش مہیا کرنے کے ٹھیکے ہاتھ سے جانے نہیں دیتا، وہ بازار میں کھڑے ہو کر اس ٹوپی کے ساڑھے چار آنے، بولو پیارو اس ٹوپی کے ساڑھے چار آنے، ساڑھے چار آنے ایک ساڑھے چار آنے دو اور یہ ساڑھے چار آنے تین، کی بولی بولتا ہے کہ وہ نہیں تو اس کی چھوٹی عمر کی اولاد پان بڑی سیکریٹ اور ماچس سہر بازار فروخت کرنے سے نہیں بڑھاتی، غرض مہاجن وہ جو نفع کی ایک کوڑی کو ہاتھ سے نہ جانے دے،

اس کا حلیہ یوں واقع ہوتا ہے کہ یہ ابتدائے عمر میں عام لڑکوں کی طرح لڑکا ہوتا ہے، جوانی تک پھونچ کر یہ تجارت کے جہلانہ اصول کی تکمیل کر لیتا ہے یعنی اس کی تعلیم باضابطہ طور پر مکمل نہیں ہوتی بلکہ اپنے خاندان کے مرد و جہ اصول گھری میں سیکھ لیتا ہے البتہ وہ ہندی، گورکھی، گجراتی، مرہٹی، مارواڑی، پنجبلی، اور تامل زبانوں میں اتنی لیاقت ضرور پیدا کر لیتا ہے کہ حسابات کو لکھ سکے، زبان اردو میں حسابات لکھنے والے کو مہاجن کے عوض سیٹھ صاحب کہنا زیادہ موزوں ہوگا، اور ایسے حسابات صرف مسلمان لکھتے ہیں جن کے پاس تجارت برائے بیت ہوتی ہے،

اب جوانی سے اس کا آگے بڑھنا ہزاروں قیامتیں اپنے ساتھ لاتا ہے مثلاً سی بات کیا کم قابل حیرت ہے کہ یہ جوانی کے بعد ہی سے موٹاپے کی طرف کچھ اس طرح دوڑتا ہے کہ اسے دیکھئے اور حیران رہ جائیے اس کے موٹاپے کے متعلق صحیح تحقیق کرنے سے

جرمنی کے سائنس دان بھی اس لئے ساکت نظر آتے ہیں کہ یہ ماش کی دال کھاتا ہے مگر موٹا پے میں وہ جرمنی حکومت کے صدر فلیڈ مارشل و آن ہینڈن برگ کو سومرتہ بات دیتا ہے، پھر اس قسم کا موٹا پاکیا کم سائنس پاش اور سائنس شکن ہے،

یہ سب طرف سے تو خاصا انسان ہوتا ہے مگر شکم عرف پیٹ کو یہ اس طرح موٹا بناتا ہے کہ آپ اسے اب نہ بالکل جانور ہی کہہ سکتے ہیں نہ بالکل انسان مگر وہ ہوتا ہے کہ اسی پیٹ کے ذریعہ دن کے وقت دیو نظر آتا ہے اور رات کے وقت بھوت، مگر تحقیق کے بعد نہ وہ دیو رہتا نہ بھوت بلکہ ہر حال میں انسان، ہاں اس کے اخلاق اور گفتگو میں زمین آسمان کا فرق ہر وقت موجود رہتا ہے یعنی وہ اخلاقی حساب سے نہایت درجہ بے رحم، ظالم، تباہ کن، بے مروت، سخت گیر، اور انسانوں کا خون چوسنے والا ہوتا ہے، یعنی جس طرح بھی ہو سکتا ہے وہ روپیہ کھاتا ہے مگر گفتگو میں قرض خواہ اور قرضدار سے اس درجہ حلیم، رحیم، کریم، اور سخی ہو کر رہتا ہے کہ جتنا چاہو مال قرض لیتے جاؤ وہ دیتا جاؤ گیگا، اس کی دکان پر پھونچ جائیے پھر دیکھئے اس کی تواضع کا عالم، وہ آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا بھی ہو جائیگا اور مصافحہ بھی کریگا، وہ اپنے برابر آپ کو جگہ بھی دیگا اور تمام دانت منہ سے باہر نکال کر ہنستا رہیگا، وہ پان، سیگریٹ، چائے، اور برقی پنکھے سے بھی دریغ نہ کریگا غرض ہر طرح خود کو آپ کا غلام، نوکر، جان نثار، اور خیر خواہ ثابت کریگا، پھر اپنا مال آپ کو فروخت کریگا مگر اس حُسن اور سلیقے سے کہ آپ ہر حال میں ایک کے چار دیکر آئیں اور معلوم نہ کر سکیں، اس کے بعد اگر آپ نے اس سے قرض روپیہ یا قرض مال لے لیا تو سمجھ لیجئے کہ اب یہ مہاجن ہی کا کمال

کہلائیگا کہ وہ آپ سے براہ راست گفتگو بھی نہ کرے مگر آپ کے گھر آپ کے مال، آپ کی تنخواہ اور آپ کی بیوی کے زیور سے لیکر بستر تک کو نیلام اور قرق کرادے اور جیل خانے میں ٹھونس کر بھی آپ سے ذاتی طور پر بے مروت اور بد اخلاق نہ ہو، اسی لئے دنیا کی ہر مذہبی اور غیر مذہبی کتاب میں صاف صاف لکھا ہے کہ خدا جس سے چاہے بچائے یا نہ بچائے مگر جہنم کے قرض سے ضرور بچالے،

بارے اب چند دن سے علم و تعلیم کی ترقی سے جہاں مہاجن کے حالات و اخلاق میں قدرے تبدیلی شروع ہوئی ہے وہاں عوام میں بھی اس طبقہ کے خلاف ایک اثر پیدا ہوا ہے چنانچہ عوام خصوصاً کاشتکاروں کو ”مہاجنی قرض سے“ محفوظ رکھنے کے لئے پنجاب اور بعض دوسرے صوبوں میں ایسے اشخاص کھڑے ہو گئے ہیں جو مہاجن کے مظالم سے عوام کو آگاہ کر کے انھیں دوسرے ذرائع سے امداد بہم پہنچا رہے ہیں،

عوام کے ساتھ کہیں کہیں اخبارات اور رسالے بھی ان لوگوں کے خلاف لکھتے ہوئے نظر آتے ہیں، اصحابِ قلم نے بھی ان پر توجہ مبذول کی ہے، چنانچہ کلازموزی کو یاد ہے کہ رسالہ ”نیرنگ خیال لاہور“ بابت ۱۹۲۹ء یا ۱۹۳۰ء کی کسی اشاعت میں ”مہاجن“ کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں ظریف پیرایہ بیان کے ساتھ اس کے مظالم کو دکھاتے ہوئے اس کی ”توند“ پر خاص کے طبع آزمائی کی گئی ہے، اسی طرح اخبار ”ملاپ لاہور“ کی مختلف اشاعتوں میں ”مہاجن“ کے متعلق کارٹون شائع ہوئے تھے، چند بنیادی انجمنیں بھی قائم ہو چکی ہیں جو اس طبقہ کے مظالم کی روک تھام کے فرائض ادا کرنے کی دعویٰ داریں، لیکن ان تمام کوششوں

کے باوصف ابھی مہاجن بدستور مہاجن ہے، اس لئے پہلی س کے حالات سے بحث میں کوئی اصولی تامل نہیں، لہذا واضح ہو کہ مہاجن کی بیوی کی پیدائش کے وقت خوشی اور مسرت کی جو تقریبات اور رسوم ادا کی جاتی ہیں ان کی شاہانہ شان کا اندازہ مشکل ہے، یعنی مہاجن کے گھر بچہ پیدا ہونے کی تقریب پر بے شمار روپیہ خرچ کر کے اظہار مسرت کرنے کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ مہاجن کے ہاں اولاد کم ہوتی ہے اس لئے جب ہوتی ہے تو خوشی بھی زیادہ ہوتی ہے، دوسرے یہ کہ مہاجن کے پاس دولت بے شمار ہوتی ہے اور مصارف کم لہذا جب اولاد کی پیدائش پر دولت صرف نہ کی جائیگی تو کیا ملّا رموزی صاحب کی کتابیں چھپوانے کے لئے دولت خرچ کی جائیگی؟

پس لڑکی کا پیدا ہونا کسی دیسی رئیس کی ”تاج پوشی“ کے اتنا پ شتاب جشن کا ہم شکل ہو کر آیا ہے چنانچہ جس طرح کوئی رئیس اپنے جشن کو شاندار سے بھی زیادہ شاندار طریقہ سے منانے میں نہ خدا سے ڈرتا نہ اپنی رعایا کے بندوں سے، اُسی طرح مہاجن بھی بچے کی پیدائش سے کچھ اس درجہ بھی بے خود اور مدہوش ہو جاتا ہے کہ مہینوں دروازے پر نقارے اور شادیاں بجانے کا حکم صادر کر دیتا ہے، اس موقع پر اس کی فیاضی کا عالم حاتم طائی مرحوم و مغفور سے کسی طرح کم نہیں ہوتا، دایا، ماما، نوکر، خادمہ چوکیدار، اور چہر اسی سے لیکر لیڈی ڈاکٹر صاحبہ تک کو خلعت ہائے فاخرہ بنایا جاتا ہے، مگر کمی نہیں کرتا،

پھر پیدائش کے بعد سے جوانی تک اب اس کی بیٹی ہے اور زیور پر زیور ہے، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ جتنا بھاری قمیٹی، اور کثرت سے مہاجن کی بیٹی زیور پہنتی ہے بادشاہوں کی بیٹیوں کو

بہن صیب تو ہوتا ہے مگر پہنایا نہیں جاتا، چونکہ اس کے ہاں تعلیم اور عقل کی ذرا کمی ہوتی ہے، اس لئے وہ ہر قسم کا لاڈ پیارا اسی کو سمجھتا ہے کہ بس لڑکی کو زیور پر زیور پہنائے چلا جائے، اسی مقدار اور انداز سے وہ رشیم، اطلس، کجواب، اور سنجاب و سمور کی پوشاکیں پہنتا ہے گویا مہاجن زادی کیا ہوتی ہے گورنمنٹ کا چلتا پھرتا خزانہ اور تو شک خانہ ہوتا ہے جس میں نہ زر و زیور کی کمی نہ رشیم و اطلس کے کپڑوں کا کال، مگر اس ابتداء کے عمر سے انتہائے جوانی تک اُس کی باضابطہ تعلیم و تربیت کا کوئی قابلِ تعریف بند و بست نہیں ہوتا، بس کھاؤ اور پہنو پھیل پھولے، اسی لئے اُس کے خیالات میں کوئی لائقِ تذکرہ تبدیلی نہیں ہوتی ہاں چند سوسائٹوں میں بھیجا جانا منظور کر لیا گیا ہے، ورنہ گھریلو تعلیم اور بس،

اب اس کی دولت کی بربادی کا دوسرا زانہ اس کی شادی سے شروع ہوتا ہے، شادی کیلئے خاندانی اور برادری سلسلے کا قائم رکھنا بہت زیادہ ضروری شرط ہے، یہ نہیں کہ سید ہو یا ٹیٹھان مغل ہو یا شیخ، بس جہاں بی، اسے پاس دیکھا اور لڑکی کو دے مارا، مگر خاندانی اور برادری سلسلے کی طرح لڑکے کے اندر اعلیٰ علمی قابلیت، یا آئینہ صبری و محبہ کی تلاش نہیں ہوتی، بس اتنا کافی ہے کہ یہ مہاجن زادی ہے تو وہ بھی مہاجن زادہ ہو، ادھر مہاجن زادہ بھی دوتنہ کے اعتبار سے کچھ کم نہیں ہوتا لہذا شادی منظور،

البتہ مہاجن کی شادی کے مکمل اصول و ضوابط سے بحث کرنا کارے دارد والا معاملہ ہے، ہاں عام طور پر ان کے ہاں کی شادیاں اور یورپ کے بادشاہوں کی شادیوں میں سب اتنا فرق رہ جاتا ہے کہ بادشاہوں کی شادیوں میں دولت ذرا سلیقے سے برباد کی جاتی ہے اور

ان کے ہاں آنکھیں بند کر کے، پس جہاں اس کی شادی کا معاملہ طے ہوا کہ مہاجن کے دروازے پر یا اس کے باڑے میں یا اس کے اعلیٰ میں یا اس کے چبوترہ پر نقار خانہ تیار ہو گیا، اب چلے مہاجن صبح دس بجے تک سوتا رہے مگر نقار خانہ ہو گا کہ صبح چھ بجے سے شادیانوں کی آواز سے تھلے والوں کی نیند تباہ کر دیگا، اور اسی زمانے میں اس کے دروازہ پر بھانڈا اور حجام بھی نظر آئیں گے، مہاجنوں کی تشریف آوری سے مکان میں جگہ نہ رہیگی، اس کی بارات کی شان کچھ شک نہیں کہ اپنی نظیر آپ ہو کر تھی ہے دنیا میں جتنی قسم کے بلجے اب تک ایجاد ہوئے ہیں وہ سب اس کی بارات میں موجود ہوں گے، پھر اس کے شہر کی رنڈیوں کے ساتھ ساتھ دنیا کی ہر ملکہ جان اور جانگی بانی الہ آباد والی بھی موجود ہوگی گھوڑے ہوں گے کہ عورتوں کا زیور پہنے اس بارات میں شریک نظر آئیں گے، ہاتھی ہوں گے کہ جھول رہے ہوں گے، غرض اس کے شہر میں اگر حضور دوسرے بہادر بھی رہتے ہوں گے تو ان کی سواری کا موٹر بھی اس کی بارات میں نظر آ جائیگا، شہر کے ایسے تمام معززین بھی ہوں گے جو کبھی کبھی اس کے زیر بار قرض ہو چکے ہوں گے، ایک شاندار اور پھولوں سے آراستہ موٹر میں دولہا ہوگا، یا ایک زیور پہنے ہوئے گھوڑے پر یا ایک آراستہ گھٹی میں، بہر حال کی سواری میں ٹیٹو، خچر اور اونٹ نہ ہوگا باقی سب کچھ ہوگا، اس کی سواری کے پیچھے معزز مہاجن، معزز بریڈر، معزز مجسٹریٹ، اور معزز قرضدار ہوں گے، جو یا قطار اندر قطار بنے ہوئے نظر آئیں گے یا دولہا بھی سوار اور یہ بھی سوار، اس کی بارات میں روشنی تو کیا ہوتی ہے یوں کہنے کہ تمام دنیا کے ”جلی گھر“ ساتھ چلتے ہیں یہی حال ”باغ بہا“

کی کثرت کا ہوتا ہے اور یہی حال ”آتش بازی“ کی کثرت کا، اس کے باراتیوں کے لباس اور زیور کی شان کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دولہا اور باراتیوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کیوں کہ ہر باراتی آج کے دن زرو جو اہر کا زیور پہننے میں کمی نہیں کرتا، باراتیوں کے پیچھے سواریوں کی سواریاں ہوتی ہیں جو چلا چلا کر جو جی چاہتا ہے گاتی جاتی ہیں اور جھانکتی بھی جاتی ہیں، بارات کی حفاظت اور شان کی غرض سے پولیس کے ہیڈ صاحب بھی اکڑے ہوئے چلتے نظر آتے ہیں، اور سپاہی بھی کنارے کنارے شہر کے غنڈے بھی ہوتے ہیں اور دوسرے ناشائی بھی اب جو بارات دُلسن کے گھر چوچ گئی تو ایک دن سے لیکر چار دن تک بھی ٹھہر سکتی ہے اور پانچ دن بھی، مگر ہر وقت زندگی تھرکتی ہی رہے گی اور باجے بجتے رہیں گے، بارات کے قیام کے لئے شاندار کوٹھی یا شاندار مکان ہوتا ہے، جو آرائش اور فرش کے لحاظ سے نہایت درجہ ممتاز ہوتا ہے ورنہ پھر کوئی میدان بارونی خیموں اور شامیانوں سے آراستہ کیا جاتا ہے، دولہا سے لیکر ہر باراتی کے لئے ضروریات اور تواضع کے جملہ اسباب فراہم ہوتے ہیں دُلسن کے والد صاحب کی طرف سے جو دعوت دی جاتی ہے اُس میں کھانوں کی تعداد ایک سے لیکر پانچ اوپر بیس تک ہو سکتی ہے، پھر یہ بھی ضرور نہیں کہ صرف ایک دن بارات مہمان رہے اور دوسرے دن رخصت بلکہ بعض کے ہاں ایک سے لیکر تین دن تک بھی بارات ٹھہر سکتی ہے، اس وقفہ میں دولہا کے والد صاحب کی طرح دُلسن کے والد صاحب بھی اپنے خزانوں کے کُٹھ کھولتے ہیں اور وہ جو سود در سود اور تجارت سے قارون کے ایک اوپر چالیس خزانے جمع کئے گئے تھے آج وہ بے دریغ لٹائے جانے سے نہ دولہامیاں کے والد کو غم نہ دُلسن صاحبہ کے والد کو پروا،

یہی حال رنڈیوں کی میزبانی کا ہوتا ہے کہ جواب وہ دولہا کے ہاں آتی ہیں تو دن رات دولہا کے گھر بھی گمارہی ہیں اور دولہن کے گھر بھی، مگر جانے کا نام تک نہیں لیتی ہیں، اور جن صاحب ہیں کہ اسی غرور میں پھولے پھرتے ہیں کہ ایک ہفتہ سے ملکہ جا رہے اور جاگلی بانی کا گانا تو ہورہا ہے، اس بارات میں کو تو ال صاحب شہر بھی شریک ہوتے ہیں مگر اس طرح کہ کبھی اس شرکت کو خود کو تو ال صاحب اپنی عزت سمجھتے ہیں اور کبھی مہاجن صاحب اپنی توقیر، اس بارات میں بیرسٹر لوگ بہت بھاری سوٹ پہن کر شریک ہوتے ہیں محض اس لئے کہ مہاجن سے مقدمہ کی پیروی کر کے سود وصول کرنے والے صرف دکیل اور بیرسٹر ہی ہو سکتے ہیں ورنہ مہاجن بنا ہی اس لئے ہے کہ ساری دنیا سے سود وصول کرے اور مونا ہوتا رہے، آج دولہا کے والد بھی اپنے بیٹے کی سسرال پر اپنی دولت مندی کے اظہار کے لئے بہت زیادہ اکر تے ہیں اور بات بات پر نوٹ اور گنتی، اور روپیہ سلنے پھیلکتے ہیں، یہ لڑکی کے خسر ہو کر بھی اتنا بھڑک دار لباس اور زیور پہنتے ہیں، گویا وہ اس بارات میں لڑکی کے خسر بھی ہیں اور خود ہی اس بارات کے دولہا بھی،

ان کی بارات کی مذہبی رسوم ادا کرنے کے لئے مذہبی پیشوا بھی نہایت امیر قسم کا بلایا جاتا ہے اور معمولی حیثیت کے قاضی مفتی، اور پنڈت کا ان کی بارات میں گزر نہیں ہوتا، رسوم کی بھی کوئی مقدار اور تعداد نہیں بس یوں سمجھو کہ جو بھی چاہے کہ گزرے روپیہ کی کمی ہی نہیں، یہی حال بارات میں شریک ہونے والی عورتوں اور لڑکوں کا ہوتا ہے چنانچہ آپ کو ایک عورت بھی ایسی نظر نہ آئیگی جو ڈھائی ہزار روپیہ نقد جسے کم کی پوشاک پہنے ہو،

الغرض دولت کو پانی کی طرح بہا کر دوسن دولہا کے گھر آتی ہے اب کیا مجال جو وہ بڑھاپے تک بھی امور خانہ داری میں ہماری آپ کی دیسی بیویوں کی طرح حصّہ لے، بس اس کا خلاصہ دولہا کے گھر یہ ہے کہ عمر بھر طوطے مینا، اور رنگ رنگ کے پرندے پالے اور عیش کرے اس کے ہاں ایک سے لیکر تین خادمہ اور دس ملازم ہر وقت موجود رہتے ہیں، دوسرا کام اس کے ذمّہ یہ ہے کہ جتنا ہو سکے وہ زیور پہننے مگر دوسرے کو ایک پانی نہ دے اور جو ذرا کم دولت مند ہو تو دن بھر مونگ کے پا پڑ بنائے اور قسم قسم کے اجار اور چٹیاں تیار کرے اس کے ولیمہ میں دوسن کے والد کی طرح دولہا کے والد بھی تمام دنیا کے کھانے کھلا کر چھوڑتے ہیں جس میں اگر ممکن ہو تا ہے تو تمام شہر کو مدعو کیا جاتا ہے مگر جو کھانے کھلائے جاتے ہیں انھیں کھا کر صرف افسر اور فتری ذوق کے لوگ ہی الحمد للہ کہہ سکتے ہیں اس لئے ان کھانوں

میں سے بعض کے نام یہ ہیں،

پوری، کچوری، مٹھی کا ساگ، پانگ کا ساگ، چولائی کا ساگ، چنڈر کا ساگ، شلم کا ساگ، بولی کا ساگ، اردی، بھو، بھنڈی، سرسوں، مٹھی، خرفہ یا کفہ، کچنال بھلی، لوبی، کرم، گانٹھ گوہی، شکر قند، آلو، سنگھڑا، بگن، پرور، ترئی، کدو، کرلیہ، بسم، گوہی، مٹر چلی، چنے کی دال، مونگ کی دال، اُر کی دال، ارہر کی دال، بسوئی دال، ماش کی دال، بڑی، بڑے، منگوڑی، دال، فوٹھ، دیہی بڑے، پا پڑ، چھاچھ، دیہی، کھیر، چاول، شلم کا چار، آم کا آچار، لیموں کا آچار، لوبی کا آچار، چنڈر کا آچار، چلیبی، برنی، قلاقند، پڑا، بالو شاہی، گلاب جامن، رس گلا، امرنی، حلوا، مال پوا،

اُن کھانوں کو بعض جگہ ترین میں اور اکثر جگہ دشتوں کے بڑے بڑے تپوں پر رکھ کھاتے ہیں مگر اس طرح کہ لونا الگ الگ اور حصہ الگ الگ، کھاتے وقت شور و غوغا دہی جوشام کو سبزی مندی میں ہوا کرتا ہے،

مہاجن کے ہاں دولت کی کثرت ہوتی ہے شاید اس لئے اولاد کا ہمیشہ کمال رہتا ہے لہذا مہاجن کی بیوی یا عمر بھر مذکورہ بالا پرندوں سے دل بہلاتی ہے یا ملا رتوزی کی قسم سے کسی غریب بچے کو فرضی بیٹا بنا کر تمام دولت اس کے نام عدالت سے ہب یا رخصتری اور جو یہ کچھ بھی نہیں تو مہاجن کی طرح مولنا شوکت علی عرف موٹی ہو کر عمر بھر زیور پہنے کسی دروازے یا برآمدہ میں بیٹھ بھاجی ترکاری کا مٹی رہتی ہے یا پا پڑ اورا چار بنانے کے شغل میں مصروف و مبتلا نظر آتی ہے مگر مرتے وقت بھی زیور کو جسم سے دور نہیں کرتی، اس کی ”زیور پوشی“ سے اس کے پاؤں کے ٹخنوں سے اوپر سیاہ نشان بھی کبھی نظر آ جاتے ہیں، لباس میں ساری، لنگا، اور کُرتی، ڈوپٹہ مگر موزے، بنیائین، پپ، جوتے، گھڑی، اور ہینڈ بیگ کا نام تک نہیں،

اور جو کہیں خدا نے ایک آدھ چاند سا بیٹا دید یا تو پیدائش سے لیکر بڑھ چلے تک اس بیٹے پر خود بھی قربان، اور پورا چوک باز ارقربان، لڑکا ہی سہی مگر اسے بھی لڑکی کا تمام زیور شروع ہی سے پہناتی ہے، اس لاڈلے بیٹے میں ایک خاص بات یہ ضرور ہوتی ہے کہ اس کی آنکھوں سے لیکر پیشانی تک کا سر نہ یا کا جل کبھی کم نہیں ہونے پاتا، ہزار ہا قسم کے تعویذ گنڈوں اور ناد علی قسم کی چیزوں سے لڑکے کا گلہ بالا مال رہتا ہے، جسے مہاجن صاحب بڑے فخر سے کچھ دیر

دکان پر بھی بٹھاتے ہیں اور مارے محبت کے قابو میں نہیں رہتے،

اس کے ہاں اولاد کی تربیت اور تعلیم کا بس اتنا ہی ضابطہ رائج ہے کہ خوب زیور پہنوا اور بڑے ہو تو تہی کھا نہ لکھنا سیکھ لو اور سونک کے پہاڑے، اور جوان ہو تو قرضداروں پر مقدمات دائر کرنا اور سود وصول کرنا یاد کر لو اور بس، کوئی قومی چندہ مانگے تو بھگا دو اور کوئی سائل آئے تو خشک جواب دیدو،

اس کی معاشرت میں تمام زور لباس اور زیور پر صرف ہوتا ہے، شوہر سے قابلِ تعریف محبت کم کرتی ہے، عام خدمت گزاری کا اس لئے موقع ہی نہیں ملتا کہ مہاجن صاحبہ تجارتی کاروبار سے فرصت ہی نہیں پاتے، رات کو آتے ہیں تو دن بھر کی تھکن سے یوں بیہوش ہو جاتے ہیں کہ صبح ہی بیدار ہوتے ہیں، اس قسم کی بیوی نہ تعلیم یافتہ ہوتی نہ ہنرمند، ادھر دولت کی کثرت سے آمدنی اور خرچ کی فکر سے دماغ بھی آزاد رہتا ہے نتیجہ یہ کہ دن رات زیور پہنے بیٹھی رہتی ہے اور موٹی ہوتی جاتی ہے، بلغم کی کثرت سے مزاج میں نہ تیزی نہ خشکی اب معتدل مزاج کیلئے یا گوشت کا ایک ڈھیر،

دولت جمع کرنے کی عادی، اور خرچ کرنے کی دشمن، اسی لئے عمر بھر پاڑ بناتی ہے اور کھاتی ہے، میاں بیوی میں اختلاف اور لڑائی اس لئے کم کہ دونوں میں کافی بلغم، فقط،

کنجڑے کی بیوی

اس غریب کی سیدھی سادی سی قرین یہ ہے کہ جو شخص آپ کو سبز ترکاری اور اُس کے ساتھ تازہ میوہ فروخت کرتا نظر آئے بس وہ کنجڑا اور اُس کی عورت ذات کنجڑی، اس پیشہ کو عام لوگ بہت کم اختیار کرتے ہیں مثلاً یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہیڈ پوئس کا نسٹل پنشن پا کر سبزی فروشی اختیار کر لے، اسی لئے اس پیشہ کو کثرت کے ساتھ نسلاً بعد نسل اختیار کیا جاتا ہے البتہ اسے شاذ و نادر کہتے ہیں کہ کوئی ملا سوزی صاحب قوم کے دولت مندوں کی زبانی قرین اور علی یا نقد ناقد رانی سے تنگ اگر سبزی فروشی اختیار فرمالیں،

الغرض کنجڑے کی بیوی ”بازاری حیثیت“ سے نہایت ذی اثر اور بلند حیثیت کی بیوی قرار دی گئی ہے، اور یہ اس لئے کہ بس علی گڑھ کے فیشن زدہ لوگوں کو چھوڑ کر دیکھئے تو ڈپٹی کلکٹروں کی بیویاں تک اس کی محتاج نظر آتی ہیں اور بڑے شہروں میں شام کے وقت جب چاہو دیکھ لو کہ کسی انگریز افسر کی بیوی ہوگی اور کسی کنجڑے کی بیوی، ایک خرید رہی ہوگی اور دوسری فروخت کر رہی ہوگی،

اس جماعت میں بھی کافی سے زیادہ جہالت موجود ملتی ہے البتہ کہیں کہیں ابتدائی مذہبی تعلیم

نظر آتی ہے سو وہ بھی فقط عاقبت کے عذاب سے بچنے کے لئے نہ تجارت کی ترقی کے لئے
 بس اس سرتاسر جہالت کا نتیجہ ہے کہ اس جماعت میں کافی سے زیادہ نقصان پہنچانے
 والی رسمیں موجود ملتی ہیں، ایسی ہی رسموں میں سے ایک رسم چوٹی عمر کی شادی بھی ہے اگرچہ مسلمانوں
 کے ہاں چوٹی عمر کی شادی ناجائز نہیں لیکن کچھڑوں میں ایسی شادی کچھ زیادہ ضروری نہیں پھر
 جب یہ ہوتی ہے تو ہوتی ہی رہتی ہے اور خدا جانے کب تک ہوتی چلی جائیگی، اسی لئے کچھڑے
 کی دکان پر بعض اوقات بھی سی بیوی صاحبہ بیٹھی نظر آتی ہیں،
 بعض شہروں میں کچھڑے کی دکان پر صرت سبز ترکاریاں ہی فروخت ہوتی ہیں اور بعض کے
 ہاں ترکاریوں کے ساتھ ہی تازہ میوہ بھی، اس کی دکان بھی وسط شہر میں ہوتی ہے،
 بعض درجہ سوم کے کچھڑے اور ان کے نیلام کے قابل بیوی صاحبہ ایک ٹوکری میں ترکاریاں
 لیکر گلی گلی اور کچہ کوچہ چلا چلا کر بھی فروخت کرتے رہتے ہیں جن سے ہمیں کوئی بحث نہیں،
 پس جمالت کی عام رسم کے موافق اکثر کچھڑوں کے ہاں ادھر نئی دُسن بیاہ کر لائے اور ادھر
 اُسی ہفتہ اُسے دکان پر رکھ دیا گیا، اب جس کا جی چاہے اُسے نئی اور شرمیلی دُسن سمجھے اور
 جو چاہے اسے سبزی کی ایک ٹوکری سمجھے کیونکہ ابتدائی دنوں میں گاہک سے ذرا کم بات کرنی
 ہے مگر عام لوگوں سے ۷۵ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گفتگو کرنے کی عادت پیدا کرنے کے لئے
 اس کی ساس دکان کے اندر موجود رہتی ہے جو گاہک سے گفتگو کے طریقے سکھاتی رہتی ہے
 اور یہ خود بھی جو بولا اور رسماً سیکھتی رہتی ہے، کہیں کہیں اسے دُسن کے پورے لباس اور
 پورے زیور کے ساتھ دکان پر بٹھا دیا جاتا ہے، اور اسی لئے ابتدا میں اس کا گھونگھٹ ہر وقت

سبزی کی ٹوکری تک لمبا نظر آتا ہے مگر وہ رواج کی جہالت کے باعث چند دن بعد ہی اتنی تیز اور بے باک ہو جاتی ہے کہ پھر پلاٹ روزی ایسے دس ہریٹر اور دکیلوں کے ہاتھ نہیں آتی۔ چونکہ اس کا مکان پر بٹھایا جانا گھڑا برادری کی رسم کے موافق ہوتا ہے اسی لئے دولہا میاں اسے اپنی بے غیرتی اور بے شرمی تصور نہیں فرماتے اور نہ اس بات پر لڑکی والوں کو ناگوار آتا، نتیجہ یہ کہ اُس کے مزاج میں شوخ چٹھی، گستاخی، ہزل گوئی، بدتمیزی اور آزادی کی ہر عادت پیدا ہو کر خاص مضبوط ہو جاتی ہے اور سودا خریدتے وقت مصیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں

اشراف شہر،

اگرچہ اس کے شوہر صاحب بھی دوکان پر موجود رہتے ہیں مگر اس طرح کہ یا تو سبزی کی ٹوکریوں کو آراستہ کرتے پھرتے ہیں یا اندر بیٹھے روٹی کھایا کرتے ہیں، گلیا شوہر کیا ہوتے ہیں اپنی بیوی کے اچانچ افسر ہوتے ہیں یعنی جب کبھی کسی کام کے لئے دوکان سے اٹھے تو یہ بیٹھ جائیں ورنہ عموماً دوپہر کے وقت شوہر صاحب اور صبح و شام بیوی صاحب، اس زمانہ میں اس کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ کبھی لہکا نہیں ہونے پاتا، اس کے جس قسم کے زیور کو حسن اور آرائش کا لاجواب نمونہ سمجھا جاتا ہے وہ نہایت درجہ بھونڈا ہوتا ہے اس کے زیور کا زیادہ زور اس کے چہرے پر صرف ہوتا ہے مثلاً اس کے کان اس کی ناک اور اس کا سر تک عجیب عجیب قسم کے زیور سے آراستہ تو کیا ہاں لاہما نظر آتا ہے، باقی تمام زیور چاندی کا ہوتا ہے اور ساخت میں لوہے کا زیور معلوم ہوتا ہے یعنی نہایت بھونڈا اور موٹا مگر یہ اُسے بھی اس پھرے اور گمبند کے ساتھ پہنکنا بیٹھتی ہے گویا جو زیور اس کے پاس ہے

وہ نہ ملا رموزی صاحب کی بیوی کے پاس ہے نہ کسی رئیس کی بیوی کے پاس، اس لئے وہ دکان پر فرست کے وقت اپنے زیور کو خواہ مخواہ بھی اُکھا کر یوں سلجھاتی رہتی ہے، گویا وہ زیور کی کثرت سے بہت زیادہ عاجز اور تنگ ہے، اس کا لباس کبھی قیمتی نہیں ہوتا مگر رنگ اور بھڑک کے حساب سے وہ نصف میل سے نظر آنے والا ہوتا ہے اس ٹھاٹھ سے جب وہ دکان پر بیٹھتی ہے تو اُسے ہفت اقلیم فتح کر لینے کا اطمینان ہوتا ہے، اور اسی لئے اب اُس کی گفتگو کے ہر فقرے میں خاصا غرور اور گھمنہ موجود ملتا ہے، اگرچہ یہ صورت شکل کی نہایت بونڈی کالی، اور ساٹولی سے تو کبھی اونچی موقی ہی نہیں، مگر لباس کی بھڑک سے وہ خود کو اندر سجا کی پری تصور کرتی ہے، ادھر اس کی دکان پر جانے والے خود بھی بلند ذہنیت اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ نہیں ہوتے لہذا اس کا اتنا ہی بناؤ سنگھار کافی سمجھا جاتا ہے، شاید ہی کوئی گاہک ہو گا جو اُس کے پاس سے پندرہ منٹ سے پہلے اُٹھ آنے کو گوارا کرتا ہو اور وہ بڑے مولوی صاحب کی عمر کے گاہک بھی اس کی خرافات اور نفوٹ سے بغیر سودے سے فایز نہیں ہو سکتے، بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ جہاں اس سے آپ نے تکراری کانٹے دریافت کیا اور اس نے منہ چڑھا کر کوئی آڈا تر چھا جواب رسید کیا جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہو گا کہ آپ اُس کی دکان سے چلے جانے کے عوض تاؤ کھا کر اس سے اُلجھ پڑیں گے بس جہاں آپ نے اسے کوئی جواب دیا کہ اُس نے پھر ایک ایسا فقرہ جُست کیا کہ آپ اب کھڑے رہنے کے عوض تاؤ کھا کر بیٹھ گئے اور لگے جُست فرماتے بس اب جب آپ کے تاؤ کا پارہ بڑھنے پر آیا کہ اب یہاں سے آپ کو اس کا شوہر یا وہ اندر بیٹھی ہوئی ساس سنبھال لیگی

اور فوراً کھینگی چلو جانے بھی دو میاں،
 اُس کا کیا وہ تو ہے لونڈیا، دیکھتے نہیں ہو آپ کہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے،
 اور وہ آپ کو بچا پتی بھی تو نہیں ہے،
 ہاں ہاں سچ کہتے ہو میاں ہے نا آخر کار لونڈیا، چلے جانے دیجئے،
 لائیے میں میں دیر تہی ہوں آپ کو،
 کیا لوگے مٹھی کی بھاجی،
 ہاں ہاں دو میہ سیروی کے حساب سے لیلو،
 آپ ہی کی دکان ہے،
 اچھا اچھا تو یوں ہی لے جائیے،
 آخر برسوں کے لینے والے ہو،
 ایک تم سے نفع نہ لیا تو کیا بھوکے مرجائیں گے،
 ارے میاں کہا نا کہ وہ تو ہے لڑکی ابھی، ادھر وہ آپ کو بچا پتی بھی نہیں،
 ہاں ہاں بے شک میں سن رہی تھی اندر سے،
 وہ تو میں نے آپ کی آواز سنی تب بچا پتی آپ کو،
 خیر تو بولو تین سیر دوں یا چار سیر،

بس جہاں ساس بنے آپ سے اتنی مہربانی کا اظہار کیا کہ آپ نے دُلہن کُجڑی کی تمام
 بیہودگی دل سے بھلا کر فوراً ساس کے سامنے پیسے پھینک دیے اور ترکاری لیکر گھر

یوں واپس آگئے کہ کل پھر اُسی دکان پر موجود نظر آنے لگے، اب آج اُس سے نہایت درجہ نلکت اور مہربانی سے پیش آئیگی اور اس درمیان میں اگر کہیں متمم سے کام لیا تو آپ کھڑے سے بیٹھ جائیں گے،

اس کی دکان پر مولوی مزاج حضرات جاتے ہیں تو اس طرح گویا وہ اپنی اولاد سے ترکاری خرید رہے ہیں یعنی ترکاری تو خرید فرمائیں گے ہو سے اور گفتگو جاری رہے گی وہ اندہ والی ساس سے،

تو اچھا یہ تمہاری بہو ہیں،

ماشاء اللہ، خدا عمر دے،

ہاں تو یوں کہو کہ تمہارے چھوٹے بچے کی دلہن ہے،

ہاں ہاں وہی پرنسپل،

چلو الحمد للہ، جیسا ماشاء اللہ وہ نیک بچہ ہے ویسا ہی خدا نے جوڑ دیا، خدا برکت دے،

اچھا اب سمجھا میں تو یوں کیوں نہیں کہتی ہو کہ بنی بخش کی صاحبزادی ہیں یہ،

اربعی بنی بخش تو بڑا ہی اللہ والا تھا، خدا بخشے اُس کو وہ توبہ چارہ میرے وعظ میں آیا

کرتا تھا کبھی ناغہ نہیں کرتا تھا، ایک مرتبہ تو خود اُس نے اپنے گھر پر میرا وعظ کرایا تھا، بڑا

ہی جنتی آدمی تھا، تو اب اُس کے بچے اور ہیں یعنی ایک تو یہ تمہاری بہو اور؟

ساس = بس مولوی صاحب ہی ایک لڑکی تھی،

مولوی صاحب = خیر خدا اسی کو اُس کی یادگار رکھے،

ساس = اُسے مولوی صاحب وہ خوب یاد آئی مگر خیر اب تو موقع نہیں مگر ہاں کسی دن آپ ہی کے گھر پر آکر کہوں گی،

مولوی صاحب = (بے چین ہو کر) تو کہو کہو آخر کیا بات ہے؟

ساس = بے ہوشی طرف اشارہ کر کے کہوں کیا کچھ بھی نہیں کوئی بڑی بات نہیں ہے آپ کے نزدیک اسی آپ کی بیٹی کے لئے ایک تعویذ لینا ہے آپ سے،

مولوی صاحب = (خوش ہو کر) اچھا اچھا اب سمجھا میں، تو کہو تو کل لیتا آؤں تعویذ؟ وہ تو جیسے تمہاری بہو کا کام ویسا میری اولاد کا کام انشاء اللہ خدا مراد پوری کرے گا تمہاری، وہ دیکھو نا وہ تمہاری ہی برادری کے وہ کیا نام اُس کا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اس وقت بھول رہا ہوں خیر تو اسے بھی تو میں نے ہی تعویذ دیا تھا،

ہاں ہاں تو تمہارا گھر ہے میں تو صبح کی نماز پڑھ کر ذرا سو جاتا ہوں کیونکہ کچھلی رات کو بھی تم جانتی ہو کہ مجھے بہت زیادہ پڑھنا ہوتا ہے خیر تم تو کوئی سوادس بجے کے قریب آ جانا بس ایک دو آنے کی زعفران لے آنا،

اولاد پیدا ہونے سے پہلے اس بیوی کو مولویوں، پیروں، صوفیوں، فقیروں، اور قبروں کے آس پاس خوب گھمایا جاتا ہے مگر اس کے ہاں اولاد پیدا ہونا بازار اور گاہک کے حق میں ایسا ہی مصیبت ناک ہے جیسا کہ گورنمنٹ کے لئے یہ سوراخ مانگنے والے یا دولت کے حق میں یہ بازاروں میں بھیگ مانگنے والے گداگر،

اب اگر کرنا خدا کا یوں واقع ہو گیا کہ اس کے ہاں ایک آدھ کالا سا بیٹا پیدا ہو گیا تو

سمجھ لیجے کہ اب دکان پر اس کے خمرے اور غرور کی کوئی حد نہیں، مزاج میں بھی اب وہ آزادی اور تلخی ہوگی کہ وہ پنجاب میں گولہ باری کرنے والے جنرل ڈائیر کا غصہ ایک طرف اور یہ کو تو الی میں طرہوں کو اوندھا لٹکا کر مارنے والے کو تو الوں کا ناؤ ایک طرف، سب سے بڑی مصیبت یہ ہوگی کہ اب دکان پر اس کا بیٹا دن میں ایک مرتبہ بھی اس کی گود سے علیحدہ نظر نہ آئیگا، اور گود میں بھی کس طرح کو لدھ سے چٹا ہوا، یا بھوما ہوا، یا لپٹا ہوا، یا لٹکا ہوا پھر اس بیٹے سے ان نئی والدہ صاحبہ کا عشق وہ کہ فرما دے گی اپنے عشق سے شرمندہ اور مجبور بھی نادم،

ابھی لوند اسوا میں نے کہا ہے کہ اُس کے گلے میں دنیا کے ایک ایک مولوی ایک ایک صوفی ولی اور ایک ایک قطب صاحب کا تعویذ موجود ملیگا، پھر یہ اس حد سے سوا بھونڈے بیٹے کو زیور لباس اور کاجل سے یوں آراستہ رکھیگی کہ جب دیکھئے دکان پر بیٹھی اُسے سنوار رہی ہے، پر لطف بات ہے کہ گاہک کو ترکاری بھی دیتی جائیگی اور بیٹے کو دودھ بھی پلائی جائیگی، اس بیٹے کو وہ کھانسی ہو جانے پر بھی حکیم صاحب اور پیر صاحب کے ہاں لیجاتی ہے اور نکال دیا جاتا ہے، اس کے ہاں اولاد کی تعاریب اور نذر و نیاز کا کوئی اندازہ مقرر نہیں کیا جاتا بس یوں سمجھئے کہ وہ بغیر نذر و نیاز اور بدعات کے زندہ نہیں رہ سکتی، مگر اولاد پر اس حد سے سوا محبت کے باوجود بھی وہ اتنی دولت صرف نہیں کرتی کہ صاحبزادے صاحب ٹھیکڑ بھی جاسکیں اور سنیٹیا بھی، یہی حال بیٹے کی معاشرتی زندگی کا ہوتا ہے کہ وہ میپ چوتاپن سکتا، نہ انگریزی ٹوپی، تعلیم اور تہذیب کے نام اللہ کا نام، اور بائیسکل اور ہاتھ کی گھڑی کے لئے

والد صاحب کا طاپچہ اور لاڈلے بیٹے صاحب کا منہ، بس روٹی کھاؤ اور کھڑے بنے
 ہوئے دکان پر بیٹھے رہو، اسی لئے کھڑوں کی اولاد ابتدا ہی سے جفاکش ٹھنٹی اور مستعد
 نظر آتی ہے اور آخر عمر میں دولت مند

الغرض پہلا بیٹا ہونے پر اب اس کی مزاحی آزادی اور زبانی تلخی سب سے پہلے پاس والی
 دکان کے لئے عذاب بن جائیگی چنانچہ اس کی پہلی لڑائی پاس والی دکان والی یا دکان
 والے سے ہوتی ہے اور وہ بھی اتنی سی بات پر کہ اس دکان دار نے ترکاری کی ایک ٹوکری
 اس کی ٹوکری کے قریب رکھ کر قبضہ خالفانہ کیوں کر لیا؟ چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ یہ اتنی بات پر
 بازار میں اس زور شور سے لڑتی ہے کہ ایک مرتبہ مہذب سے مہذب راہ گیر کو بھی اس
 ہنگامہ پر متوجہ ہونا پڑتا ہے، اس کی زبانی لڑائی کی رفتار پنجاب میل کی رفتار سے کسی
 طرح کم نہیں ہوتی وہ لڑائی کے وقت اپنی زبان سے جتنا کام لیتی ہے مثلاً وہ زبان سے غش تر
 الفاظ ادا کرتے وقت ہاتھوں کو بھی اٹھا مٹکاتی ہے کہ گالی کی ہلکی سی تصویر نظر کے سامنے
 آجاتی ہے اور سمجھنے میں تو ادنیٰ سی دشواری بھی نہیں ہوتی ادھر اس نے گالی کا پہلا
 حرف شروع کیا ادھر آپ پوری گالی کو سمجھ گئے کیونکہ اس کی گالی حد سے سوا صاف اور
 تہذیب کے تمام قاعدوں سے بری ہوتی ہے، اس کی لڑائی میں بعض اوقات ایک سے
 لیکر چار چار دکانیں شریک ہو جاتی ہیں، کبھی کبھی یہ لڑنے والی کے سامنے تھکنے بھی لگتی ہے
 اس کی پاس والی کچھیاں اپنی اپنی دکانوں پر بیٹھی اس کی ہاں میں ہاں ملایا کرتی ہیں مگر نہ
 اور مارنے کی حد سے یہ خود بھی دور رہتی ہے اور اس کی طرف ابھی دور، اس کی لڑائی کا

زور صرف اتنی دیر کے کے لئے دھماکا پڑ جاتا ہے کہ عین لڑائی میں کوئی گاہک آجائے کیونکہ یہ انتہائی غصہ کے عالم میں بھی ترکاری فروخت کرنے سے باز نہیں رہتی لیکن جہاں گاہک سودا لیکر روانہ ہوا کہ اس کی بوا اس پھر شباب پڑا گئی، کبھی کبھی یہ بے خبر گاہک کو بھی لڑائی کی تفصیل سنائی جاتی ہے اس عرصہ میں اندھ بھی ہوئی ساس صاحبہ کبھی کبھی اتنا ارشاد فرمادیتی ہیں کہ

چل چل سودا دے میاں کو دیکھ وہ کب سے کھڑے ہیں اور کہیں کہیں ساس بھی اس لڑائی میں حصہ لیتی ہے مگر اس طرح کہ کراہی دکان کی اندرونی حد سے باہر نہیں آتی، اس بیوی کا بڑا پاتا م بازار کے لئے مصیبت ہوتا ہے اب یہ گاہک کی دوست نہ اپنے بیٹے اور بہو کی دوست بلکہ جو اس کے مقابل آیا اُسے سناٹے بغیر نہیں رہتی اچھے اچھے گاہک بڑی گنجری کی دکان پر جانے سے گھبراتے ہیں کیونکہ اس کی بوا اس جتنی غیر منذب اور بے ضابطہ ہوتی ہے اتنی ہی کوتوالی کے قانون سے بھی آزاد، پھر اس کی لڑائی کا بھی کوئی ضابطہ نہیں بلکہ جہاں سے چاہتی ہے لڑائی شروع کر دیتی ہے مثلاً آپ اسے پیسہ دیکر کہیے کہ ذرا نرم اور ہر ہری بھاجی دینا تو بجائے جواب دینے کے آپ کے اوپر آپ کا دیا ہوا پسیا پھینگ دیگی اور بعد میں کہیگی کہ ایسی نرم ترکاری کسی اور دکان سے لیلو میرے ہاں نہیں ہے مگر اسی کے ساتھ جب وہ انسانیت کے پاجامے میں ہوتی ہے ”تو پھر گاہک کو اپنی ترکاری کا عاشق زار بنانے کے لئے بھی عجیب عجیب جملے اور فقرے استعمال کرتی ہے ہر ترکاری کی تعریف کے لئے اس کے جملے بھی خاص ہوا کرتے ہیں مثلاً لکھنویں کھیرے کی انفاست بیان کرنے کے لئے یہ جملہ بہت

شہر ہے کہ لیلے کی اُنھلیاں ہیں اور منیوں کی سپلیاں ہیں، اسی طرح وہ گاہک کو دوسری دکان پر جانے سے روکنے کے لئے بھی چند جگہ استعمال کرتی ہے اور بے وجہ بھی آپ کو گزرنے پر گہری کہیاں آج فلاں ترکاری لیتے جائیے آپ تو عرصہ سے کچھ خریدتے ہی نہیں، تو آخر آپ مجھ سے کیوں خفا ہیں، خیر آپ لیں یا نہ لیں مگر دیکھتے تو جائیے،

اس کے لباس میں لٹکا اور پشوا ز خاص چیزیں ہوتی ہیں وہ اُس وقت تک استعمال کرتی ہے جب تک کہ اُس کے ریزے ہو امیں اڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے اور زیور سے تو کسی عمر میں بھی نہیں چوکتی،

پاکدامن، شوہر کی خدمت گزار، بے حد گرسہت اور بدعات و رسوم کی حد سے سوا پابند، دولت جمع کرنے میں طاق اور کم خرچ کرنے میں عراب، بچوں کی تعلیم و تربیت سے اس لئے بے خبر کہ خود بھی علم و تربیت سے بے خبر اور شوہر بھی جاہل، مکان کو آراستہ اور مستحضر کھانا نہ والد کے گھر سیکھا نہ شوہر کے ہاں ضرورت، نہایت گندہ اور تاریک گھر مگر کھانے پکانے کے کاموں میں مستعد، اس کے ہاں نہ پیچھے نہ ملازم نہ دھوبی کی سخت ضرورت، وہ خود ہی اپنے گھر کے لئے پانی لاتی ہے اور اکثر اوقات خود ہی کپڑے دھوتی ہے گھر میں بھی لڑا کا اور شوہر صاحب سے اُنکھنے کو تیار مگر نہ اتنی کہ طلاق اور مقدمہ تک معاملہ پیونچے،

زیور کے حق میں بے حد حرص اور ایک سے لیکر پندرہ سیر وزن کا زیور استعمال کرنے کے لئے ہر وقت تیار، بڑے بڑے کے باعث مزاج میں تلخی وفات سے قریب

ہونے پر اور زیادہ ہو جاتی ہے، اس قسم کی بوڑھی کُنجری کو خدا کا ن پر مٹھا ہوا نہ دکھائے
 کیونکہ اب اُس کا حلیہ اس درجہ ناگوار ہوتا ہے کہ خدا کی پناہ، یوں سمجھے گویا اُس کے گوت
 پوست کو جسم سے نکال کر اُس کی ہڈیوں تک کو شکنجہ میں کس کر اس کی دوکان پر چواہ خواہ
 بٹھا دیا ہے اب اس کی صورت اور لباس سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا تمام دنیا کا غصہ
 اور خشکی سمٹ کر کُنجری بن گئی ہے، یہ دکان پر جس انداز سے بیٹھتی ہے اُس سے پتہ چلتا
 ہے کہ وہ اس پورے بازار سے بیزار مٹی ہے، اس عمر کی کُنجری کے شوہر صاحب بھی اب
 دُکان پر چمچہ بنے بیٹھے رہتے ہیں، گویا وہ اب دُھواں بھی دھواں ہیں اور چنڈ منٹ کے
 مہمان، بڑی جرات کر کے اگر اٹھتے بھی ہیں تو دکان کی ایک ٹوکری سے دوسری
 ٹوکری تک آتے ہوئے تین چار مرتبہ کھانسی کا فرض بھی ادا کرتے ہیں اور سجدہ کرنے کا بھی
 کبھی کسی ترکاری کو سنبھالنے کی ہمت بھی کرتے ہیں تو اس طرح کہ وہ سبزی ترکاری کو نہیں
 بلکہ ترکاری خود انھیں سنبھال رہی ہے مگر اس درجہ ضعیف کُنجری کی بیوی اتنی سست اور
 کاہل نہیں ہوتی بعض ماہرین اور حقیقین کا خیال ہے کہ کُنجری اس عمر میں بیون سے بھی کام لیتی ہے
 مگر ملا موزی کا تجربہ یہ ہے کہ ایون فور کی گنگو میں وہ زور باقی نہیں رہتا جو اس مرنے پر آتا
 کُنجری کی زبان میں پایا جاتا ہے، امان کمال ہی ہے کہ جتنی زیادہ عمر کی کُنجری کی دُکان پر
 جائے اُتنی ہی تیز دُشمنگالیاں سُکر آئیے، تو یہ تاثیر ایون کی کہاں جبکہ ایون والوں کو ایک
 آزاد اور کشادہ سی انگڑائی لینا بھی محال اور آپ کو نظر سمجھ کر دیکھ لینا بھی مشکل محسوس ہوتا ہے
 اگر یقین نہ ہو تو ایون کی نصف تولہ عوناک مقرر کر کے دیکھ لیجے، فقط،

تمبولی کی بیوی

تمبولی ۹۹ فیصدی آبادی کی جان ہے، یہ پان سیکریٹ، بیڑی، اور تمباکو فروخت کرتا ہے جو ہندوستانیوں کی تفریحی غذائیں مانی گئی ہیں اور ان کے بغیر ہندوستانی نہ دیں کارہنہ نہ دنیا کا بس غنودگی اور چلا چلا کر عجائباں لینے کے قابل رہ جاتا ہے، پھر ان پھالیا، حقہ، اور سیکریٹ، بیڑی پینے والوں کی بھی اقسام اور نسلیں ہوتی ہیں یعنی ایک وہ ہوتا ہے جو ان میں سے ایک چیز کو اس کثرت اور زیادتی سے استعمال کرتا ہے کہ دیکھنے والا حیران رہ جاتا ہے مثلاً پنجاب و سرحد کا آدمی اس کثرت سے حقہ پیتا ہے کہ دیکھنے والا کہہ یہ آدمی حقہ نہیں پی رہا ہے بلکہ حقہ اس آدمی کو پی رہا ہے، یہی حال بیڑی پینے والوں کا ہوتا ہے، سیکریٹ کا بچہ اس لئے کم ہوتا ہے کہ اس کی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور ۹۹ فیصدی ہندوستانی مفلس ہوتے ہیں، یہی حال گٹکا کھانے والوں کا ہے چنانچہ بعض لوگ اس کثرت سے گٹکا کھاتے ہیں کہ دیکھنے والا سمجھے کہ ان کے منہ پر کسی ظالم نے اس زور سے جوتا مارا ہے کہ منہ سے خون کی دھاریں نکل کر ان کے کپڑوں کو داغدار بنا گئی ہیں مگر اس بے چارے نے کو تو الی میں ریٹ تک نہ لکھائی ویسے ہی حوں آلود کپڑے پہنے پھر رہا ہے،

ہندوستان کی تاریخ تمدن“ سے بھی آگے جائیے تو ان چیزوں کے وجود کے ذمہ دار یعنی پان

گئے، اور حق کے موجدین شاہانِ مظلیم ہی ملتے ہیں اور چونکہ یہ سب کچھ آوردہ شاہی تھا اس لئے ہندوستانیوں نے اپنی غلامِ نظرت اور مرعوبِ طبیعت کے ہاتھوں خوب ہی نوازا، پروانِ چڑایا اور لطف یہ کہ شاہانِ سابق سے جو حقہ اور گٹکا عطا ہوا تھا ابھی اُس کی غنودگی دور بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انگریز بھائیوں نے سیکریٹ کا تحفہ بھی عطا فرمادیا، نتیجہ یہ کہ صوبجات متحدہ کے باشندے تو ان چیزوں کی سنبھال اور ترقی میں اپنے دماغ اور دولت کی بہترین قوتیں لیکر مصروف ہو گئے اور انگریز بھائی ہوائی جہاز، ریل، اور ٹوپ خانے بنانے کے لئے پھر یورپ واپس چلے گئے چنانچہ خود ملازمی نے ۱۹۱۷ء میں اپنی تعلیم کے سلسلے سے کانپور میں رہ کر دیکھا ہے کہ پان کی ایک چھوٹی سی گاڑی بازار میں بھرائی جاتی تھی جس پر ایک تختہ لگا تھا اور اس پر پان کی اقسام اور قیمت لکھی رہتی تھی چنانچہ سب سے اول درجہ کے ایک پان کی قیمت خالص ۷۷ روپیہ تھے، کچھ شک نہیں کہ پان کی ترقی میں لکھنؤی باشندوں نے جو دولت صرف کی ہے وہ کسی دوسرے صوبے کے باشندوں نے نہیں کی اور اسی لئے آج جس قیمت اور جس شان کا پان لکھنؤ والے کھاتے ہیں اُسے ”بادشاہ لوگ“ ہی کھا سکتے ہیں، اب آپ کہیں گے کہ پان تو بہر حال ایک درخت کے سبز پتے ہی کو کہتے ہیں پھر لکھنؤ والوں نے اس میں کونسا سرخاب کا پر لگا دیا ہے جو اس کی قیمت اور شان اس درجہ اونچی بنائی جاتی ہے اس لئے صرف ایک پان کی صورت بتاتے ہیں، یعنی درخت کے اس سبز پتے کے ساتھ جو چیزیں کھائی جاتی ہیں اُس کا مجوزہ نسخہ یہ ہے پان، الائچی، زعفران، چھالک، قوامِ غنبری، بادامِ کاغذ، کوکین، کتھا، چوڑا، ورقِ نقوہ یا طلائی، ایک ہونے پر ایک عدد، نصف، تہائی، ایک رتی، پانواشد، بقصد عادت نصف، نصف، نصف، نصف

زردہ دہتر یا معطر، لونگ، معطر گولی، یہ اور ان سے بھی زیادہ چیزوں کا مجموعہ کہیں ایک پان
 ایک ماشہ ^{ایک عدد، ایک عدد} کہیں ایک گھوری، اور کہیں ایک بڑا گھما جاتا ہے، اور انہیں چیزوں کا اہتمام جتنا زیادہ کیا جاتا
 ہے اتنی ہی قیمت زیادہ ہوتی ہے اور اسی کے فروخت کرنے والے کو تمبولی کہا جاتا ہے،
 لیکن آبادی سے تعلقات کا یہ عالم ہے کہ

۵ دوش و غنی بندہ تمبولی اند،

جس شہر میں تمبولی نہو اس شہر کی آبادی کا جینا بھی مشکل اور مزاحی حرام، اور اسی لئے تمبولی
 کی میں اجماعی حیثیت نہایت ضروری اور قیمتی ہے،

تمبولی کسی قوم یا نسل کو نہیں کہتے بلکہ یہ پان، کی تجارت سے پیدا ہوتا ہے اب خواہ قوم کا بڑا
 یا شیخ، البتہ اس تجارت سے تعلق رکھنے والوں کی مجموعی تعداد کو ایک برادری یا ایک قوم سمجھا جاتا
 تمبولی کی حیثیت کو بلند بنانے والی بیگمات شاہی گزری ہیں جنہوں نے شاہانہ مقدرت کے
 کے باعث پان کو قیمتی اور پرکیر بنانے میں بہت زیادہ حصہ لیا، اس وقت تمبولی کی بیوی
 بھی اس لئے قابل توجہ بن گئی تھی کہ وہ پان چھو پچانے کبھی کبھی محلات شاہی تک پہنچتی تھی،

پان کو قابل ذکر بنانے والی دوسری جماعت شعرائے ہند کی ہے جنہوں نے پان کو ”محبوب“
 کے حُسن کا جزو اعظم قرار دیکر اس کی ثنا و صفت میں اپنی بہترین دماغی قوتیں صرف فرمائیں،
 چنانچہ بے شمار اشعار پان کی تعریف میں اردو میں موجود ملتے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں،

۵ مسی المیدہ لب پر رنگ پان ہے

تماشہ ہے تر آتش دُموں ہے، (ناسخ)

بوسہ کیسا کہ گھوری بھی نہیں پاتے ہیں،
شعر جا جا کے اُنھیں روز سنا آتے ہیں،

(اکبر الہ آبادی)

یاد اتنی تمہیں دلاتے جائیں،
پان کل کے لئے لگاتے جائیں،

(زہر عشق)

تمبولی کی بیوی کو قابلِ ذکر سمجھ کر اُردو کے نامور مصنفین نے بھی اس پر طبع آزمائی فرمائی ہے چنانچہ مشہور مصنف پنڈت رتن پرشار نے اپنی مقبول عام کتاب ”فسانہ آزاد“ میں اس بیوی کا تذکرہ متعدد اور مختلف مواقع پر کیا ہے، اس کا تذکرہ اُردو کے بے شمار ناولوں میں بھی موجود ملتا ہے، گویا ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمبولی کی بیوی نہایت درجہ عالمگیر نہایت درجہ شاعرانہ اور نہایت درجہ ادبی اثرات کی مالک ہے،

موجودہ زمانے میں بھی اس کے کاروبار نے خاصی ترقی کی ہے اور اب اس کی دکان پر پان کے ساتھ بڑی، سیگریٹ، اور کہیں کہیں چند اور چیزیں بھی ملتی ہیں، بمبئی، کلکتہ، کانپور، لکھنؤ، دہلی، لاہور اور ناگپور میں اس کی دکانیں نہایت شاندار اور قسم اول کی موجود ہیں، اس کی دکان کی عام آرائش کی چیزوں میں بڑے بڑے آئینے نہایت ضروری چیز ہیں، ان کے بعد نہایت بے معنی اور بے جوڑ قصاویر کا ہونا بھی ضروری ہے، دکان کے پاس، سامنے، یا ایک طرف لمبی میز، کرسی، یا بیٹھنے کے لئے پتھر کا ہونا بھی ضروری ہے اور جو ایک بڑی سی گھڑی بھی ہے پھر

تو اس کی دکان کا جواب ہی نہیں ہو سکتا،

قبولی کی بیوی کیسے جاہل ہوتی ہے اس لئے کہ شوہر بھی، خاندانی جاہل ہوا کرتا ہے، بہت زیادہ

لکھا پڑھا تو بس اتنا کہ آڑے ترچے حروف سے دکان کا حساب لکھ لیا، یا کبھی کبھی دکان پر بیٹھے بیٹھے، راتاً، قصہ حاتم طائی، گل بکاؤلی، ایسی کتابیں چلا چلا کر اور ہل ہل کر پڑھنے لگے، ان کے ہاں بھی شادی کے لئے عمر کی قید نہیں، اس لئے جب چاہا شادی ہو گئی اور جتنی عمر کی

دہن ملی لے آئے، شادی معمولی قسم کی ہوتی ہے، کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں، البتہ شادی کے بعد سے اس بیوی کو کارآمد بنایا جاتا ہے یعنی وہ کسی عمر اور کسی قسم کی کم ہو مگر شوہر کے گھر آتے ہی اب اُسے شوہر کی دکان پر بیٹھنا ہوگا اور شوہر صاحب بیوی بن کر

یا دکان کے اندر سوتے رہیں گے یا گھر میں، اس لحاظ سے کچھ شک نہیں کہ اس بیوی کا شوہر نہایت درجہ بے غیرت اور بے حیا ہوتا ہے اور وہ اپنی نئی فیملی بیوی کو بازار میں بٹھا کر اُس کی طرف متوجہ ہونے والے لوگوں کو اپنی دکان کا گاہک بناتا ہے

اس بے حیائی کا لازمہ یہ ہوتا ہے کہ بیوی بھی معلوم کر لیتی ہے کہ دکان پر مجھے بٹھانے کا فضا، ہی یہ ہے کہ میری وجہ سے خریدار زیادہ آئیں اس لئے اس کے اندر بھی قدر بے حیائی کا جذبہ ترقی کرتا ہے، اور اب وہ دانستہ طور پر اپنے اندر ایسے خواص اظہار

پیدا کرتی ہے جو حد سے سوا اب بے غیرتی اور بے حیائی کے نمونے ہوتے ہیں اور فرب کے نہایت بھونڈے طریقے، مثلاً وہ ہر وقت نہایت درجہ شوخ اور رنگین لباس پہن کر دکان پر بیٹھ سکی، زیور بھی کافی ہوگا، اور آنکھوں میں سرمہ بھی، آپ کو راستہ گزرتا پا کر کبھی کبھی اس

طرح مسکرائیگی گویا اُس سے آپ کی کافی واقفیت ہے اُن کے کان پر آنے والے لوگوں سے وہ کبھی کبھی اس رنگ سے گفتگو کریگی گویا وہ آپ سے گفتگو کرنا پسند ہی نہیں کرتی اور کبھی کبھی اس طرح گویا وہ آپ کی قدیم خیر خواہ اور نیا زمند ہے، آپ سے وہ دن بھر خواہ بے پردہ بیٹھے مگر گاہک کے آنے پر وہ یا لمبا گھونگٹ مٹھا لیگی، یا پھر آپ کی طرف سے نوح بدل کر ٹیٹھکی، پھر اگر آپ اس کی دکان پر دو چار مرتبہ جائیں گے تو اب وہ آپ سے نہایت بیٹھے لہجہ میں یہ بھی دریافت کریگی کہ آپ کل کہاں رہے مجھے تو خیال تھا کہ آپ آئیں گے، بس اُس کا آپ سے اتنا دریافت کر لینا آپ کو اُس کی دکان کا زرخیز گاہک بنادیتیگی، اس کی دکان پر بازاری غنڈے بڑے شوق سے جاتے ہیں، ان کے بعد اسکول کے لوندوں کا اس کی دکان پر آنا نہایت ضروری ہے، جہاں اسکول کی ٹھپٹی ہوئی اور طلبہ آنا شروع ہوئے پھر یہی نہیں بلکہ اسکول جاتے وقت بھی آتے ہیں درمیان میں بھی اور گھر جاتے وقت بھی، یہ اسکول کے لڑکوں کو فرض پان سیکریٹ دیتی ہے مگر حساب صرف اس کے دل میں رہتا ہے، کیونکہ اُدھر نوجوان طلبہ جتنا مانگیں اتنا دینے کو تیار، اور اُدھر یہ بھی کھاتے اور حساب کی کتاب لکھنے سے معذور ہوتی ہے بعض جوشیلے گاہک اُسے ہمیشہ دانستہ طور پر زیادہ قیمت دیتے ہیں، بعض صاحبانِ ذوق اپنے لئے خاص قسم کا پان بنانے کا قاعدہ بھی سکھا دیتے ہیں، جسے یہ خوب یاد رکھتی ہے اور یہ خاص پان والے صاحب اپنے ساتھیوں سے فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ دیکھئے وہ میرے لئے خاص طور پر پان بناتی ہے اور اسی لئے مجھے کسی دوسری دوکان کے پان پسند ہی نہیں آتے، بعض اس کے ہاں پیشی رقم جمع

فرمادیتے ہیں، جس کا حساب بھی نہیں سمجھتے ہیں جس دن بی تمبولن صاحب فرمادیں کہ حساب ختم ہو گیا اُسی دن یہ مزید رقم عطا فرمادیتے ہیں بعض کے لئے یہ چند پان علیحدہ اور پوشیدہ رکھ دیتی ہے اور جب یہ تشریف لاتے ہیں تو انہیں دکھا کر وہ علیحدہ رکھے ہوئے پان لا کر دیتی ہے اور یہ اسی مخصوص برتاؤ کی خوشی سے بے ہوش رہتے ہیں اور احباب سے کہتے ہیں کہ مکھئے میرے مزاج کو کتنا پہچانتی ہے، اس کی دکان پر بعض اوقات عدالتوں کے وکیل، بیرٹر اور پروفیسر بھی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے پان سگریٹ خریدتے نظر آتے ہیں، اور تمبولن صاحب مذاق دہلی اور بجلے بازی سے بہت زیادہ لطف حاصل فرماتے ہیں، بعض نیم جاہل دولت مند اور امراء بھی اس کے ہاں سے دھڑ پر دہ، پان منگواتے ہیں، اور جب ان کا مرسلا آدھی اس کی دکان پر جاتا ہے تو تمبولن مسکرا کر پان دیتے وقت آہستہ سے کہتی ہے کہ ”ہمارا بھی سلام کہہ دینا، بعض قابو سے باہر گاہک اس کے اور اس کی دکان کے لئے تحفے بھی عطا فرماتے ہیں،

بعض اس کی دکان یا دکان سے قریب گزرتے وقت اس کو اشار بھی سنااتے ہیں، جس پر یہ بظاہر غصہ ہو کر آہستہ گالیاں بھی دیتی ہے، ملازمی نے اس کی دکان پر بعض انگریز اور دیسی صاحب بہادروں کو بھی اکڑتے ہوئے دیکھا ہے، اور پان کھاتے ہوئے ان کے شوہر صاحب چوہیں گھنٹے میں دو چار مرتبہ ہی نمودار ہوتے ہیں، فاصلہ اس وقت میل کے لئے آجاتے ہیں جب تمبولن کی کسی غنڈے سے چل جاتی ہے یا پھرجاتی ہے، گاہکوں کی کثرت کے باعث اس کے مزاج میں غرور اور غرور زیادہ ہوتا ہے اس لئے اگر اس سے

کسی صاحب کی چٹ جائے تو بھرا برو کا سلامت لے جانا محال ہوتا ہے، یعنی قبول تو جو
 چاہے آپ کو منسلک لیکن اگر آپ نے اس سے ایک فقرہ بھی تیز کہہ دیا تو تمام بازار مع پوسٹ
 کے سپاہی کے آپ ہی سے چٹ جائیگا یہ کہہ کر کہ جانے بھی دیجے حضرت وہ پھر عورت ذات
 ہے،

یہ سبوی نہایت درجہ پاکباز، امور خانہ داری میں بے حد مستعد، چست چالاک، دولت
 کمانے اور جمع کرنے میں استاد محتاط، گھر میں صفائی کی عادی، البتہ شوہر پر غالب رہنے
 والی اس وجہ سے کہ وہ کماتی ہے اور شوہر کھاتا ہے، خود جاہل ہوتی ہے اس لئے
 اولاد بھی جاہل ہوتی ہے،



حلوائی کی بیوی

تجارت اور بازاری کاروبار میں اس بیوی کا رتبہ بھی کسی سے کم نہیں ہے، حلوائی کسی خاص قومیت اور قبیلے سے علاقہ نہیں رکھتا بلکہ ہر وہ شخص جو مٹھائی کی تجارت کرتا ہے حلوائی کہا جاسکتا ہے، اس میں ہر فرقے اور قوم کے لوگ شریک ہوتے ہیں اس کے ہاں بھی ہر عمر اور ہر سن کی بیوی پائی جاتی ہے، اس کی دکان دھڑ دکانوں کے مقابل شہر کے زیادہ آباد اور بڑے بزار میں ہوتی ہے، کچھ تنگ نہیں کہ حلوائی مرد زیادہ کام کرتے ہیں مگر ان کے بعد دکان پر رونق افزا ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے اس کی دکان کی رونق تقریباً دوسری دکانوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے، دکان کی آرائش میں انتہائی سلیقے اور قرینے سے کام لیا جاتا ہے،

مہاجنی دماغ ہونے کے باعث حلوائی نہایت درجہ گندے، غلیظ اور میلے کپڑے بھی استعمال کرتا ہے، مگر اس کے ننھے میاں کی والدہ ”بیگم حلوائی“ ہونے پر بھی نہایت درجہ شوخ اور بھاری لباس اور زیور استعمال فرماتی ہیں، عام طور پر دکان پر ان کا قیام بھی ”رونق افردزی“ سمجھا جاتا ہے، اور یہ بھی ہے کہ حلوائی کو مٹھائی تیار کرنے سے بھی فرصت نہیں ملتی لہذا اگر یہ نہ بیٹھے تو کون بیٹھے؟ اگرچہ یہ کوئی ضروری بات نہیں کہ ہر دکان پر اس

کا بیٹھنا یقینی ہے مگر ہاں یہ ایسی بھی نہیں کہ دکان پر بیٹھنے سے معذور ہو لہذا وہ بیٹھتی ہے یا بیٹھائی جاتی ہے اور جب وہ بیٹھتی ہے تو بیٹھی ہی رہتی ہے،

اس بیوی کی بھی کوئی خاص برادری یا قومیت نہیں ہوتی بلکہ مٹھائی بنانا یا فروخت کرنا ایک قسم کی تجارت ہے لہذا حلوانی کی بیوی بھی وہ جو مٹھائی بنائے یا فروخت کرے خواہ وہ کوئی پٹھان اور مل ہو یا برہمن اور چھتری،

بعض دکانوں پر چھوٹی عمر کی بیوی بھی نظر آتی ہے، مگر اتنی کہ اُسے ننھی مٹی، کما جائے البتہ اُس کے دکان پر رونق افروز ہونے کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ضرور ہے کہ دکان کی حدود میں حلوانی جتنا میللا، گندا اور غلیظ نظر آتا ہے یہ اتنی ہی صاف زرق برق اور بھرپور دار، ہو کر بیٹھتی ہے، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ ہر وقت بے پردہ ہو کر مٹھائی فروخت کرتی رہے، بلکہ اکثر اوقات وہ لمنہا سا گھونگھٹ فرمائے رہتی ہے دکان پر اس کا لباس اور زیور نہایت درجہ نظر کش ہوتا ہے، بعض جگہ یہ شوہر کے پیچھے کھڑی ہوتی نظر آتی ہے اور بعض جگہ شوہر دکان کے اندر اور یہ دکان کے اوپر یہ گاہک سے بہت کم بات کرتی ہے، مگر مٹھائی ضرور فروخت کرتی ہے، اور گاہک بھی اس سے بہت کم بات کرتے ہیں، مگر مٹھائی اسی سے خریدتے ہیں،

یہ شروع سے لیکر آخر تک جاہل رہتی ہے، مگر دکان کے قاعدہ سے گھر کے برتن بہت زیادہ صاف رکھتی ہے، طوطے اور مینا یا دوسرے پرندے پالتی ہے، جو دکان اور مکان میں نظر آتے ہیں،

اس کی اولاد کا کوئی خاص ضابطہ نہیں، البتہ دولت مند ہونے پر کم اور مفلس ہونے کی حالت میں زیادہ اولاد کی مان ہوتی ہے، اولاد عموماً جاہل رکھی جاتی ہے، البتہ اب کہیں جبری مدارس میں بھیجی جاتی ہے ورنہ ہندی زبان میں دکان کے حساب کتاب کے قابل تعلیم دی جاتی ہے،

شوہر سے بہت کم لڑتی ہے مگر جب لڑتی ہے تو دکان پر بھی نہیں چوکتی، مگر اس کی لڑائی کا معاملہ بھی طلاق اور سسرال تک نہیں جاتا، بس اگر صبح کو لڑی تو شام کو صلح اور شام کو لڑی تو صبح کو صلح،

یہ اپنے گھر کے کام میں نہایت مستعد، کھانے پکانے سے لیکر نل اور کنوئیں پر سے پانی لانے میں خود کو ذلیل نہیں سمجھتی، پردہ کی بعض اوقات یہ پابندی کہ سر پر پانی کا گھڑا اور چہرہ پر دھانی گڑ کا گھونگھٹ، دولت جمع کرنے کی عادی، فضول خرچی سے نفرت، مگر زیور کی عاشق، نئی بات یہ ہوتی ہے کہ کھانا پکانے میں تو بیوی ہی رہتی ہے، مگر مٹھائی بنانے کے معاملہ میں شوہر ہو جاتی ہے، اور اس کا شوہر اس کی بیوی نظر آتا ہے، یا نظر آتی ہے، یعنی عام طور پر حلوانی مٹھائی بناتا ہے اور بیوی فروخت کرتی ہے،

مزاج کی فحاشت اگرچہ سے بڑھ جاتی ہے تو دکان اور مکان میں چند تصاویر لٹکا لیتی ہے، جو زیادہ تر ہمارے کے مندروں یا مذہبی بزرگوں کی ہوتی ہیں، اپنے چھوٹے بچے سے محبت کرتی ہے اور بڑے سے نفرت، یہ اس طرح کہ ایک مہینے سے لیکر ایک سال تک کے ننھے میاں کو بڑے پیار سے دکان میں گود سے نیچے نہیں آتا رہتی، اور اس کے پاؤں اور

گلے کو زیور سے ہر وقت آراستہ رکھتی ہے، آنکھ اور پیشانی پر کاجل کے بے شمار نشانات سے اُسے انسان کے عوض بھوت کا بچہ بنائے رہتی ہے اور دکان ہی پر گاہکوں کی نظر سے بچانے کے لئے دوپٹے کی اوٹ میں بڑے پیار سے دودھ پلاتی رہتی ہے، لیکن اس سے بڑے بچے ہر وقت دکان پر نیم برہنہ اور حد سے سواگندے نظر آتے ہیں یہ ان بچوں کو اتنا بھی مہذب نہیں بناتی کہ ہمارے آپ کے جانے پر اس کا ایک بچہ بھی ذرا جھک کر سلام تو کر لے، اس کے بچوں کے پاؤں چھ سات برس تک پا جائے اور جوتی سے پاک نظر آتے ہیں، مگر کیا مجال جو ان کے گلے اور سینوں پر چاندی کی لمبی زنجیریں ناہولی اور ایک ڈیڑھ توہین نہ ہو، اور سرخ رنگ کے مونگے کے ہار یا کنٹھے سے تو اس کا شوہر پشن کی عمر تک بھی باز نہیں رہتا،

فی الحکمہ اس کا وجود بازار کے لئے جس طرح ضروری اور لازمی ہے اُسی طرح اس کا طرز زندگی ”مصلح کل“ یا ”منج و مرجان“ ہوتا ہے، البتہ کہیں کہیں وہ اگر کسی گاہک سے لڑائی کی ٹھان لے تو پھر بھرے بازار میں اُس کی موٹر سے زیادہ تیز زبان ہوگی اور آپ کے سماعت سے محروم کان، یعنی اُسے سب کچھ کہنا ہوگا اور آپ کو مشتری قاعدہ سے عورت ذات کا سب کچھ غور سے سُننا ہوگا، جاہل غص، پاکدامن، شوہر کی وفادار، حد سے زیادہ کفایت شعار کہیں کہیں حد سے سوا خوبصورت، اور کہیں کہیں ذرا ذرا ناہنگ کے تاشے اور کلب کی نمبری سے یکلفت ناواقف پاؤں میں ڈھائی ہزار روپیہ کا زیور، مگر جوتا ہمیشہ ندارد، جوانی میں حد سے سوا شرمیلی، اور حلیہ، مگر خدا اس کے بڑے چا پے سے محفوظ رکھے کیونکہ

لوٹھی ہونے پر پہلی بات غیہ نظر آتی ہے کہ اب دکان پر اس کو اور اس کے شوہر کو دیکھ کر نہیں کہا جاسکتا کہ یہ دونوں آپس میں میاں بیوی ہیں کیونکہ اب وہ بڑھاپے کی میاں کے باعث دکان پر کیا بیٹھتی ہے تمام بازار کی کمائیں انجیف نظر آتی ہے، یوں سمجھئے کہ وہ شوہر صاحب تو رہتے ہیں دکان کے اندر مٹھائی کی بیٹی یا چوڑھے میں مصروف اور یہ دکان پر نہایت اونچی ہو کر جب بیٹھ جاتی ہے تو اپنے برابر کی تین تین دکانوں کی خوابیاں چلا چلا کر درست کرتی رہتی ہے اس کی دکان سے اگر تیسری دکان پر کسی گاہک جھگڑا ہو گیا ہے تو یہ اپنی دکان پر قابو سے باہر ہو جائیگی، کبھی اس گاہک کو بڑا بھلا کیلگی اور کبھی دکاندار کو پھر اس بات کی بھی پروا نہیں کہ اس کی بکواس کو جھگڑنے والے سُننے بھی ہیں یا نہیں یہ تو ہر حال میں بڑبڑاتی اور بکتی رہیگی، پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ جب تک اس دکان پر جھگڑا ہو رہا ہے اُسی وقت یہ بھی بکتی رہے، بلکہ اسے حق ہے کہ جھگڑنے والے اپنے مکان پر پھوپھو چکر کھانا بھی کھالیں، مگر یہ ہوگی کہ اُسی جھگڑے کی یاد میں آپ ہی آپ بکتی رہیگی صرف آوازیں دھماپن پیدا ہو جائیگا، اس حالت میں اگر اس کے پاس گاہک بھی آجائے تو یہ اسے مٹھائی دیتی جائیگی مگر بکتی جائیگی خاص بات یہ ہے کہ تیسری دکان کے جھگڑا پر اسے بکنا ہوا یا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے شوہر صاحب بھی اسے غموں نہیں کر سکتے بلکہ یہ ممکن ہے کہ یہ خود اس دکان کے جھگڑے کو اپنے شوہر صاحب کو اس طرح سناتی رہے کہ دکان پر آنے والا شخص یہ سمجھے کہ مجھے سنا رہی ہے کیونکہ اس وقت اس کی بکواس خندوب کی بڑھ ہو جاتی ہے، لہذا ضروری نہیں کہ اس کی بکواس کے وقت

وہ اند بیٹھ ہوئے شوہر کی طرف اپنا رخ بدل دے، یہی حالت شوہر صاحب کی بے پروا مزاجی کا ہوتا ہے، کہ وہ بھی دریافت نہیں کرتے کہ آخر تیسری دکان پر ہونے والے جھگڑے سے تجھے کیا واسطہ بلکہ یہ ہوتا ہے کہ جھگڑے کی بے ربط سی تفصیلات کو بیوی سے سن کر یہ بھی کچھ بڑبڑانے لگتے ہیں مگر اس طرح کہ نہ بیوی ان سے مخاطب نہ یہ بیوی سے مخاطب بلکہ مٹھائی بناتے جاتے ہیں اور بکتے جاتے ہیں، کبھی کبھی اپنی کسی گزری ہوئی لڑائی کا قصہ بھی خود ہی شروع کر دیتے ہیں اور خود ہی ختم کر کے تھپنے میں مصروف ہو جاتے ہیں یا کھانسی میں مبتلا ہو کر رہ جاتے ہیں،

بڑھاپے میں یہ بہت زیادہ سادہ مزاج ہو جاتی ہے، اسی لئے اب نہ اُس کے پاس بھڑک والا لباس نظر آئیگا نہ زیور، اتنی عمر میں کبھی کبھی وہ شوہر کے ساتھ حقہ نوشی میں بھی شریک نظر آتی ہے، مزاج میں اب وہ تلخی کہ آپ مٹھائی لینے جائیں تو آپ سے لڑنے کو تیار اور دوسرائے بہادر جائیں تو ان سے لڑنے کو تیار، گنوار اور کسان قسم کے گاہکوں پر یوں حاوی کہ ایک دو پیسے کی مٹھائی دینے سے صاف انکار، باقی خیریت، خُرد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام، فقط،



مالی کی بیوی

بازار سے تعلق رکھنے والی بیویوں میں مالی کی بیوی بھی قابلِ تذکرہ ہے؛ مالی کی تعریف یہ ہے کہ ”وہ آدم زاد“ جو پھولوں کی تجارت کرتا ہو اور بس، مگر خاص بات یہ ہے کہ ادبیاتِ اُردو یا اشعارِ اُردو میں مالی سے زیادہ اس کی بیوی کا تذکرہ پایا جاتا ہے مگر اس کے تذکرہ کا سبب مالی کی بیوی کا حسنِ جمال نہیں بلکہ پھولوں کی نسبت نے اُسے ادبِ اُردو میں قابلِ تذکرہ بنا دیا ہے، پھر یہ کہ ایک سنڈے مشنڈے مرد کے مقابل ایک نازک بدن عورت ہی میں لطافت اور رعنائی زیادہ اور موزوں ہو کر تھی ہے اس لئے ادبِ اُردو میں بی مالن کا تذکرہ اپنے شوہر سے زیادہ پایا جاتا ہے، یہی راز ہے کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے اشعار اور افسانوں میں مالن کو جس درجہ حسین و جمیل دکھایا ہے وہ اصلیت میں اتنی حسین و جمیل نہیں ہوتی الا شاذ، تو شاذ کی حیثیت سے تو کبھی کبھی افریقہ کے حبشیوں کی ایک لڑکی بھی نظرِ فریب نظر آتی جاتی ہے؛ البتہ مالن کے غرور اور غرے کو جس خیال نے ترقی دی ڈاس کا بانا میں بیٹھ کر پھول فروخت کرنا اور بے وقوفوں کا اُس کی دکان پر اس انداز سے جانا گویا بس تمام بانا میں ہی مالن ہے، جس سے بات کر لینا محنتِ اقلیم کو فتح کر لینے کے برابر ہے،

پھر مالن کے خزانے کو بڑھانے والا دوسرا سبب یہ ہے کہ وہ شادی بیاہ ایسی تقاریر کے موقع پر پھولوں کا دلفریب زیور بنا کر لانے والی ہوتی ہے مگر صرف پھولوں کا زیور بنانے کا کام تو مرد بھی کر سکتا ہے لیکن مالن جو زیادہ قابل تذکرہ بنی سوا اس لئے کہ شادی ایسی انتہائی مسرت کی تقریب میں عورتوں اور بیگمات دہی براہ راست پھونچ سکتی ہے، مرد نہیں جاسکتا اور اس سے بھی سوا سبب اس کی مقبولیت کا یہ ہے کہ یہ ایک مسرت بڑھانے والی تقریب سے متعلق خدمت انجام دیتی ہے، لہذا تقریب والوں کے خوشی سے بھرے ہوئے دل میں اس کے لئے کافی جگہ ہوتی ہے، یا یوں سمجھو کہ ایک خوشی کی تقریب اس کے بغیر شاندار بھی نہیں ہو سکتی، بہر کیف غلام یہ ہے کہ مالن اپنی خدمت اور تجارت کے ذریعہ قابل تذکرہ قرار پاتی ہے وہ نہ صورت دیکھو تو کوئی پڑھے ایک مرتبہ مگر آپ سو بار لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ نہ پڑھیں تو غلام غصی کا ذمہ، مگر ہندوستانوں میں غلامی کی ذمہ دیت کے باعث تحقیق کی قوت فنا ہو چکی ہے لہذا وہ محض نقل اور تقلید کو اپنا دماغی شرف و کمال سمجھتے ہیں اسی لئے انھوں نے تحقیق کی آنکھیں بند کر کے مالن کو جس درجہ صاحبِ حُسن و ادا قرار دیا ہے اُس کے عجیب و غریب نمونوں سے گزیرے ہوئے شعرا کے دیوان کے دیوان بھرے ہوئے ہیں، اور نہ صرف یہ بلکہ مالن کے عنوان اور نام سے بے شمار افسانے اور ناولیں لکھی گئی ہیں جو آج کل بھی معمولی قابلیت کے لوگ اور غنڈے پڑھتے ہیں اور بہت خوش ہوتے ہیں، لیکن اس کتاب میں ہیں صرف تازہ ترین حالات سے بحث کرنا مقصود ہے اس لئے ہم پچھلے حالات کو یہاں نقل کرنا نہیں چاہتے،

چنانچہ ملامت ریزی کی نظر سے ”مالن“ کے عنوان سے بعض ایسے افسانے بھی گزرے ہیں جن کے انداز سے حسنِ جمال اور لطافت و دلفریبی کا ایک لاجواب نمونہ قرار دیا ہے لیکن اصلیت صرف اتنی ہی ہے کہ وہ ایک ”کامل جاہل“ گھر میں پیدا ہوتی ہے، جو جمالت کے برابر ہی مفلس بھی ہوتا ہے اور مفلس اس لئے کہ پھولوں کی تجارت کوئی بلند تجارت نہیں مثلاً پھولوں کی خرید کے یہی مواقع ہوتے ہیں کہ یا کسی کی تقریب میں یا پھر عطاروں کے ہاں یا تیلی اور عطر فروش یا عطر ساز کے ہاں اور ظاہر ہے کہ ان چاروں کو پھولوں کی ضرورت روزانہ نہیں ہوتی اور نہ کسی شہر میں یہ رسم ہے کہ وہاں کا ایک ایک باشندہ روزانہ ایک ایک ہار خرید کر پہنے، لہذا جس چیز کی فروخت کے مواقع مخصوص اور معین ہر اوقات ہوں وہ تجارت ہمیشہ کم نفع دینے والی ہوتی ہے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ایک شہر میں ایک ہی مالن نہیں ہوتی جو ساری آبادی اسی کی دکان سے پھول خرید کر اسے افلاس سے محفوظ کر دے،

لہذا سب سے زیادہ دولت مند مالن وہی ہوتی ہے جو بازار کے وقت ایک صاف ستا کپڑے کا جڑا پہن کر بازار میں نظر آجائے ورنہ آپ بتا دیجئے کہ ایسی کتنی مالنیں ہیں جن کی بڑی بڑی کوٹھیاں کھڑی ہیں، اسی لئے یہ اپنے غریب سے باپ کے ہاں پیدا ہو کر بغیر کسی تعلیم اور خاص تربیت کے کسی اپنے ہی ایسے غریب اور جاہل مالی کو پانچ برس کی عمر میں جس وقت موقع ملتا آجائے بیاہ دی جاتی ہے یعنی اس کی برادری میں بھی کم عمری کی شادی جائز قرار دی گئی ہے، اس لئے نہایت جاہلانہ رسوم اور معمولی حیثیت سے

بیاہ کر یہ لائی جاتی ہے، اور مالی برادری کے عام ضابطہ کے تحت یہ پھیلوں کے ہار بنکر
یا بازار میں بیٹھتی ہے یا اپنی دکان پر،

ابتداء میں وہ اپنی ساس یا شوہر کے ہمراہ نظر آتی ہے، اور یہی دو آدمی اس کے ابتدائی
حجاب کو چند دن باقی رکھتے ہیں یعنی بائچ، چھ مہینے تک، اُس کے بازار اور دکان کی مسلسل
بے جہانی اُسے فُدرۂ یقین دلادیتی ہے، کہ اب وہ خود کو کچھ بڑی ہی چیز سمجھے، لہذا اب وہ رفتہ
رفتہ بے باک ہوتی جاتی ہے، مگر گھر میں وہ شروع ہی سے چو لھا چلی اور شوہر کی تمام خدمات انجام
دینے لگتی ہے، مگر صبح کے وقت وہ ہر حال میں پھول توڑنے اور لانے کے لئے باغ جاتی ہے،
مگر یہ صبح کے وقت باغ جاتے ہوئے یا باغ سے آتے ہوئے صرف اُنھی لوگوں کو نظر آتی ہے،
جنہیں صبح سویرے اٹھ کر چل قدمی اور تفریح کرنے کی توفیق عطا ہوئی ہے اور اسی لئے مسلمان
اسے بہت کم دیکھ سکتے ہیں کیونکہ ۹۵ فی صدی مسلمان بے نمازی اور عیش پسند ہوتے ہیں اس
لئے وہ صبح ۹ بجے تک سوتے ہیں، بس اُن میں سے بے چارے ملازموزی صاحب ہیں جو رات
کے تین بجے تک روزی کمانے کے لئے مضامین اور کتابیں لکھتے ہیں اور تندرستی قائم رکھنے کے
لئے صبح سویرے چار میل تک باغوں اور ویرانوں کی طرف ٹہکتے ہوئے نظر آتے ہیں،

اس کے بعد یہ بازار میں جب خود مختار ہو جاتی ہے تو اسے خود بخود یقین آ جاتا ہے، کہ بازار میں
سب سے عمدہ چیزیں ہوں لہذا اس بھروسے پر وہ ذرا غرے کے ساتھ بیٹھتی ہے، اور گاہک
سے بھی غرے کے ساتھ گفتگو کرتی ہے، لباس اور زیور میں بھی بھڑک اور غرہ پیدا کرتی رہتی
ہے، حالانکہ اس کا لباس قیمتی ہوتا نہ زیور مگر جوتا ہے اُسی پر اُکرتی ہے اور بڑی آن بان سے

پھول فروخت کرتی رہتی ہے، پھر بھی ایک حد تک گفتگو میں لوج اور نرمی باقی رہتی ہے لیکن ننھے میاں کی والدہ بنگر پھر یہ بازار کے لئے مصیبت بن جاتی ہے، اب اس کے خھرے میں اس کے ننھے میاں بھی یوں شریک کر لئے جاتے ہیں کہ وہ سر بازار جہاں پھول لیکر بیٹھتی ہے وہاں اس طرح بیٹھتی ہے کہ ہر موقع پر وہ اپنے کالے اور لاغر سے ننھے میاں کو اونچا اٹھا اٹھا کر اور ہیلو ہیلو بل بل کر یوں دودھ پلاتی ہے کہ تمام بازار دیکھتا جائے کہ وہ صاحبِ اولاد ہے اُسے سمجھا کیا ہے،

اب اُس کی زبان اور ہاتھ پاؤں میں غضب کی بجلی پیدا ہو جاتی ہے، اب ناممکن ہے کہ آپس کی دکان پر پھول خریدنے جائیں اور بغیر خرید کئے واپس تو آجائیں، لہذا آپ اس کی دکان کے سامنے گزرے اور اس نے کوئی ہار اٹھایا اور آپ کو بے وجہ بھی مخاطب کر کے اس ہار کے خریدنے کے لئے عجیب عجیب جملے اور فقرے کہنا شروع کر دیئے، چونکہ بازار میں عام طور پر پھول فروخت کرنے والی عورتیں اور مرد پاس پاس بیٹھتے ہیں لہذا اس کی پہلی کوشش یہ ہو گی کہ آپ کسی طرح دوسری دکان پر نہ چلے جائیں، بس جتنے ہار بھی خریدیں اسی دکان سے خریدیں اس لئے وہ اس وقت ۵ میل فی گھنٹہ کے حساب سے آپ سے باتیں بھی کرتی جائیگی اور ہاتھوں سے ہار پر ہار دکھاتی چلی جائیگی، اور سب سے بڑا اکلایہ ہو گا کہ اسی مصروفیت میں وہ ڈوپٹے کے اندر چھپے ہوئے ننھے میاں کو دودھ بھی پلاتی جائیگی مگر ہر حال میں پھول فروخت کر کے رہیگی، بعض اوقات وہ اتنی مصروفیت پر ایک آخری کمال اپنی مستعدی کا یہ دکھاتی ہے کہ اگر آپ کے ہاروں کے بنی ہوئی مقدار کم ہوتی ہے تو وہ اسی حال میں بقیہ

ہاروں کی تعداد پوری کر کے رکھ دیتی ہے، اور تیسرا کمال یہ ہے جس کا جواب ہی نہیں کہ وہ نغمے میاں کو ٹٹکے لٹکائے ہوئے دودھ بھی پلاتی رہیگی، آپ کے لئے نفیس حسین ہار بھی بناتی جائیگی اور پاس والی مالن سے اگر اُس کی چھڑ گئی ہے تو اُس سے لڑتی بھی رہیگی، اس حساب سے وہ اپنے شوہر پر بھی فضیلت اور فوقیت رکھتی ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ شوہر یہ تینوں کام ایک ساتھ نہیں کر سکتا،

اس سے خرید و فروخت کا معاملہ کرنے میں ایک خطرہ بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر اس سے خرید و فروخت کی ابتدائی گفتگو کر کے آپ اس سے ہار نہ خریدیں اور دوسری دکان پر چلے جائیں تو پھر جب تک آپ اُسے نظر آئیں گے وہ آپ کی شان کے موافق آپ پر آواز سے کستی رہیگی، یعنی اگر آپ صورت اور لباس کے لحاظ سے کسان، گنوار، تلی، دھوئی، بھٹیاریے، حجام، اور بچہ سقہ نظر آتے ہیں تو وہ بلند آواز سے آپ پر آواز سے کسکیں اور جو آپ صورت اور لباس کے لحاظ سے ہوئے ”مرد معقول“ تو آپ کی طرف رخ بدل کر اس طرح بڑبڑاتی رہیگی کہ آپ اس کی آواز کا تال اور رُمر تو سُنتے رہیں مگر یہ نہ سمجھ سکیں کہ وہ گالی دے رہی ہے یا دعا، کبھی کبھی وہ آپ کو اس طرح برا بھلا کسکیں گویا وہ اپنے ذاتی نغمے میاں کو دودھ پلانے سے خفا ہو رہی ہے، آپ سے کچھ نہیں کہہ رہی،

فرصت کی حالت میں وہ اپنے آپ کو یا پھولوں کو خواہ مخواہ سنوارتی رہتی ہے، اور اس شگفتہ چند ہر کسی لکڑی میں اُجھا کر یا لٹکا کر بازار میں گشت کرتا رہتا ہے یا کسی چوراہے پر کھڑا ہوا ان ہاروں کی تعریف میں چند خاص جملے استعمال کرتا رہتا ہے مثلاً ۱۹۱۷ء میں ملا موزی صاحب

جب شہر لکھنؤ کے بازار امین آباد پارک میں سے گزر رہے تھے تو انھوں نے ایک مالی کو ہار فروخت کرتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا تھا جو اب تک یاد ہے کہ ”جھیلی مٹو“، سیلا ہے البیلا“، یہ شوہر صاحب گشت فرماتے مجھے کبھی کبھی اپنی ذاتی مال کی دکان پر آ کر حلیم پیئے میں مصروف ہو جاتے ہیں اور پھر اس سے تازہ ہار لیکر روانہ ہو جاتے ہیں،

مالن کو بس کام نے بہت زیادہ قابل توجہ بنایا ہے وہ اس کا شادی بیاہ کے موقع پر پھولوں کا زیور بنانا ہے جس میں دولہا کے لئے ”سہرے“ کا تیار کرنا خاص الخاص نکال ہے جسے ”گوندھنا“ کہتے ہیں بس اس کے اس کام نے اسے اتنا بھی بلند اور مشہور کر دیا ہے کہ ہندوستان میں جب سے شاعر دن کی پیدائش شروع ہوئی ہے اُس وقت سے لیکر آج ۱۹۳۱ء تک کا ہر شاعر سہرے کی تعریف لکھتے وقت مالن صاحبہ اور ان کے کام کی تعریف ضرور کرتا ہے، ”سہرا“ اُس خاص قسم کے ہار کو کہتے ہیں جو پھولوں کی بے شمار لڑیوں کا مجموعہ ہوتا ہے اور اسے دولہا میاں کی پیشانی پر یوں باندھا جاتا ہے گو یا پھولوں کی لڑیوں کا ایک نقاب چہرے پر پڑا ہو، اس کے باندھ دینے سے اس کے موجد کی عرض تو یہ معلوم ہوتی ہے، کہ دولہا بہت زیادہ حسین اور خوبصورت نظر آنے لگے مگر عقلمندوں کے نزدیک دولہا میاں سہر کو چہرہ پر لٹکا کر خاصے بے وقوف بلکہ ایک قسم کے جانور نظر آتے ہیں، اس لئے ملازموزی صاحب اس کی عرض یہ ایجاد فرماتے ہیں کہ دولہا کے چہرے پر پھولوں کی لڑیاں اس لئے لٹکائی جاتی ہیں کہ شادی کے وقت دولہا کے اندر جو قدرتی حجاب پیدا ہو جاتا ہو اُس کے اثر سے وہ کسی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ دولہا لوگ، شادی کے وقت اپنے آدھے چہرے کو اپنے ”ہاتھ کے غامے سے“ چھپائے رہتے

ہیں یعنی رومال سے، لہذا اس حجاب کو باقی رکھنے اور دولہا میاں کو اندھے حافظ جی بچانے سے بچانے کے لئے پھولوں کی لڑیلوں کا یہ مجموعہ اُن کے چہرے پر لٹکا دیا جاتا ہے تاکہ اُس کے اندر وہ سمجھے رہیں کہ میں سب کو دیکھ رہا ہوں مگر مجھے کوئی نہیں دیکھ سکتا، بہر حال دونوں صورتوں میں عقلمندوں کے نزدیک اس کے استعمال سے حماقت ہی حماقت ظاہر ہوتی ہے، مگر پُرانا جاہلوں میں اس سہرے کو نہایت درجہ مقدس اور محترم یا پھر مبارک چیز سمجھا جاتا ہے، اسی شادی کے بعد جاہلوں میں اس سہرے کو بعض خاص رسموں کے ساتھ کسی کنوئیں یا بالاب میں ڈالا جاتا ہے، اور بغیر پانی میں ڈالے ہوئے سہرے کو صنائع کرنا گناہ اور نحوست سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ اسے بیوہ مالن بھی نہیں بنا سکتی کیونکہ جاہل عورتیں اور تعلیم یافتہ عورتیں کی رسم پرست عورتیں اسے بھی منحوس کہتی ہیں،

اس کے بعد سہرہ اُن اشعار کو بھی کہتے ہیں جو اس پھولوں کے سہرے کی تعریف میں لکھے جاتے ہیں، یا کہے جاتے ہیں، ان اشعار کو سہرا کہنا اس لئے جائز ہے کہ وہ اسی مخصوص چیز سے متعلق ہوتے ہیں، پس اس کے باعث مالن ذات بہت ہی قیمتی اور ضروری عورت ذات قرار دی گئی ہے،

اسی لئے شادی شروع ہونے سے ختم ہونے تک شادی والوں کا تمام خاندان بلکہ تمام شریک ہونے والے افسر اور بادشاہ تک اس مالن زادی کے محتاج نظر آتے ہیں، مثلاً اگر مالن شادی کے لئے ہار کم یا خراب بنا دے اور شریک ہونے والے بادشاہ مثلاً کو بھری مغل میں معمولی سا ہار پہنا دیا جائے تو اس کی توہین ہو جاتی ہے، اور ویسے ہی مالن

شادی بیاہ کے کاموں میں مُسن پیدا کرنے والی چیز ہوتی ہے، اس لئے حاملہ عورتیں اس کی عزت بھی کرتی ہیں اور اسی لئے اس کے ہاروں اور سرے وغیرہ کی اصل قیمت کے ادب

بھی اسے انعام دیا جاتا ہے، جسے جاہلوں کی بول چال میں ”حق“ اور کہیں ”نیگ“ کہتے ہیں مگر ”سُرکاری تقاریب“ میں اسی مغز اور محترم مآکن سے جوتے مار کر اور ماں بہن کی گالیاں دیکر ہارتیا رکرائے جاتے ہیں اور قیمت کہیں حسب ضابطہ، اور کہیں مہینوں ندارد، اور افسر لوگ اس مصیبت اور ظلم سے بنوائے ہوئے ہاروں کو پہن کر اپنے گھر تک اونچی اونچی کر کے یوں جاتے ہیں گویا اس وقت دنیا میں جو کچھ میں صرف یہی ہار پہنے ہوئے افسر صاحب ہیں، بعض مغرور اور متکبر افسر اس قسم کے ہاروں کو اپنے گھر میں اس خیال سے برسوں محفوظ رکھتے

ہیں کہ آنے والے سمجھ لیں کہ ہاں اس افسر کو نکلاں موقع پر اس کی شان اور افسری کی وجہ سے یہ اتنا بھاری ہار پہنایا گیا تھا، مگر ایسوں کو خبر نہیں کہ اُن کی اس اکڑفوں پر طائر موزی ایسے لوگ غرور شکن عقہہ لگایا کرتے ہیں، الغرض شادی کے وقت سے لیکر شادی کے خاتمہ

تک مالن کا دماغ آسمان پر رہتا ہے، مگر اس طرح نہیں کہ وہ شادی والوں سے اکثر کرات کرتی ہے، بلکہ اُس کا غرور اپنے ہم پیشہ لوگوں کے مقابل ہوتا ہے اور ان معنی میں دیکھو کہ اتنے بڑے شادی کے گھر کا زیور اور سرہ میں بنا رہی ہوں، اگرچہ اُس کی تواضع شادی کے گھر میں خاصی ہوتی ہے مگر کبھی کبھی دقت پر ہار نہ دینے یا کم مقدار بنانے یا تاخیر سے پہنچانے پر وہ اپنے اور شادی والے گھر میں سیدھی سیدھی سُنتی ہے، پھر بھی اُس کی ضرورت کم نہیں ہوتی اور ہر حال غصہ مہونے پر بھی اسی سے پھولوں کا سودا کیا جاتا ہے،

یہ شادی کے گھر میں بڑی آن بان سے جاتی ہے، مگر آن بان بس اتنی کٹشادی کے گھر والی عورت ذاتوں پر اپنے لباس اور زیور کا رعب ڈالتی ہے، اور بس، ایک خاص بات یہ ہے کہ اُسے اُجرت اور انعام میں اگر قارون کے خزانے بھی دیدیجے تب بھی کم کیلگی اور جھگڑتی ہوئی گھر واپس آئے گی لیکن جس گھر سے انعام پچھلگرتی ہوئی آئی ہے دوسرے گھر میں جا کر اُسی گھر کی بے حد تعریف کریگی تاکہ نئے گھر والے یہ سوچ کر اسے پہلے گھر سے زیادہ انعام دیں کہ یہ عورت دس گھر میں جانے والی ہے، ہر گھر میں ہمارے انعام کی تعریف کریگی، اسی لئے ملازمی صاحب نے اپنی ذاتی شادی کے موسم میں، مالن کو اُجرت سے زیادہ انعام میں چھبئی کوڑی بھی نہ دینے دی، نہ اب اپنی دوسری شادی میں انشا، اللہ اسے انعام دیں، یقین نہ ہو تو دعا کیجے کہ خدا جلہ اپنے ملازمی صاحب کی دوسری شادی کسی اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی سے کرادے، اس کی عام معاشرتی اور اخلاقی حالت نہایت درجہ معمولی ہوتی ہے، وہ اکثر کراہیے کے نہایت تنگ و تاریک مکان اور اکثر ایک تاریک سی کوٹھری میں زندگی بسر کرتی ہے، شوہر سے ہر آن وہ ہر لحظہ لڑنے مرنے کو تیار رہتی ہے، اس لئے کہ مزاج میں بازار کی بے باک گفتگو کی عادت موجود ہوتی ہے،

فضول خرچ اس لئے ہوتی ہے کہ کم آمدنی اور ضرورت زیادہ، بچہ آمدنی بھی مستقل نہیں، اور عادت اعلیٰ درجہ کے لباس اور زیور پر مبنی ہے، مذہب اور سنجیدگی سے ناواقف، جاہلانہ رسوم میں جکڑی ہوئی، زیادہ کمانے والی اور کم اولاد والی، تندرستی اس لئے اچھی کہ روزانہ صبح سویرے باغوں میں دو گھنٹہ تک ایک ایک پھول توڑنے کی ورزش کرتی رہتی ہے، مگر صورت کی بھونڈی، اور ناظمی مالن

بھٹیاریے کی بیوی

بھٹیاریہ، باورچی، یا خانساں، اُس ہندوستان کی مرد کو کہتے ہیں جو کھانا پکاتا ہو، خواہ وہ لوگوں کے گھر جا کر پکائے یا اُن کی تقاریب میں پکائے یا خود پکائے اور بازار میں فروخت کرے، یا خود کہیں لنڈن سے وکالت پاس کر کے آئے مگر کھانے کی دکان لگائے تو اُسے بھی بھٹیاریہ کہہ سکتے ہیں، پس اس قسم کے شوہر کی بیوی اور اس کے ہاں کی ہر عورت کو بھٹیاریہ یا بھٹیاری کہتے ہیں خواہ اُس کے گھر کی دوسری عورتیں کھانے سے ہاتھ بھی نہ لگائیں، مگر انھیں ساری دنیا ”باورچی“ ہی کہیگی، بھٹیاریے کا وجود یوں تو ساری دنیا میں ہے، مگر اس طرح کہ ساری دنیا تعلیم کے باعث ترقی کر چکی ہے، اس لئے دوسرے ملکوں کے باورچی اور بھٹیاریے اتنے خوبصورت نہ ہو گئے ہیں کہ اُن میں اور لاٹ صاحب میں فرق کرنا مشکل ہے، مگر ہندوستان میں جہالت اور افلاس کے باعث بھٹیاریہ نہایت درجہ کالی صورت کا ہوتا ہے، جہالت اور عدسے سوا اولاد کو باعث ہمیشہ نہیں کو کبھی کبھی انیوں بھی کھاتا رہتا ہے، اس لئے اس کی صورت اور بھی زیادہ خراب ہو جاتی ہے، کھانا پکانے کے باعث اُس کے کپڑے ہمیشہ سیاہ اور نہایت غلیظ، گندے، اور میلے ہوتے ہیں، ہندوستان پر قبضہ کر کے جب سے یہاں انگریز لوگوں کا آنا اور رہنا، بسنا شروع ہوا ہے اُس وقت سے ہندوستانی

کی دکانوں میں قیام کرتے تھے، اور انہی کی دکان پر کھانا کھاتے تھے، مگر اب تعلیم کی ترقی سے ہندوستانیوں کی عقل میں تھوڑی سی جو روشنی پیدا ہوئی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ بی، لے، پاس کر کے اپنے ہی قوم ہندوستانی افسروں کی غلامانہ اکڑفوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اچھا ہے کہ تجارت کر دو اور ٹھیکر کا تماشہ دیکھو، نتیجہ یہ نکلا کہ اب بے شمار ہندوستانیوں نے کھانے کی بڑی بڑی اور شاندار دکانیں ہر شہر میں قائم کر دی ہیں، اور ان کا نام بجائے دکان کے ”ہوٹل“ رکھ دیا ہے، اور ہندوستانی لوگ ابھی اعلیٰ تعلیم اور تربیت تک سے دور ہیں اس لئے وہ ہر اُس چیز کو بڑی وقعت دیتے ہیں جو یورپ والوں کے پاس نظر آجائے لہذا لفظ ”ہوٹل“ کے استعمال سے اب بڑے بڑے خمرے والے ہندوستانی بھٹیاریوں کی دکانوں میں پڑے رہتے ہیں یعنی قیام کرتے ہیں، اس لئے اب ہندوستان کا وہ تابغی بھٹیاریہ ہندوستان سے کم ہوتا جا رہا ہے، جس کی سیوی کا ہم تذکرہ کرنے والے کیا چنانچہ آج سے پچیس بلکہ پچاس برس پہلے اس بھٹیاریے کی ایک تنگ و تاریک سی دکان ہوتی تھی جس کے آس پاس دو چار دُبی تلی سی چار پائیاں پڑی رہتی تھیں اور دس بارہ میلے اور گندے سے کھانے کے برتن ہوتے تھے، جس کے بیچ میں ”بی بھٹیاریں“ بڑے خمرے سے مٹی کی بازار کی رونق بڑھایا کرتی تھیں، اس قسم کی بھٹیاریں کے متعلق اس زمانے کے تنگ دماغ اور معمولی قابلیت کے لوگوں نے جو قصے لکھ کر چھاپے ہیں انہیں آج بھی دھوبیوں، حجاموں، کھنٹروں، مہاجنوں، اور غنڈوں نے مزے لے لیکر پڑھا اور سنا جاتا ہے، چنانچہ اُن قصوں کا خلاصہ یہ ہے کہ

بھٹیاریں، نہایت ہوشیار عقلمند، سیاست دان، اور چالاک عورت ہوتی ہے، اس لئے وہ اُس زمانے میں جو خدمات انجام دیتی تھی وہ یہ ہیں،

۱۔ حکومت کے وزیروں کو بعض نہایت مشکل سیاسی نکتے بتا دیتی تھی جو خود وزیروں سے حل نہیں ہوتے تھے،

۲۔ بادشاہ زادوں اور بادشاہ زادیوں کے درمیان حُسن و عشق اور عوام کے درمیان شادی بیاہ کے معاملات یہی بھٹیاریں طے کراتی تھی،

۳۔ مخبری اور سُرراغ رسانی کی خدمات بھی انجام دیتی تھی،

ہر کون یہ واقعات آج سے کئی سال پہلے کے سُنے گئے ہیں، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس کا وجود آج اس سائنسہ زمانے میں بھی ثابت ہے اور بعض شہروں میں نہایت شان کے ساتھ ثابت ہے، اس کے وجود کو ثابت کرنے والی چیز اس کے کھانا فروخت کرنے کی دُکان ہے، دکان کا نقشہ جو کثرت سے دیکھا گیا ہے یوں واقع ہوتا ہے کہ ایک مختصر سی کوٹھری کے بیرونی حصے میں چند بگچیاں اور دیگے، چند رکابیاں اور کٹورے، جس میں بعض خالی اور بعض میں ترکاری پاس ہی کبابوں کی نہایت معمولی سیخیں، ایک طشت میں فرنی ایک خوان میں پودینہ، پیاز اور دو چالیسوں، کبابوں کی سیخوں پر ایک آدھ بار لٹکا ہوا، سایبان کے کنارے پر طوطے، مینا یا تیر کا پنجہ لٹکا ہوا، سایبان کے نیچے ایک ڈیرھ پنج یا گریساں جو صبح صاف ہو گئیں تو شام تک گندی، اور شام کو صاف کی گئیں تو صبح کو کھیلوں کا گھر بنی ہوئیں، اندرونی حصے میں یا ایک ڈیرھ چار پائی یا ایک آدھ کھلنے کی میز، پاس ہی پانی کے ٹبکے جن کی کھچ یا غلاظت سے کپڑے سنبھالے بغیر دکان میں جانا بھی مشکل، اس

ساز و سامان کے ساتھ یہ دکان کبھی کبھی صبح ورنہ شام کو رونق پاتی ہے لیکن دوسرے کے وقت اس میں نہ بھٹیاریہ ملتا نہ بی بھٹیاریں، البتہ شام کے وقت ان برتنوں کے بیچ میں بی بھٹیاریں گلاب کا پھول بنکر رونق افروز ہوتی ہیں، پھر رونق افروز بھی اس گھنٹہ اور نحرے کے ساتھ گویا اُن سے کسی شخص کا بات کر لینا بھی انتہائی بہادری کا کام ہے، جس وقت یہ دکان پر تشریف فرما ہوتی ہیں اُس وقت اُن کے لباس کی رنگینیاں اور زیور کی چمک دمک ان کے خال میں سارے بازار کی آبر و بڑھاتی ہے، پھر انھیں حسن و جمال کی طرف سے بھی اس درجہ اطمینان ہوتا ہے، کہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کے بھٹیاریے شوہر صاحب صبح سے شام تک توان کے شوہر نظر آتے ہیں مگر دکان کے وقت وہ ان کے ملازم ہو کر رہتے ہیں، یعنی کہا رہے لیکر دال روٹی اور گوشت روٹی یا ملاؤ اور فیرفی غرض جو کچھ خدا نے دیا ہے وہ سب بی بھٹیاریں ہی اپنے دستِ حنا بستہ سے فروخت فرماتی ہیں، اور شوہر صاحب یا کہا بوں کی آگ کو بیٹھے ہوا دیا کرتے ہیں یا اٹھ اٹھ کر اور دوڑ دوڑ کر اس کے احکام کی تعمیل میں مبتلا نظر آتے ہیں، محض اس لئے کہ بیوی صاحبہ کو یہ اطمینان حاصل ہوتا ہے کہ دکان پر جتنے خریداری آتے ہیں سب ان کی وجہ سے آتے ہیں، حالانکہ پشاور سے چل کر ممبئی تک کے ایک ایک شہر میں جا کر دیکھ لیجئے کہ ان کے حُسن و جمال کا کیا حال ہے بس یوں سمجھ لیجئے گویا بی بھٹیاریں کی دکان کا چھلہ مع کوئلوں کے ان کی صورت پر اُلٹ دیا گیا ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ وہ اس پر بھی اپنے کو سب سے زیادہ حسین و جمیل سمجھتی ہے، چنانچہ وہ دکان پر جس انداز سے بیٹھتی ہے اُس سے چہ چلتا ہے کہ وہ اس وقت خود کو قمرِ خمبہ جی سے زیادہ با وقار و با اثر سمجھ بیٹھی ہے کیا خیال ہے یہ آپ سے

ایک مرتبہ تو مسکرا کر بات کر لے، ہر فرمائش کی تعمیل کے لئے یہ نوکروں کی طرح اپنے شوہر کو آواز دے گی مثلاً

لاؤ ذرا وہ کباب کی سیخ تو اٹھا دو،

ذرا یہ فیرنی کے لئے وہ ترازو تو اٹھا لاؤ،

اور اندر کھانا کھانے والوں کو پانی بھی پھونچا دیا نہیں،

ذرا آگ پر سنبھالو جھلوتہ تو بیٹھے ہوئے ہو،

اس بھرے کے ساتھ ہی وہ کبھی کبھی کسی گاہک سے مسکرا کر بات کر لے تو سمجھئے کہ زہے نصیب

و سعادت اور ایسے ہی خوش نصیب گاہک ہوتے ہیں جو پھر اس کی دکان پر بجائے پانچ

روٹیاں کھانے کے دس روٹیاں کھاتے ہیں اور حقہ بھی پی کر جاتے ہیں، یہ شروع سے آخر

تک جاہل محض ہوتی ہے مگر خود کو تمام دنیا کے مقرر اور لکچرار بھائیوں سے زیادہ بہتر بولنے

والی تصور کرتی ہے، اسے ضرب الامثال کا خزانہ سمجھئے اور جاہلانہ فقروں اور جلوں کی

موٹی سی کتاب، اب چاہے اس کی گفتگو میں ایک جگہ بھی سائنس کی نہ ملے مگر وہ آپ سے

جب مخاطب ہوگی اس اطمینان اور اکر کے ساتھ گویا آپ تو جاہل اور وہ علامہ غزالیؒ

منجودہ زمانے میں اس نے یا اس کے شوہر نے اتنی ترقی کی ہے کہ اس مختصر گندمی اور

معمولی سی دکان پر ایک تختی یا تختہ بھی لکھایا جاتا ہے، جس پر شوہر صاحب کے نام کے ساتھ

اس دکان کو ہوٹل لکھا جاتا ہے، مثلاً ”نئی بخش اسلامیہ ہوٹل“ محبوب ہوٹل، ”اسلامیہ ہوٹل“

مگر اس ہوٹل میں داخل ہونے سے پہلے انسان کو اس کے دھوئیں اس کی غلاظت اور

اس کے ہاں کی مکھیوں کی کثرت سے طاعون، انفلوانزا، اور تپ دق کے لئے تیار ہو جاتا ہے چنانچہ جن برتنوں میں اس کے ہاں کھانا کھلایا جاتا ہے وہ عام طور پر ایسی دھات کے بنے ہوئے ہوتے ہیں جن پر ایک سال تک قلمی کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی، یہی حال اس کے ہوٹل کے فرش اور اُن میزوں کی گندگی کا ہوتا ہے جن پر گاہک روزانہ کھانا کھاتے ہیں، یہ میزیں اور فرش اس طرح صاف کئے جاتے ہیں کہ ان پر ایک "قانونی جھاڑو" صبح یا فرصت کے وقت پھیر دی جاتی ہے یا کوئی گندہ سا کپڑا اور بس، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اوپر پڑا ہوا ذخیرہ تو صاف ہو جاتا ہے، مگر میل کپیل کی تہ برابر جمی جاتی ہے، جس کے باعث میز کا اصل رنگ اور اصل سطح گندگی سے نوڈٹ نیچے رہتی ہے، مگر اس کے ہوٹل کی اس گندگی پر نہ گاہک احتجاج فرماتے نہ میونسپل کمشنر صاحب، کبھی اس کے ہاں کے کھانے کی میزوں کو چاقو سے کھرچ کر یا چھیل کر ملاحظہ فرماتے کہ ان پر میل اور گندگی کی کتنی اونچائی ہے، یہی حال اس کے ہاں کے پانی کے برتنوں کی غلاظت کا ہوتا ہے، مثلاً اس کے ہاں جن مشکوں میں پینے کے لئے پانی رکھا جاتا ہے وہ اس طرح کہ ان کے اندر بس روزانہ پانی بھر دیا جاتا ہے، مگر ان برتنوں کی تہ میں کبھی نہیں دیکھا جاتا کہ پانی کے نیچے گندگی جمع ہو چکی ہے، اسی طرح اس کے ہاں پانی نہ صاف کیا جاتا نہ ٹھنڈا کیا جاتا چنانچہ آپ شدید گرمی کے موسم میں اس کے ہاں کھانا کھلیے اور پانی طلب کیجے وہی پانی دیدیا جائیگا جو شوربے اور سالن کے برابر گرم ہوگا، چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ گرمی کے موسم میں گاہک اپنے ساتھ برف خرید کر لاتے ہیں، اور بی بھٹارن کی دکان کے پانی میں ملا کر پیتے ہیں،

بھٹیاریں صاحبہ کی دکان کی اس غلاظت اور گندگی کے ذمہ دار اصل میں اُس کے ہاں کے خریدار ہیں اور پھر وہاں کی مینوسپلٹی جو اس کے ہاں کی صفائی اور حفظانِ صحت کے اصول کی تکمیل پر توجہ نہیں کرتے، ہلکے تو اس لئے توجہ نہیں کرتے کہ اس زمانے میں بھٹیاریں کی اس قسم کی دکان پر صرف جاہل غنڈے اور مزدوری پیشہ لوگ ہی جاتے ہیں جو اس کی اصلاح اور صفائی کے لئے احتجاج اور انتظام کرانے کے طریقے نہیں جانتے، مگر مینوسپلٹی کے ارکان اس دکان کی بیماری اور وبا پھیلانے والی گندگی کے اس لئے ذمہ دار ہیں کہ وہ تعلیم یافتہ ہوتے ہیں، مگر پھر بھی وہ کھانے کی دکانوں میں ظاہری صفائی کے سوا اس کی مضرت رساں گندگی کو دور کرنے پر متوجہ نہیں ہوتے مگر ان کے متوجہ نہ ہونے کا سبب بھی اُس شہر کے عوام کی بے خبری ہے، ورنہ جس دن دس بارہ غنڈے مینوسپلٹی کے صدر صاب کے مکان پر پھونچکر یہ عرض کریں کہ بس دیر نہ کیجیے اور چلنے نالان بابی یا بھٹیاریے کی دکان میں کافی صفائی کا بندوبست فرمادیجئے اُسی دن سے اُس شہر کی تمام دکانوں میں نہایت معمولِ صفائی نظر آنے لگے،

الغرض بھٹیاریں جوانی کی عمر سے گزر کر جب بڑھاپے کی طرف سفر کرتی ہے تو اس کی مزاجیات نہایت ابرار و تحلیف دہ ہوتی جاتی ہے، مثلاً وہ اب لباس اور زیور کے صاب سے بھی ہتھ دواہیات سی عورت، ہو جاتی ہے، چنانچہ اس کا یہ دواہیات پن، ”کیا کم ہوتا ہے، کہ یہ اب حقہ پینا شروع کر دیتی ہے، اور کبھی کبھی افیون سے بھی لطف اٹھاتی ہے، اور ان لطیف غذاؤں کا یہ قہر نکلتا ہے، کہ اب اُس سے سیدھی طرح بات کرنا محال ہو جاتا ہے، جہاں آپ نے اُس سے

کوئی سوال کیا اور اُس نے یوں جواب دیا گو یا جو تیار دیا، اب اُس کی زبان نہ شوہر کے بس کی نہ بازار والوں کے قابو میں، اور ویسے بھی اب یہ ذرا ”وسیع المعلومات“ سی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ اب گاہک کا دکان پر بیٹھنا مصیبت ہے، جہاں آپ پہنچے اور اس نے خلافت ایچی ٹیشن اور کانگریس کے رضا کاروں کی بُرائی شروع کی، مگر اس درجے بے موقع اور بے ربط کہ خدا کی پناہ اگر اُسے کس آنرییری میجرٹ کا نام یاد ہے، تو وہ جہاں سے چاہیگی اس کا قصہ شروع کر دیگی اور جب چاہیگی شہر کو تو ال کا قصہ سنانے لگیگی، پھر آخری مصیبت یہ کہ نہ آپ سے مخاطب ہوگی نہ آپ کی طرف دکھیگی، مگر زبان ہوگی کہ قینچی طح برابر چلتی رہیگی، اب وہ دنیا کی نہیں تو اپنے شہر کی ہر چیز اور ہر بات سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتی ہے، اس لئے پُر دیسی گاہکوں کے لئے ایک حد تک وہ رہنما کا کام دیتی ہے، مثلاً آپ تلاش معاش میں اُس شہر میں داخل ہوں تو وہ یہاں کے وزیر صاحب تک کا نام بتا دیگی، مگر ساتھ ہی یہ کہہ کر رہیگی کہ میاں وہ بڑا لالچی آدمی ہے گرہ میں اگر کچھ ہو تو وہ آپ کے لئے سب کچھ کر دیگا ورنہ پھر کچھ بھی نہیں، وہ یہ بھی بتا دیگی کہ حکیم محمد احمد صاحب علی کا علاج زیادہ فائدہ کنز ہے، یا حکیم نابینا صاحب کا، وہ یہ بھی بتا دیگی کہ جاگکی بائی آلہ آباد والی اچھا گاتی ہے، یا مشتری جان آگرہ والی، وہ یہ بھی بتائیگی کہ خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں تو آلی کس عرس میں ہوتی ہے، اور مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کے وعظ کا وقت کب سے کب تک ہے، وہ ہندوستان میں انگریزوں کی چالاکیوں اور مظالم کو بھی بیان کریگی، اور ان سے پہلے کے زمانے کی تعریف بھی سنا ہیگی، اور وقت آنے پر وہ مولوی کو بھی سیدھی سیدھی سنا دیگی، اور صوفیوں کو بھی، اور کو تو ال صاحب کے تذکرہ کو بجا کر وہ عدالت کے

جج صاحب تک کی برائیاں کرنے سے باز نہ رہیگی، خاص کر پچھلے زمانے کے عدل انصاف اور طریق حکومت کے عمل اور بے معنی حوالے ضرور دیگی، اور اسی سلسلے میں وہ ایک آدمی کو کہانی بھی بطریق مثال شروع کر دیگی پھر آپ کا جی چاہے سنیں ورنہ وہ خود اسے بیان کر لیگی اور خود ہی سن لیگی، چنانچہ ایسا بھی ہوا ہے کہ اس کی سابق گاہک سے شروع کی ہوئی کہانی کو تازہ گاہکوں نے سنا ہے،

اس کی زندگی کا سب سے خطرناک حصہ اس کی وہ لڑائی ہے جو دکان پر یہ اپنے گاہک سے لڑتی ہے اور جس کے لئے آج تک دنیا کے کسی ایک قانون میں کوئی صراحت اور شرح یا دفعہ اور قاعدہ نہیں بتایا گیا، کہ آخر اس لڑائی کا حق اُسے کیوں کر ملا، پھر یہ کہ اُسے کس حیثیت سے گاہک سے لڑنا چاہئے، کس وقت لڑنا چاہئے، کس قسم سے لڑنا چاہئے، کتنی دیر تک لڑنا چاہئے، کس کے سامنے لڑنا چاہئے، اور پھر یہ کہ لڑنا ہی کیوں چاہئے، سیدھی طرح معاملہ صاف اور طے کیوں نہ کر لینا چاہئے؟ پھر یہ کہ اگر لڑتی ہے تو اپنی دکان کے گاہک سے لڑ، مگر دوسری پاس والی دکان کے گاہک کی لڑائی میں تو اپنی دکان پر بیٹھی ہوئی اُس طرف منہ پھیر کر کیوں برس رہی ہے؟ پھر یہ بھی کوئی دریافت کر کو کہ اسے معمولی سی بھٹیاریں وہ جو تیرا ایک مرد اور شوہر ہے وہ تو اپنی ساری عمر خاموش ہی رہا اور کسی سے نہ لڑا مگر تو ہے کہ بیوی جو کرہ آنے اور جانے والے سے جو اُکھٹے کو اُدھا رکھائے بیٹھی رہتی ہے تو آخر کیوں؟ پھر یہ کہ اگر تو لڑنے ہی کو تیار نہیں ہوئے ہے تو خیر لڑ، مگر خدا کے لئے اتنی دیر تک نہ لڑ کہ لڑنے والا گاہک اپنے گھر تک پہنچ جائے مگر تیری لڑ لڑ اور لڑ لڑ کا تار ہی نہ ٹوٹے،

پھر اس سے یہ بھی دریافت کیجے کہ جب تو لڑتی ہے تو اس طرح کیوں لڑتی ہے کہ تیرا شوہر بجائے گا ہک کے اُلٹا تجھے ڈانٹتا ہے مگر تو ہوتی ہے کہ اس پر بھی دم نہیں لیتی، اس کی لڑائی کا انجام ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ گا ہک تو صبر کر کے گھر چلا جاتا ہے مگر یہ برابر ٹر ٹر کرتی رہتی ہے، اور آخر کار ٹھک کر خوش ہو جاتی ہے، اس کا آغاز یوں ہوتا ہے جس کی کوئی تمہید نہیں ہوتی مثلاً جو چیز ہک خریدنا چاہتا ہے اُس کی حیثیت یا اُس کی قیمت سے جھگڑے کا آغاز ہوتا ہے، اور یہ کہتی ہے کہ

میاں تم نے کبھی پردیس کی صورت بھی دیکھی ہے؟

کبھی عمر میں خریدنا بھی تھا؟

کس گانڈوں کے رہنے والے ہیں آپ؟

جب گزہ میں بٹکان تھا تو پھر دکان پر تشریف ہی کیوں لائے؟

میں سمجھتی ہوں کہ گھر سے نکلنے کا شاید پہلا ہی موقع ہے؟

بس تو رکھ دیجئے یہاں ڈھائی آنے اور،

تو کیا مسافر خانہ سمجھا ہے میری دکان کو؟

تو کیا ہم کوئی ”کمین ذات ہیں“؟

تو پھر آپ سے کیوں باہر ہوئے آپ؟

بس زبان کو قلاب میں رکھئے،

ذرا ہوش کی لیجئے ورنہ ابھی معلوم ہو جائیگا آپ کو،

تو کس نے ہاتھ جوڑے تھے آپ کے؟

بہت خوب بہت خوب سچ فرمایا آپ نے،
 چھاتوں لائیے وہ ڈھائی آنے تو میں ہو جاؤں مخوش،
 ال دیا ہے مال، ہیں کس خیال میں آپ؟
 اسے حضرت کسی کا پیسہ رکھ لینا آسان کام نہیں ہے،
 یہاں بڑے بڑوں کو دیکھ لیا ہے آپ میں کیا چیز؟
 ہاں ہاں ہم تو ڈھائی آنے ہی لیتے ہیں اس کے،
 تو پھر آپ کی خوشامد کی تھی میں نے؟

واضح ہو کہ اس وقت بی بھٹیاریں کے میاں بھٹیاریے صاحب ہوٹل کے کسی گوشے میں
 یاد مچو نظر آتے ہیں یا تھپنے میں مصروف، اب اگر کہیں بولتے ہیں تو اتنا کہ اپنی ہی بیوی کو
 چپ ہو جانے کی ہلکی سی ہدایت فرما کر پھر تھپنے لگتے ہیں، اور جو کہیں شوہر صاحب کے
 ”دخل درگاہک“ سے گاہک رخصت ہو جائے تو پھر بی بھٹیاریں اپنے شوہر پر ٹوٹ پڑتی ہے،

تمہیں بیچ میں بولنے کی کون ضرورت تھی؟
 تو خبر بھی تھی کہ میں کیا کہہ رہی تھی اُس سے؟
 تو پھر تم ہی ”چلا لو دکان“

میں تو کہتی ہوں کہ تمہیں بیچ میں دخل دینے کی کیا ضرورت تھی،
 تمہاری باتوں ہی سے تو میرے ڈھائی آنے گئے ضائع،
 تمہیں خبر کیا تھی کہ معاملہ کیا ہے؟

مگر تم سے بولے بغیر رہا جائے جب نا؟

تم اپنا حق چھوڑ دو جب؟

تو کس نے کہا تھا کہ تم میرے اور گاہک کے درمیان بولو،

میں تو یہ کہتی ہوں کہ معاملہ تو سمجھ لیا ہوتا پہلے تم نے،

وہ بھی تو مجھے سنا رہا تھا خوب خوب،

اچھا تو کل سے تم میری جگہ بیٹھ کر دیکھ لو،

مسافر تو تھا تو کیا دام چھوڑ دیتی اپنے؟

اور وہ جو کل سے کہہ رہی ہوں کہ آنا خراب آرہا ہے،

اور یہ آج کے کبابوں کا گوشت تم لائے تھے یا وہ سدا؟

وہ تو میں خیال نہ کرتی تو یہ بھی نہ ملتا اور اوپر سے ہیں کہ معاملات میں دخل دیتے ہیں آپ،

اچھا تو ایسا میں نے کیا کہہ دیا تھا اُس سے،

کونسی فوجداری کی تھی میں نے؟

بھٹیاریں کی لڑائی سے بعض اوقات ڈپٹی کلکٹروں اور گورنروں تک کی سواری رک جاتی

ہے، اس طرح کہ اس کی لڑائی کا شور سُن کر راہ گیر ٹھہر جاتے ہیں اور اُن کی آن میں اس کی

دکان کے سامنے خاصا ہجوم ہو جاتا ہے اس ہجوم کی وجہ سے آنے جانے والے تانگے رک

جاتے ہیں اور ان کے پیچھے گونز صاحب کا موٹر کھڑا بیچتا رہتا ہے،

اس کا مکان نہایت تاریک اور گندہ ہوتا ہے، یہ خود دکان کے بعد نہایت غلیظ اور گندہ

رہتی ہے، مزاج کی بے حد حسست اور کابل، حکومت کرنے کی عادی، اور بات بات پر لڑنے کو تیار، اس کی اولاد کیلغت جاہل، آوارہ، قار باز، اور چاند و نوش ہوتی ہے، یہ مفلس اور تنگ دست رہنے کی عادی ہوتی ہے، دولت جمع کرنا اس کے امکان میں نہیں، ہمیشہ قرضدار اولاد کم، پھر بھی زبور کی عاشق، مذہب سے یکسر ناواقف، شوہر پر حاوی، صورت کی بھڑکی اور کالی، اور زبان کی نوک پر تو تران اور گالی، فقط،



دھوبی کی سیوی

دھوبی وہ جو ہمارے آپ کے اور ساری دنیا کے کپڑے دھوتا ہے، بظاہر تو لفظ ”دھوبی“ کا اطلاق اُس حقیر سے انسان پر ہوتا ہے جو کپڑے دھوتا ہے لیکن بین الاقوامی اور بین الجماعتی لحاظ سے دھوبی کی ذات نہایت اثر انداز اور تہلکہ ڈالنے والی ذات ہے، اس کے اثرات سے نہ فقط عوام بلکہ خواص اور خواص کے بھی خواص متاثر ہوتے ہیں مثلاً آپ ہی دیکھ لیجئے کہ دھوبی جس طرح ہمارے آپ کے گھروں پر کپڑے لینے آتا ہے اُسی آسانی کے ساتھ وہ دوسرے اور ملک معظم کے کپڑے لینے ان کے محلات پر چلا جاتا ہے اور کیا مجال جو اُسے یا اُس کے ننھے میاں کی والدہ کو ایک سپاہی یا پچاس سپاہی بھی ملکر روک تولیں، بلکہ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ دنیا کے تمام امیروں اور رئیسوں کے ساتھ دھوبی ضرور ہوتا ہے، ویسے بھی یہ ہر انسانی جماعت کے لئے اس درجہ ضروری چیز ہے کہ اس سے قطع تعلق کرنا گویا اپنی شرافت، اپنی شہرت، اپنے اثر اور اپنی حیثیت پر داغ اور دھبہ لگانا ہے کیونکہ جب سے پڑھ لکھے انسانوں نے ہر شخص پر اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑے دھونا معیوب قرار دیدیا ہے اُس وقت سے دھوبی کے اثر اور اقتدار میں بغیر موت کے پھانسی تک دیدینا شامل ہو گیا ہے، اور شریفوں کے لئے اس کا پھانسی پے

لٹکا دینا نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ عین عید کی صبح کو اُس کے گھر پر کھڑے ہوئے چلتے ہیں کہ

اے ملعون تو کیا آج عید کے دن بھی یہ میلے کپڑے پہن کر جاؤں؟

اور یہ اُس وقت بھی نہایت اطمینان کے لہجہ میں کہتا ہے کہ دے تو رہا ہوں میاں آپ کے کپڑے بس یہ ذرا عبداللہ خاں کے کپڑے اور تیار کر لوں، پھر اس کی یہ شان کیا کم ہے کہ یہ آپ کے کپڑوں میں سے جس کپڑے کو ذرا تسافت اور شاندار پاتا ہے اُسے دھوئے سے پہلے خود ایک ہفتہ تک پہن کر اکڑتا ہے، مگر آپ سے نہیں ڈرتا،

پچھلے زمانے کے دھوبی آج بھی نہایت تنگ و تاریک مکانات میں رہتے ہیں، مگر اس زمانے کا دھوبی شہر بمبئی میں ”بالشتر“ کی حیثیت سے ایک شاندار دکان میں رہتا ہے، البتہ عام دھوبیوں کے مکانات کی شان یوں نظر آتی ہے کہ ایک تاریک مکان میں سب سے پہلے اُس کا ”پاچہ بردار“ ٹٹویا گدھایا نیلام شدہ خمر یا مٹا تازہ ساہیل، بچھا ہوا نظر آتا ہے جس پر وہ تمام دنیا کے کپڑوں کا انہار لا دکر گھاٹ پر لیجا تا ہے اور کبھی کبھی اس انبار کے اوپر خود بھی بیٹھا ہوا نظر آتا ہے، ورنہ اس کے دونٹھے میاں تو اس سواری سے چوکے ہی نہیں، اس کا گدھا اکثر ایسے حصّہ مکان میں بندھا رہتا ہے جس کے بالکل ہی قریب آپ کے اور تمام محلے اور شہر کے شریفوں کے کپڑوں کا انبار لٹکا ہوتا ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ اگر اُس کا گدھا گھاس چرتے چرتے کبھی کپڑے چرنا چاہے تو آسانی سے چر سکتا ہے اسی لئے کبھی کبھی سنا ہے کہ وہ اپنے ننھے میاں کی والدہ سے چلا کر یہ کہتا ہے کہ ”اری

اندھی دیکھ وہ گدھا کپڑے کھا رہا ہے ”ذرا بھگا اُسے جلدی“

اس کے اقتدار اور اثر کا دوسرا نمبر یہ ہے کہ اپنے ہاں کے جمع کئے ہوئے کپڑوں کے انبا پر دھوبی کے پانچ چھ مہینے میاں سر وقت کھیلتے اُچھلتے، کودتے، پھاندتے اور گھسیٹ گھسیٹ کر بھاگتے ہیں نظر آتے ہیں، اور کہیں کہیں والد صاحب کی نظر پکا کر انہی کپڑوں کے اندر پشاب بھی فرمادیتے ہیں اور پھر کھیل میں مصروف ہو جاتے ہیں، اسی لئے تو یہ بڑے مولوی صاحب، ”کی قسم کے لوگ دھوبی کے عوض خود اپنے ہاتھوں سے جامع مسجد میں کپڑے دھولیتے ہیں، مگر دھوبی کو نہیں دیتے، دھوبی کے گھر میں بڑا اہتمام اُس ”کارخانہ پارچہ شئی“ کا ہوتا ہے جسے بعض لوگ بھٹی، اور بعض لوگ بھٹا کہتے ہیں چنانچہ جب کپڑے اس بھٹی کے اندر ڈال دیے جاتے ہیں تو پھر اگر پولیس بھی چاہے تو وقت پر انہیں نکال نہیں سکتی مثلاً جب آپ دھوبی کے گھر کپڑوں کے لئے جلیے یہی جواب ملیگا کہ ابھی بھٹی گرم ہو رہی ہے پرسوں ملیں گے آپ کے کپڑے“

دھوبی یقیناً ایک برادری والا انسان ہوتا ہے جو ایک منتظم حیثیت کی جماعت سمجھی جاتی ہے، اس برادری کے آداب و رسوم خاص ہوتے ہیں جن کا ہر دھوبی پابند ہوتا ہے، اس کے ہاں دوسری برادری اور جماعت میں شادی بیاہ جائز نہیں ہے لہذا اس کی بیوی بھی اسی برادری سے ہوتی ہے، جو نہایت درجہ جاہل خاندان میں پیدا ہوتی ہے، اور جاہلانہ رسوم و حالات کے ساتھ پرورش پاتی ہے، اس کی سیدائش پر حسب حیثیت مسرت اور تقاریب کا سامان کیا جاتا ہے، اس کے ہاں کم عمری کی شادی

جائزہ ہے اور بعض کے ہاں منع، اس کی تربیت اور تعلیم کا کوئی بندوبست نہیں ہوتا بس جاہل ماں باپ کے ساتھ رہتی ہے اور کپڑے دھونے کا کام سیکھ جاتی ہے، اور بس، البتہ یہ شادی ہو جانے کے بعد نہایت مُکَلَّمہ، ہو جاتی ہے، خصوصاً ابتدائی عہد میں تو اس کے پاس کپڑے لینے جانا خود کو موت کے مُنہ میں دینا ہوتا ہے، یہ صبح اور شام کے وقت سر سے لیکر جہاں تک اس کا بس چلتا ہے وہاں تک نچا گھونگھٹ فرمائے نظر آتی ہے، مگر اس نظری حجاب کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ کوئی بڑی ہی شرمیلی دھن ہے بلکہ اس گھونگھٹ کے اندر اُس کی ہاتھ بھر کی وہ زبان ہوتی ہے جس سے نہ سڑک پر کھڑا ہوا پولیس کا سپاہی محفوظ نہ ہم اور آپ، چنانچہ جس نے بھی اس سے اپنے کپڑے مانگے اور اس نے گھونگھٹ ہی کے اندر سے فرمایا،

دھرے ہیں کپڑے ابھی سے،

وہ کچھلے مہینے کے دام تو دو پہلے، پھر لینا کپڑے،

تو آپ کے ہاتھ کون جوڑتا ہے، دھلوا لیجے کسی اور سے،

ہاں ہم تو مہینے میں دو مرتبہ ہی دے سکتے ہیں کپڑے،

مجھے نہیں معلوم وہ کہاں رکھ گئے ہیں آپ کے کپڑے،

بس تو انھی سے لیجانا کپڑے،

اے میاں ایک روپائی میں سارے گھر کے کپڑے ہم سے تو نہیں دھوئے جاتے،

مردوں سے اس خیرہ سے گفتگو کے مقابل یہ ہمارے آپ کے گھر کی عورت ذاتوں سے جو

گفتگو کرتی ہے اُس میں یہ فرق ہوتا ہے کہ غریب گھرانے کی عورتوں سے جو بات کرتی ہے کافی خخرے سے اور امیر عورتوں سے جتنی دیر بات کرتی ہے کافی ادب، کافی خوشامد، اور کافی دعائیں دیکر،

اور جو کہیں یہ ہوئی افسردہ اور رئیسوں کے کپڑے دھونے والی، پھر تو عوام سے اس کے خخرے کا اندازہ ہی خال ہے، حد سے سوا شوخ اور بھڑک والا لباس پہنے گی، بھونڈا زیور اس کے سر کے بالوں سے لیکر پاؤں کے ناخن تک نظر آئیگا، چلیگی تو خخرے سے اور بات کرے گی تو خخرے سے، غرض یوں سمجھئے کہ وہ دھوبی کی بیوی ہونے پر خود کو دھوبی کی بیوی نہیں سمجھتی،

اس کے ہاں اولاد کی تعداد بھی کافی ہی نظر آتی ہے، لیکن اس کی علمی استعداد اور اس کی بہادرانہ جرات کا اندازہ اُسی وقت ہوتا ہے جب یہ اپنے گھر سے تین چار سو کپڑوں کی گٹھری سر پر لیکر اس طرح گھاٹ کو جاتی ہوئی نظر آتی ہے کہ سر پر اتنا بوجھ، اور گود میں ایک بچہ دودھ سے چمٹا ہوا اور دو چار آگے پیچھے روتے ہوئے یا کھیلنے ہوئے اور ان سب کے آگے اس کے کپڑے لیجا نیوالا گدھا، گویا بیک وقت وہ ایک گدھے اور دو تین بچوں کی کمانڈ بھی کرتی جاتی ہے، خود بھی بوجھ اٹھائے رہتی ہے، اور ایک بچے کو دودھ بھی پلاتی جاتی ہے،

اس کے بعد اس کا گھاٹ اس کے عمل کا مرکز بھی ہوتا ہے، اور یہی اس کی دوسری آرام گاہ بھی بن جاتا ہے، چنانچہ یہ عین اُس وقت جبکہ صبح صادق سے بھی کچھ پہلے اپنے بڑے مولوی صاحب نماز کے لئے کھانا شروع کرتے ہیں اور اُن کے ہاں کا سفید مُرغا اذان دینا شروع

کرتا ہے یہ کسی دریا یا کسی تالاب کے پانی میں اتر جاتی ہے، اور ہمارے آپ کے نفیس اور نازک کپڑوں کو کسی بڑے پتھر پر یوں اٹھا اٹھا کر دے مارتی ہے کہ دیکھ کر جی چاہتا ہے کہ اسی پتھر پر اس ”دھوبن“ کو دے ماریں، مگر یہ مسلسل دو تین گھنٹے تک پانی میں رہتی ہے، عام اس سے کہ جاڑے کا موسم ہو یا برن باری کا، اب یہ پانی سے باہر آ کر دھوے ہوئے یا بے دھوئے ہوئے کپڑوں پر بے تامل بیٹھ جاتی ہے اور اپنے بچے کو دودھ پلانا شروع کر دیتی ہے، اور کبھی جو ہوا وقت دوپہر کا تو پھر دودھ پلاتے پلاتے ہی انہی کپڑوں پر منع بچے کے خود بھی چیت پڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اسی جگہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے کام یا اپنی روزی خود کمانے میں کتنی مستعد اور علی عورت ہے، کہیں کمیں یہ مزاج کی چور بھی واقع ہوتی ہے، چنانچہ وہ آپ کے ہمارے کپڑوں میں سے بعض عمدہ سا کپڑا دوسرے شخص کو خفیہ طور پر فروخت بھی کر دیتی ہے، اور آپ سے کہہ دیتی ہے کہ وہ کپڑا مجھے گھر سے دیا ہی نہیں گیا، یاد دلاتا تھا مگر کھو گیا، اس موقع پر اس کے اور کپڑے مالک کے درمیان جبرمنی کی جو لڑائی نظر آتی ہے خدا اُس سے ہر شریف انسان کو بچائے۔

تو میرے بھی تو تین مہینے کے دام ہیں آپ کی طرف،
 میاں کا ایک کپڑا کیا کھو گیا کہ اب ہم ہو گئے چور زمانے کے،
 تو اپنے کپڑے کے دام ہی لو گے کہ کسی کی جان؟
 ہاں ہاں حضور ہم تو ہیں کہیں ذات مگر آپ اشرف ذات ہیں تو ہمارا بھی حساب صاف کر دیجئے
 ہاں ہاں میں اولاد کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ مجھے وہ کپڑا نہیں دیا،

اچھا اچھا تو آپ اول فول کیوں بولتے ہیں بس کاٹ لینا ہماری تنخواہ سے جتنا چاہیے،
 دیا بھی تھا کبھی انعام،

بس رہنے بھی دیکھے حصنور کیوں مجھ سے زیادہ

ہاں ہاں کہہ تو رہی ہوں کہ

اچھا تو پھر کو تو الی میں بند کرادیجے اب آپ،

کس کے سامنے؟

بھوٹ بھوٹ،

اُس درمیان میں کہیں کہیں ان کے شوہر صاحب بھی فرماتے جاتے ہیں بس تو چپ ہو جانا تو ہی

ہاں ہاں تو دام دیدیں گے پھر کیوں چلا رہی ہے تو،

حضور میں ذمہ دار ہوں وہ تو ہو گئی ہے دیوانی،

بس تو آپ مجھ سے لینا،

اُس موقع پر یہ شوہر صاحب کو بھی وہ سُناتی ہے کہ سُنئے اور مست ہو جائیے،

بس تو پھر تم ہی لانا اُن کے کپڑے،

تو تم بچ میں کیوں بولے،

کیا تم گئے تھے کپڑے لانے،

تو اُن کی بھی سُنی تھیں باتیں،

اچھا تو اب تم ہی دھونا اُن کے کپڑے،

کپڑے دھونے میں مُستعد مگر گھر کے کاموں میں میلی اور سُست، مکان اور اُس کا سامان گندہ، صرف اپنا لباس اور زیور صاف نہ زیادہ فضول خرچ نہ زیادہ جمع کرنے والی، اولاد کی تربیت میں نہایت جاہل اور بے پروا، شوہر کی عزت کرنے والی مگر کبھی کبھی برا سے لڑنے والی، اپنی روزی کمانے میں خود نہایت ہوشیار، چالاک، شوہر کی طرح اولاد سے بھی بے پروا،

شدید قسم کی جاہلانہ رسوم کی پابند، نہ مذہب سے خبردار نہ دنیا کی کسی دوسری تحریک سے واقف،

بہت بڑھی تو میلے اور تھوار کے دن بچوں کے کپڑے ذرا عمدہ بنا دیئے ورنہ ننگ دھج کم شرانے والی، زیادہ بولنے والی، اور زیور کو بُڑھا پے تک نہ چھوڑنے والی، بے حد حریص اور لالچی، چنانچہ تقریبات میں جتنا بھی انعام دیئے آخر میں اتنا ضرور کیسلی کہ ایک روپیہ تو اور دیدیئے، ابکی تو کچھ بھی نہ ملا، بے حد مکار، اور جھوٹ بولنے والی، چنانچہ جب یہ کہے بس جمعہ کے دن لادو گئی کپڑے تو سمجھ لیجئے کہ دوسرے جمعہ کو بھی دیدیئے تو احسان ورنہ چاند کی پہلی کو، سودہ بھی اس طرح کہ آپ خود دس مرتبہ اس کے گھر جا کر گالیاں دیں یا ملازم کے ذریعہ اسے مسلسل غریب اور نظمیں سُنا تے رہیں، اسی عادت کی بنا پر وہ کبھی کبھی کپڑے والوں کے طلبہ بھی متبادل فرماتی ہوئی دکھی گئی ہے،

بھنگی کی بیوی

بازاری تعلقات، خدمات، اور اثرات کے لحاظ سے بھنگی بیوی کا رتبہ بھی خاص ہے، یہ انسانی ضروریات اور خدمات کے لحاظ سے نہایت ضروری بیوی لفظ بھنگی کے ظاہری معنے کے لحاظ سے سمجھا تا ہے کہ یہ بیوی، غلاظت، گندگی، اور میلہ پن کی ایک نہایت گھناؤنی پوٹ ہوگی اور کھدک ایسی ہی ہوتی بھی ہے لیکن بعض حالات کے ساتھ یہی بھنگی زادی، بعض اشرف اور امراء کے گھر کی ملکہ بھی بن جاتی ہے،

بھنگی کی پیدائش بھنگی ہی کے گھر سے ثابت ہے، دوسرے مالک کو چھوڑ کر ہندوستان میں ”بھنگی“ سے زیادہ ذلیل، پست، خوار اور پلید و سرا کوئی انسان نہیں سمجھا جاتا اسی لئے اس کے خواص میں بھی حد سے سوا بے چارگی، بندگی، مغربت، ذلت اور پستی بطریقِ مطلق موجود ملتی ہے، یعنی ایک بھنگی خود کو ہر انسان سے نہایت درجہ پست، ذلیل، کمزور اور سب سے نیچے درجہ کا انسان سمجھا جاتا ہے، اور یہ اس لئے کہ ابتدا ہی سے اُس کے ساتھ جاتا میں نہایت ذلیل اور ذلت انگیز برتاؤ روا رکھا گیا ہے، چنانچہ جماعت یا عام افراد کی طرف سے بھنگی انسان کے ساتھ جس قسم کے تعلقات رکھے جاتے ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں

ای بھنگی، اُس کی بیوی، اور اُس کی اولاد، اور اُس کے جملہ متعلقات سے چھو جانا، ہاتھ لگانا

یا اُس کے قریب سے گزرنا "پاکی" پلیدی اور گناہِ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے، چنانچہ جاہل طبقات میں سے اگر کوئی شخص کسی بھنگی سے سہواً بھی چھو جائے یا اُس کے کپڑے سے کپڑا چھو جائے تو اس صورت میں چھو جانے پر غسل کرنا اور اُن کپڑوں کو یا پھینک دینا یا از سر نو پاک کرنا فرض سمجھا گیا ہے،

۲۔ بھنگی کو اشراق کی آبادی میں رہنے کے لئے جگہ دینا جماعت میں ممنوع ہے، اسی لئے بھنگی ہمیشہ آبادی سے ایک طرف اور درگھر بناتا ہے،

۳۔ بھنگی ضرورت کے سوا آپ کے گھر میں قدم نہیں رکھ سکتا،

۴۔ اُس کے آداب گفتگو یہ ہیں کہ اُس سے آپ جب مخاطب ہوں تو۔ تو۔ تراق و اُسے مخاطب کریں، اور وہ جب آپ کو جواب دے یا آپ سے بات کرے تو آپ کو حضور (ان داتا، مائی باب، مالک، آقا، اور سرکار کے اور اس طرح کی گفتگو کو نہ آپ مایوس سمجھئے نہ بھنگی اسے غیر منصفانہ برتاؤ قرار دیتا،

۵۔ بھنگی کو اپنے سلسلے کا بچا ہوا کھانا، باسی ترکاری، اور گندگی سے بھرا ہوا کھانا دینا بھی جائز ہے اور بھنگی اپنی گندہ ذہنیت کے باعث اسے بغیر کسی اعتراض اور نفرت کے قبول بھی کر لیتا ہے،

۶۔ جماعت کے اس ذلت انگیز برتاؤ نے جب ایک ضابطہ کی صورت اختیار کر لی تو بھنگی کی نسل اور طبیعت تک میں گندگی اور ذلت نے جگہ پکڑ لی، چنانچہ اُس کے اندر گندگی اور ذلت پسندی کے جملہ خواص موجود نظر آتے ہیں،

البتہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے ہندوستان میں جو ذہنی اور عقلی انقلاب شروع ہوا ہے اُس کے اثر سے یہاں کی بعض پست اور ذلیل جماعتوں میں اپنی فطری خود داری، اور تبدیلی کا ایک ضعیف سا احساس پیدا ہو گیا ہے جس کے زیر اثر، تھام، دھوبی، چار اور بھنگی، برادری میں نئی زندگی کے آثار اور اعمال نظر آنے لگے ہیں، چنانچہ ایسی جماعتوں میں اپنی برادری کی تنظیم، تقویٰ، تعلیم، اور رسوم بد کی اصلاح کے لئے انجمنیں، اور لیڈر پیدا ہو گئے ہیں، جو اپنی اپنی جماعتوں کو عام انسانوں کے برابر ترقی دینے کے لئے سعی میں ہیں، لیکن پست جماعتوں کے اس احساس کی رفتار اس لئے ابھی سست اور ناقابل التفات ہے کہ ان میں دیرینہ جمالت کے اثرات کافی سے زیادہ موجود ہیں، اس لئے وہ جدید انقلاب اور تبدیلی کو نہ ہی اور قومی ریاضیات کا خالف اور ایسے اعمال کو مذہبی گناہ سمجھتے ہیں، جو نیم تعلیم یافتہ ہونے کے باعث پست جماعتوں کو عام انسانی حقوق دینے اور دلانے کو اپنے اقتدار کے خلاف سمجھتی ہیں اسی لئے پست جماعتوں کے مصلحین کو اصلاح کے لئے عام تائید حاصل نہیں ہوتی، پھر بھی اعلیٰ جماعتوں کی اصلاحی تدابیر اور ترقی حاصل کرنے کے ذرائع کو دیکھ کر پست اقوام کے افراد نے اپنی اپنی جگہ کام شروع کر دیا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ ہندوستان کی پست اقوام کو عام انسانوں کے برابر ترقی حاصل کرنے کے جو مواقع انگریز قوم نے دیئے وہ ان سے پہلے نظر نہیں آتے، مثلاً انگریزوں نے اپنی جاری کردہ عام سواریلوں مثلاً ریل، موٹر کار، سائیکل، مسافر خانوں، اور اسٹیشنوں پر پست جماعتوں کے لئے کوئی ممانعت اور خصوصیت روا نہیں رکھی اور اسی لئے جس ریل میں آپ سفر کر سکتے ہیں

اُسی میں ایک بھنگی اور چار بھی سفر کر سکتا ہے، اسی طرح انتظامی امور میں بھی انگریزوں نے متعدد مواقع پر پست جاعتوں کو برابر کے حقوق دیکر انھیں ترقی کے مواقع بہم پہنچائے۔ مثلاً ایک چار اور بھنگی کا لڑکا اور اُس کی لڑکی ہر انگریزی تعلیم گاہ میں اُس کی عام شرط کے ساتھ ہمیشہ سے داخل ہو سکتا ہے اور داخل ہو سکتی ہے، اسلام میں بھی پست اور اعلیٰ جاعت کا کبھی کوئی معیار قائم نہیں ہوا لہذا اب وہ لوگ پست جاعتوں کے محسن نہیں کہے جاسکتے جو آج انھیں ترقی دلانے چاہیں بلکہ یوں کہئے اور نہایت دیانت سے کہئے کہ اگر انگریز قوم اپنے نظم حکمرانی میں پست اقوام کے لئے مذکورہ بالا اور ان سے بھی سوا مراعات کو جائز نہ رکھتی تو پست اقوام کا موجودہ احساس ترقی کبھی بیدار نہ ہوتا، چنانچہ انگریزوں کے جملہ قوانین میں بعض خاص حالات کے سوا اعلیٰ اور پست اقوام کے ساتھ یکساں برتاؤ کو جگہ دیکر موضوع ہم بھونچا یا گیلہ ہے کہ پست اقوام آگے بڑھیں، چنانچہ پست اقوام کی جدید جدوجہد، تعلیم، تمدن، معاشرت، تجارت، ملازمت، خدمت، غرض ہر شعبے میں جاری ہے اور نام یہ ہے کہ ہندوستان کے بعض وسیع حوصلہ افراد اپنے ہاں سے پست اقوام کا امتیاز اور فرق مٹانے کے لئے بیدار ہو چکے ہیں، حالانکہ پست اقوام کی بیداری پہلے انگریزی حکومت کی، پھر برطانیہ کی اُمتوں کی ہے اور بس، جس میں غیر اقوام کے میل جول اور حالات کی اطلاع خصوصاً اخبارات کی کثرت نے مزید جوش اور بیداری پیدا کر دی ہے، چنانچہ بھنگی برادری میں بھی ترقی اور بیداری کے جملہ اثرات کام کر چکے ہیں، اور اب اُن میں ترقی اور طلب حقوق کے لئے انجمنیں، مدرسے، اور رہنما پیدا ہو چکے ہیں، اور جن صوبوں

میں اعلیٰ جماعتوں نے جتنی ترقی کی ہے وہاں کی جماعتوں میں بھی اتنا ہی کام کیا جا رہا ہے، چنانچہ اس وقت جبکہ ملارٹووزی یہ مضمون لکھ رہے ہیں اُن کے سامنے صوبہ پنجاب کے ایک بھنگی کے لئے یہ اطلاع موجود ہے کہ وہ صوبہ پنجاب کی سرکاری مجلس قانون ساز کا رکن مقرر ہو چکا ہے، پھر اتنی بڑی مجلس کا رکن بنکر وہ جو کام کر رہا ہے اُسے اخبار طاپ لاہور، مورخہ ۱۸- فروری ۱۹۳۱ء نے اپنے صفحہ ۳۷ کا لمبے پران الفاظ میں شائع کیا ہے،

”لاہور ۱۶- فروری ۱۹۳۱ء، آج صبح ایک ہزار بھنگی، چار، اور دیگر اچھوت اقوام کا بچم” بنی، ”بھنگی نمبر کو نسل کی رہنمائی میں عکسائی دروازہ سے جلوس کی صورت میں روانہ ہوا تاکہ گوڈنٹ ہاؤس یعنی گورنر کے مکان پر جا کر اس امر کی شکایت کرے کہ آئندہ مردم شماری میں پست اقسام کو ہندو یا سکھ کیوں لکھا جاتا ہے، مشن کالج کے قریب پولیس نے اس جلوس کو روک لیا اور اس کے گرد گھیر ڈال لیا، اچھوتوں کا رہنا بنی بھنگی ڈپٹی کمشنر کے پاس گھنٹ و شنید کے لئے چلا گیا، اور جلوس کو ہدایت کی کہ سب لوگ بیٹھے رہیں اور گفت و شنید کے نتیجے کا انتظار کریں، معلوم ہوا ہے کہ اچھوتوں کا مطالبہ یہ ہے کہ انھیں پنجاب کو نسل اور تمام مقامی حکمرانوں میں جدا گانہ حق نیابت دیا جائے،

جناب بنی کی یہ کارروائی پنجاب کے بعض ہندو بھائیوں نے خلاف ہندوؤں

کی ترجمانی کرتے ہوئے اخبار ”ملاپ“، لاہور نے اپنی اشاعت مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۲ پر اس شخص کے متعلق ذیل کے الفاظ لکھے ہیں،

”مسٹر بنسی کے متعلق یہ ذکر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ لاہور کا ایک

بھنگی ہے اور جب ہندوستان کو انگریزوں سے آزادی اور حقوق دلانے

والی انجمن ”کانگریس“، نے مجالس قانون سازی میں جانا نا جائز قرار دیا تھا

تو چند بے سمجھ لوگوں نے ”کانگریس“، کے اثر و رسوخ کا نا جائز فائدہ اٹھاتے

ہوئے اس شخص کو چند نہایت ہی بارسوخ ہندوؤں کے مقابل میں کھڑا کر دیا

اور اسے پنجاب کونسل کا رکن بنا کر خواہ مخواہ ہندوؤں کے سر مرٹھا،

لیکن ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء کو شہر لاہور میں چوہڑوں، چاروں، اور دیگر اچھوت اقوام کا جو

زبردست جلسہ ہوا اُس میں اسی بھنگی نے جو تقریر کی اُسے اخبار ”ملاپ“، لاہور نے اپنی مذکورہ

بالا اشاعت میں ان الفاظ کے ساتھ شائع کیا ہے،

”پہلے رحمت شاہی کا زمانہ تھا، رہ اب گزر گیا، اب مطلب شاہی کا زمانہ ہے،

میں اپنے مطلب کے لئے ہندو بنا، میں نے اپنا اُلو سیدھا کیا اور لاہور کے

ہندوؤں کی بدولت مجھے پنجاب کی مجلس قانون سازی کی رکنیت نصیب ہوئی

یہ صدر جلسہ جناب عبدالغنی صاحب ایم اے، بار ایٹ لا، کی انگریزی ٹوپی

ہے جو آپ کے سامنے گرہی پر بیٹھے ہوئے ہیں، اس مجلس کے ویسے ہی رکن میں

جیسا کہ میں، مگر یہ مزدوروں کے نایندے ہیں، مجلس میں ان کے متعلق یہ مشورہ ہے

کہ ”یہ مفت کے رکن ہیں،“ کیونکہ یہ مزدوروں کو ان کی تنظیم کرنے کے بعد ان کے حلقے سے مفت میں رکن بن جاتے ہیں، مجھ میں اور ان میں یہ فرق ہے کہ وہ مزدوروں کے نمائندے ہیں اور میں لاہور کے ہندوؤں کا نمائندہ ہوں، میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنے مطلب کے لئے ہندو بننا تھا، تم بھی مطلب پرست بنو، مگر تم ہرگز ہندو نہ بنا۔ میرے کئی رام داسی بھائی اپنے آپ کو سکھ لکھاتے ہیں حالانکہ وہ سکھ نہیں ہیں۔ کیونکہ سکھ وہ ہوتا ہے جو فوج میں ملازم ہو، بندوق رکھے، تلوار اٹھائے، صوبیدار ہو، جو دار ہو، تم تو کرسی اٹھانے والے ہو تم کیا سکھ ہو سکتے ہو؟ ہندو اس وقت تک بھنگیو اور چوہڑوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور ان کی لاعلمی اور بے سمجھی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مجالس قانون ساز اور مینو سلسٹیو میں ان کی نشستوں پر فائز ہوتے رہے ہیں۔“

اس تحریر کے نقل کرنے سے یہ مطلب ہے کہ آپ بھنگی برادری کے ارکان کی ذہنی اور عملی ترقی و تبدیلی کا اندازہ کر سکیں،

لیکن اس قدر حالات کا یہ منشا نہیں ہے کہ ہندوستان کے تمام بھنگیوں میں اتنی ہی تبدیلی اور بیداری پیدا ہو چکی ہے، بلکہ اس قسم کی بیداری ابھی (۵ فیصدی) سے آگے نہیں بڑھی ہے اور عام بھنگی اُسی پست حالت میں ہے جن کو اوپر اختصار کے ساتھ دکھایا گیا ہے، اس لئے بھنگی کی بیوی عام طور پر جس طرح پیدا ہوتی ہے، اُس کا نمونہ یہ ہے، یہ نہایت

گندہ اور تاریک مکان یا جھونپڑے میں پیدا ہوتی ہے، مگر پیدائش پر اظہارِ مسرت میں باجا اور گانا بھی ہوتا ہے، اور برادری کی عورتیں بھی جمع ہوتی ہیں، حسبِ حیثیت جا ہلانہ رسوم بھی ادا کی جاتی ہیں، اور حقیقتہً بھی،

ابتدائی تربیت میں کچھ بھی نہیں یعنی اس کی عمر کے دس سال بے کار جاتے ہیں، جن میں نہ اُسے تعلیم دی جاتی نہ کوئی ہنر سکھایا جاتا، دس سال کے بعد وہ اپنے ماں باپ کے پیشہ اور کام میں شریک کر لی جاتی ہے یعنی غلاظت اور سڑکوں کی صفائی کا کام کرتی ہے اور اس کے ہاں بھی کم عمری کی شادی جائز ہے، اس لئے وہ کہیں آٹھ نو برس کی اور کہیں پندرہ سولہ سال کی دلہن بنتی ہے، شادی کی رسوم میں پوری برادری کا شریک کیا جانا اور کھانا نہایت ضروری شرط ہے، اس کے سوا دوسری رسوم میں بھی حسبِ حیثیت روپیہ خرچ کیا جاتا ہے اور بس چلتا ہے تو رنڈی بھی بلانی جاتی ہے اب اس کا دلہن بکر شوہر کے گھر آنا ثابت ہے، چنانچہ دلہن کے آنے پر اس کی ساس ماں سے غرور کے قابو میں نہیں رہتی، چنانچہ وہ دلہن کے کپڑے اور زیور پہنا کر پہلے تمام مکانوں میں ”سلام“ کے لئے اسے لیجاتی ہے اور ہمارے آپ کے ننھے میاں کی والدین اسے ”سلامی“ میں روپیہ، زیور، اور کپڑے دیتی ہیں، یہ گویا اس کا ابتدائی تعارف ہوتا ہے، اس کے چند دن بعد تک وہ اپنے شوہر یا اپنی ساس کے ساتھ نہایت آراستہ پیراستہ ہو کر ایک لمبنے گھونگھٹ کے ساتھ مکانوں اور سڑکوں کی صفائی کا کام شروع کرتی ہے اور اسی طرح وہ رفتہ رفتہ بے باک اور بے حجاب ہوتی جاتی ہے اب وہ چند دن کے بعد سے مکانوں میں صفائی کے لئے اس طرح آتی ہے

کھٹائی کے بعد تھوڑی دیر آپ کے ننھے میاں کی والدہ سے باتیں بھی کرتی ہے اور آہستہ سے پان گیلے یا کسی کپڑے کی فرمائش بھی کرتی ہے جسے اپنے ننھے میاں کی والدہ فوراً پورا کر دیتی ہیں، اسی طرح اس کے مراسم بعض گھرانوں میں بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، اور ننھے میاں کی بعض ”والدائیں“ تنہائی کے اوقات میں اس سے ”راز“ کی باتیں بھی کر گزرتی ہیں گفتگو میں یہ ہمیشہ ”ہزار داستان“ ہوتی ہے، اس لئے عام عورتیں اس سے بہت جلد مانوس ہو جاتی ہیں،

اب یہ عورتوں سے بڑھ کر مردوں سے بھی ہم کلام ہوتی ہے، اپنے لباس اور زیور کی ڈالش پر مرتی ہے اور ہمیشہ نہایت آراستہ پیراستہ ہو کر تشریف لاتی ہے، ”ایک گھر میں دوسرے گھر کے حالات سنا جاتی ہے، تمام محلّے کے گھرانوں خصوصاً عورتوں کے حالات سے کافی طور پر واقف ہو جاتی ہے، اور ہر گھر کی عورتوں کے حالات سے واقفیت بہم پہنچانے کی شائق ہوتی ہے، اور انہی خبیثوں کے باعث بعض ”اشراں“ اس سے نکاح کر لیتے ہیں،

یہ اپنی خدمات کے بجالانے میں نہایت مستعد اور تیز ہوتی ہے چنانچہ سوج بھجنے سے پہلے یہ ہمیشہ سڑکوں کو صاف کرتی نظر آتی ہے، مگر اس طرح کہ اگر اس سڑک پر سے آپ گزر رہے ہیں تو یہ ترجمہی نظروں سے آپ کو دیکھ کر اسی طرف گرد زیادہ اڑائیگی جس طرف سے آپ گزر رہے ہوں اطلاق کے لحاظ سے یہ نہایت درجے بے حس، بے حیا، اور بے غیرت ہوتی ہے، اور یہ اس لئے کہ خود اعلیٰ جماعتوں کا اس کے ساتھ برتاؤ نہایت غیر شریفانہ ہوتا ہے، مثلاً اسے ہر مرد عورت اور ہر بچہ جس قسم کی گالی چاہے دیسکتا ہے مگر یہ اس کا ویسا ہی جواب نہیں دے سکتی، لہذا بچو آ

گالیاں کھانے سے اس کی خود داری اور غیرت کی قوت مُردہ ہو جاتی ہے اور کہنے میں یوں آتا ہے کہ بھنگی زادی بڑی بے غیرت ہوتی ہے،

اس کی معاشرتی حالت نہایت درجہ ہیبت اور گندہ ہوتی ہے، اُس کے ہاں بچوں کی صحت بچوں کی تعلیم، اور بچوں کی تربیت کا خیال تک نہیں ہوتا اُس کا گھر اُس کے برتن، اُس کا بستر، غرض ہر چیز نہایت تاریک گندہ اور میل ہوتی ہے، البتہ وہ زیور کو نہایت سلیتے اور عسائی لگا رکھتی ہے، اور اسے روزانہ پہنتی ہے، وہ بیمار اور مُردار، جانوروں کا گوشت کھاتی ہے، پیروں، قبروں، اور گنڈے تعویذ کی بے حد معتقد ہوتی ہے، اور غریبی احکام سے یکسر بے خبر،

باہر صفت قلیل آمدنی کے بے حد منظم اور روپیہ جمع کرنے والی ہوتی ہے، مُرغا مرغی پالنے کی بڑی شائق، اور کثرتِ اولاد کے لحاظ سے ہر وقت دس بارہ بچوں کی ماں، زیور کا جمل، سُرمے، اور رنگین کپڑوں پر عاشق،

شوہر کی خدمت گزار، گرجا دی، بڑھاپے میں مزاج کی تیز اور کام میں مستعد، شادی بیاہ کے مواقع پر خود ہی گانے والی اور خود ہی ناچنے والی، حریص، لالچی، اور کہیں کہیں چور، زیادہ بات کرنے والی، اور زیادہ کام کرنے والی،

تیلی کی بیوی

کاروباری لحاظ سے اس بیوی کو بھی بازار سے تعلق حاصل ہے، مگر حالات اور اثرات کے اعتبار سے یہ بہت معمولی قسم کی بیوی ہے، اس کے متعلق وسطی ہندوستان میں مٹاوتیزی کو جو تقریبات ہوئے ہیں وہ نہایت محدود ہیں،

تیلی وہ جو تیل کا کاروبار کرتا ہو سو وہ بھی کھانے پکانے کے تیل کا ورنہ آپ سمجھیں کہ ”لوٹوڈ“ یا ”ہیرا تیل“ قسم کے سرمے میں ڈالے جانے والے تیل کا، پس واضح ہو کہ تیلی ایک حد سے سوا جاہل انسان کا نام ہے، جس کے ہاں لمباناہمالت گویا کسی ایک نسل میں بھی علم و تعلیم کا اثر پاس سے ہو کر بھی نہیں گزرتا اور اسی لئے اس کی بیوی ایک تاریک تر خاندان میں پیدا ہوتی ہے اور نہایت بھونڈی اور تاریک رسوم و تقریبات کے ساتھ اس کی پیدائش کی خوشی منائی جاتی ہے، اور اسی طرح وہ خالص جاہلانہ مراتب زندگی سے گزر کر کبھی ۶ برس کی عمر میں اور کبھی ۱۲ برس کی عمر میں بیوی بنادی جاتی ہے، اس کی برادری اور قومیت خاص ہوتی ہے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ جلاہے کے بیٹے کی بیوی تیلی کی لڑکی بنادی جائے اس لئے تیلی شوہر کے لئے شادی کے وقت کسی خاص قابلیت یا دولت مندی کی شرط ضروری نہیں، بس یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ تیلی ابن تیلی ہے یا نہیں، پس اس کے تیلی زادہ“ ہونے کی

تصدیق کے بعد ہی سمجھ لیجے کہ شادی ہو گئی،

ایک بیمار سے ٹوٹا پردہ لھامیاں لال لال رنگ کے عجیب و غریب کپڑے پہن کر لگنے والی نہایت ذلیل قسم کے باجے بجاتے ہوئے دلہن کے گھر آ گئے، یہاں بغیر فرش کے زمین پر اور کبھی کبھار چھوٹے سے فرش پر اور نہ اپنے اپنے پاس کی دھوتیوں اور چادروں کو بچھا کر باراتی لوگ بیٹھ گئے، عورتوں میں ”گانا“ تو کیا ہاں گانے قسم کا ایک شور سا ہوا، نہایت ادنیٰ قسم کے چاول خود باراتیوں نے پکائے اور سڑک کے کنارے پر بغیر فرش و درسترخانہ بچھائے رات کے تین بجے کھانا کھا کر اُسی جگہ یوں سو گئے، گویا بڑے اول نمبر کا ماحضرتناں فرما کر اب آرام فرما رہے ہیں، جب سو بچ سریر سے ہو کر سینے پر آگیا اور محلے کے کتے ان کے آس پاس جب گشت کرنے لگے تو عجیب تال ہڑکے ساتھ جائیاں اور انگڑائیاں لیکر اُٹھے اور دو تین تولیہ پانی جھڑک کر حلیم پی اور پھر شادی کا نایچ ناچنے میں یوں مصروف ہوئے کہ سڑک پر سے گزرنے والے ڈپٹی کلکٹر صاحب بھی موٹر روک کر ان کی بیہودگیوں کے دیکھنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو ان ناچنے والے تیلیوں میں کا ایک تیلی بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہو بلکہ تمام ناچنے والے تیلی ڈپٹی صاحب ہی کو اُلٹا بے وقوف سمجھ کر گاتے رہیں، مگر چپ نہ ہوں،

تھوڑی دیر بعد سسرال سے ”جس قسم کی ملی“ دولہا کے ٹوٹا پردہ لاد کر اس طرح سے چلے کہ تمام راستے نئی دلہن ٹوٹا پردہ پہنی ہوئی چلا چلا کر روتی ہوئی دولہا کے گھر آتی ہے مگر کیا مجال جو راستے میں ایک بار اتنی بھی ٹوٹا پردہ لاد کر اُس سے کہے کہ ”ارنی نیکیخت“

راستے میں تونہ رو،

گویا ان کے ہاں راستے میں دامن کا چلا چلا کر رونا کوئی ایسی زیادہ معیوب بات نہیں، نہایت بھونڈے قسم کے زیور سے لوی ہوئی دامن جہاں دو لٹا کے گھر آئی کہ دوسرے ہی دن سے آزاد، اب وہ تیلی کے گھر کا کام بھی کر رہی ہوگی اور دکان پر بھی کبھی کبھی نظر آجائگی، اور رفتہ رفتہ کے قاعدے سے وہ ایک دو مہینے میں اتنی آزاد ہو جائیگی گویا اسی گھر سے بیاد کر اسی گھر میں رکھ لی گئی ہے،

اب وہ تیل کا برتن لیکر محلے کے گھروں میں تیل فروخت کرنے بھی جائیگی اور دکان پر بھی تیل فروخت کرے گی، البتہ گھروں میں جا کر تیل فروخت کرنے میں وہ اپنی ساس کے بغیر ابتدا میں ذرا کم آزاد رہوتی ہے، مگر جب وہ ساس کے بغیر گھروں میں جانے لگتی ہے تو پھر وہ نامی آزاد ہوتی ہے، اور گھر کی پردہ نشین عورتوں کو بے وقوف بنانے میں کافی اُستاد ہو جاتی ہے، مگر اُسے محدود قسم کے حالات کی بنا پر یہ گھروں کے اندر زیادہ دلچسپ نہیں ہوتی،

اس کی دکان اکثر اس کے گھر ہی کے باہر والے حصہ میں ہوتی ہے، جہاں یہ کبھی کبھی بہت خاصی خوبصورت بنکر بیٹھنے کی کوشش کرتی ہے، مگر تیلی کی گندہ معاشرت کے لحاظ سے یہ ظنی زیادہ خوبصورت بننے کی کوشش کرتی ہے اتنی ہی زیادہ بھونڈی اور بد صورت نظر آتی ہے، چنانچہ ہم نے آج تک ایک تیلی کی بیوی کو بھی سفید رنگ نہیں دیکھا، پھر خوبصورتی پیدا ہو تو کس طرح،

اس کی گھر بچہ زندگی نہایت درجہ گندہ اور تاریک ہوتی ہے، صفائی کے عوض ہر طرف

غلاظت اور گندگی نظر آتی ہے، اسے جب دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ پیدائش کے دن سے آج تک نہ اس نے کبھی غسل کیا نہ کپڑے بدلے،

اس کی گندگی کے اثرات اس کی اولاد کے اندر بہت زیادہ نظر آتے ہیں، اور اسی لئے اس کے ہاں اولاد کی کثرت نظر آتی ہے، لیکن گھر کے کاموں میں نہایت تیز مستعد، اور ہوشیار، روزی کمانے میں بے حد مستعد، شوہر کی فرماں بردار، مذہب سے یکسر ناواقف، جاہلانہ رسوم کی پوٹ، باقی خیریت،



جُلاہ کی بیوی

جُلاہ مادہ جو کپڑا بنانے یا پٹنے کا کام کرتا ہو، اُسے مُؤن بھی کہتے ہیں، اس کا وجود نہایت قدیم اور تاریخی روایات رکھنے والا ہے، اس کا کام بازار کی زندگی کے لئے روح کا حکم رکھتا ہے، کیونکہ جب تک یہ کپڑا تیار کر کے بازار میں نہ لائے اُس وقت تک ہم گھر سے باہر نکلنے کے قابل ہی نہیں ہو سکتے اور اگر آپ بغیر جُلاہ کی امداد کے گھر سے باہر نظر آجائیں تو تمام دنیا آپ کو بے وقوف کہے اور شہر کی پولیس آپ کو فوراً پاگل خانے بھیج دے،

لفظ جُلاہ اگس کے پیشے اور کاروبار کی نسبت سے وضع کیا گیا ہے، ورنہ اس کا اصل نام شیخ محمد ابراہیم اور کشن رام ہوتا ہے، اس کی جماعت میں نہایت ممتاز ذی علم، اور رابز سطوت و اقتدار بھی موجود ہیں، یہاں تک کہ یورپ کے جُلاہ سے تو وہاں کے اچھے اچھے وزیر اعظم کا پتہ ہے،

ہندوستان میں بھی یہ ہمیشہ سے ممتاز و معزز رہا ہے، البتہ پچھلی صدی میں یورپ والوں کی تجارتی آسانوں اور مشینوں کی درآمد نے اس کی حیثیت کو کافی نقصان پہونچایا اور اپنے کاروبار کی کمزوری کے باعث بہت زیادہ حقیر سا نظر آنے لگا تھا کہ پچھلے دس سال

میں ہندوستان کے سیاسی رہنما جناب موہن داس، کرم چند، گاندھی گجراتی نے ہندوستان کو ملکی کپڑا استعمال کرنے کی ہدایت کر کے اس کی کھوئی ہوئی شان کو بھر دیا اور دیا ہے، بین الاقوامی اعتبارات سے بھی اس کا رتبہ ہمیشہ سے بلند رہا ہے، مگر ہندوستان میں یہ طویل عرصے تک تعلیم سے دور رہنے اور تقسیم الحالی کے ہاتھوں برباد ہوتا رہا یہاں تک کہ بہت زیادہ حقیر اور پست قسم کے طبقات میں شمار ہونے لگا تھا مگر ۱۹۱۷ء کے بعد سے ہندوستان میں جو بیداری اور ذہنی انقلاب ترقی پذیر ہوا اُس نے جلا ہے برادری کے اند بھی ایک قابل اعتبار جوش پیدا کر دیا، اور کچھ شک نہیں کہ اس سے پہلے بھی اس کا جو د قومی تحریکات میں بہت زیادہ کار آمد ثابت ہوتا تھا، خصوصاً قومی چندوں میں اس کے افراد نے لائق احترام رقوم پیش کی ہیں، اور اگر آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی علامہ سر سیدؒ زندہ ہوتے تو وہ بتاتے کہ کتنے بی، اے پاس مسلمان ہیں جو محض جلاہوں کے روپیہ سے پڑھ کر بی، اے ہوئے ہیں اور آج افسر بن کر مسلمانوں کے سامنے اکڑتے ہیں، چنانچہ محمد حاضر میں اس کے بعض ذی قدرت افراد نے اس کی ترقی کے لئے بڑے بڑے مدارس، اور صنعتی ادارے قائم کر دیئے ہیں، بعض جگہ اس کے لئے ”حقوق طلب“ انجمنیں بھی ہیں، کہیں کہیں اس کی اصلاح و تنظیم کے لئے رسالہ اجتماعات بھی ہوتے ہیں۔ خود اس کے افراد ایم، اے، پاس ہو چکے ہیں اس کے اخبارات اور رسائل بھی جاری ہیں، جن میں سے ایک مہوار رسالے کا نام ”المؤمن“ ہے جو شہر بنارس سے نکلتا ہے، اسی طرح کلکتہ سے بھی اس کے رسالے نکلتے ہیں، انہی میں سے بعض کے کارخانے بھی ہیں، جن میں ہزاروں مزدور کام کرتے ہیں،

لیکن میں جس جُلا ہے سے بحث کرنا ہے، اُس کی تعداد کثیر ہے، یعنی غریب جُلا ہلکا اس کی پوری زندگی نہایت پست اور قابلِ رحم ہے، اس کے افراد کی زیادہ تعداد پُرانی لکیر کی فقیر ہے اس کا روبرو نہایت مختصر اور پست ہے چنانچہ وسطی ہندوستان میں اس کی آبادی نہایت غلغلہ، بے ہنر، بے علم، اور بے یا روم و دگر ہے گو ہر جگہ اس کی جماعتیں تنظیم مکمل ہے یعنی جُلا ہر برادری کے ضوابط اور قواعد ہی اس کی زندگی کو بنانے اور بگاڑنے کے ذمہ دار ہیں، مگر یہی قواعد اس کی اصل برادری کے اسباب میں چنانچہ ان تارک توارک میں اس کے لئے موجود زمانے کے برابر ترقی کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اس کے مقابل اس کے تمام افراد نہایت درجہ جاہلانہ اور تہاہ کن رسوم و قواعد میں جکڑے ہوئے ہیں دورانِ دین احکام و ضوابط نے اسے موت کے قریب کر دیا ہے، چنانچہ خود ملّا موزی نے مسئلہ میں ایک جُلا ہے کی تقریب شادی میں ایک تقریر کی تھی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ

”تم جُلا ہے جو اپنی برادری کی رسوم اور جاہلانہ قواعد کی خلاف ورزی کرنے والوں سے جُرا نے کے نام سے سال بھر تک روپیہ جمع کرتے ہو اور آخر سال میں اس تمام روپیہ کا پلاؤ بکا کر قومی باغ، کے نام سے کھا جاتے ہو، تو اب تم جُلا ہے اس حرکت سے باز آ جاؤ، اور اس روپیہ سے ایک مومن اسکول قائم کر دو اور اُس میں اپنی برادری کے بچوں کو جدید تعلیم اور جدید صنعت و حرفت سکھاؤ،“

تو اس تقریر کی عام جُلاہوں نے بڑی قدر کی، لیکن ایک جُلا ہے نے اس تجویز کو

”بیجری تعلیم، کہہ کر اس کی سخت مخالفت کی تھی، مطلب یہ تھا کہ اگر برادری کسبچے چند
میں اس تعلیم سے ہوشیار ہو گئے تو پھر ہم موٹے موٹے اور بوڑھے جلاہوں کو برادری
کی ”نزداری“ کس طرح حاصل ہوگی، اور کچھ شک نہیں کہ چند خود غرض اور تاریک دماغ جلاہ
اکثر مقامات پر دام جلاہوں پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لئے مذہب کے نہایت غلط قواعد
کے نام سے انہیں مدعوں کئے ہوئے ہیں،

پس اس قسم کے جلاہوں کی بیوی بھی ایک نہایت تنگ و تاریک جھونپڑے یا مکان میں پیدا
ہوتی ہے، اس کی پیدائش سے لیکر عمر کے آخری حصہ تک اسے ہر ادائے تقریب پر
”برادری کا چندہ“ ادا کرنا ہوتا ہے، اور ملار موزی کو اس جماعت کے حقہ حالات معلوم
ہوئے ہیں اُن میں یہ ایک رسم و قید ہی اس کی تباہی کے لئے کیا کم ہے کہ اگر کوئی جلاہ اپنی
اولاد کی کتنی ہی چھوٹی تقریب کرنا چاہے تو گو با اُس کا مذہبی فرض ہے کہ وہ اپنے شہر کے ایک
ایک جلاہ کو اس میں شریک کرے، ورنہ قوی چندہ دے، اور برادری سے خارج، یا بھر
اس تقریب ہی کو ملتوی رکھے، اس لئے اس کی اکثر تقریبات اُس وقت تک ٹکی رہتی ہیں،
جب تک اس کے پاس اتنا روپیہ جمع نہ ہو جائے کہ وہ ساری برادری کو ”حقیقہ کا کھانا“
کھلا سکے، اسی لئے اکثر اوقات اس کی پیدائش پر کوئی خاص منہام نہیں ہوتا جس نہایت درجہ
غریب حیثیت سے پیدا ہو کر رہ جاتی ہے، ہاں اگر پیدائش کے وقت خطے کی دوچار ماں بہنو
”راؤ خدا پر“ جمع ہو کر ڈھول بجا کر گادیا تو اُن کی مہربانی ورنہ اس کی بھی شکایت نہیں،

اب بڑی ہوئی تو ماں باپ پہلے ہی سے حد سے سوا غریب تنگ دست، اور جاہل ہوتے ہیں

لہذا بغیر کسی خاص تعلیم و تربیت کے سیدھی کی سیدھی جوان ہو جاتی ہے، بس کپڑا بننے کا کام اور موٹی موٹی روٹی اور ترکاری پکانے کا کام اس لئے سیکھ لیتی ہے کہ بالآخر وہ عورت ذات ہوتی ہے، جو اس کا طبعی اور فطری کام ہے، اس کی شادی میں بھی برادری کی قید ہے مثلاً اس کے لئے شوہر بھی ”جُلاہا“ ابن جُلاہا، ”درکار ہے کسی دوسری جماعت میں محال ہے، اسی لئے اس برادری میں بیوہ عورتوں کو نکاح ثانی کے لئے بے چارگی نا قابل برداشت ہے،

شادی میں گو مصارت کیلئے کوئی خاص قید نہیں مگر ولیمہ کی دعوتے میں تمام برادری کی شرکت ہی جُلاہے کو ہمیشہ کے لئے قرض کے عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے، چنانچہ پختہ درجہ سادہ رسوم کے ساتھ یہ بیوی بنکر ادھر دو لہا کے گھرائی اور دوسرے ہی ہفتے سے اس نے اپنی روزی کمانے میں شوہر کا کام سنبھالا، اب وہ گود لہن ہے اور سُرخ اور پیلے کپڑے اور موٹا موٹا سا زیور پہننے ہے مگر چو لھے چلکی سے لیکر تانے بانے کا کام بھی کرتی پھرتی ہے، بعض جگہ اسے اپنا بنایا ہو اکپڑا خود لیکر بازار جانا ہوتا ہے اور یہ بغیر کسی رکاوٹ کے بازار بھی جاتی ہے، اس کا کام صبح سے شام اور رات کے ابتدائی حصے تک جاری رہتا ہے، ملازموزی نے ۱۹۲۱ء میں صوبجات متحدہ کے مشہور شہر فیض آباد سے قریب مقام اتودھیا کی ایک شکستہ مسجد میں اس قسم کی دُلمن کو دیکھا تھا، یہ مسجد شاہی عہد کی مسجد تھی جو اس وقت نہایت درجہ شکستہ ہو چکی تھی، اس کے اندر کادالان نچتہ تھا، جس کے نصف حصے میں جُلاہے کا ایک مختصر سا خاندان پرکے

باندھ کر آباد تھا، اس مسجد کے صحن میں اس جلاہے کا تانا بانا تھا جسے اس کی تازہ بیوی تن رہی تھی، ملا رموزی جب مع لغٹنٹ اختر علی صاحب تانباں اسپٹل اودھ کمپنی واقع فیصل آباد کے ہمراہ اس مسجد کی تحقیق کے لئے اس کے صحن میں داخل ہوئے تو اس تازہ بیوی نے اپنے چہرے پر ایک لمبا سا گھونگھٹ فرمایا مگر کام میں برابر مصروف رہی، اس کے شوہر صاحب پاس ہی ایک چار آنے والی چارپائی پر ایک چھوٹی سی دھوقی فرمائے آرام میں تھے پھر انہی نے اگر ملا رموزی کو بتایا تھا کہ یہ مسجد اس کی ملحقہ زمین کے ساتھ ایک ہندو بھائی نے خرید لی ہے اور ہمیں اتنے حصے میں رہنے کی اجازت دیدی ہے،

الغرض یہ حد سے سوا فرماں برداری اور غربت کے ساتھ اپنے شوہر کے کاروبار میں شریک ہوتی ہے، گھر کی جملہ ذمہ داریوں میں وہ ہر وقت مستعد رہتی ہے،
 مذہبی احکام کا احترام کرنے والی، بے حد قانع، کفایت شعار، منظم، صرف دو باتوں کی شائق، ایک زیور کی،

دوسرے پر و سن سے لڑنے کے لئے صبح سے شام تک یوں تیار کرتانے بانے کا کام بھی جاری اور لڑنے والی کھلے تیز و تلخ جوابات کا سلسلہ بھی جاری، کیا مجال جو اس کی زبان تو بند ہو جائے یا رک جائے، پھر بڑی آسانی یہ کہ شوہر اس معاملہ میں نہ معاون نہ مددگار جس کا یہ مطلب ہے کہ شوہر اپنے تانے بانے میں مصروف اور بیوی اپنی لڑائی میں مصروف، اس کی لڑائی اکثر بچوں کے معاملات سے شروع ہوتی ہے، اور اس کی انتہا یہ کہ اب یہ تانا بانا چھوڑ کر یا گھر کے دروازے پر آجاتی ہے یا گھر کی کسی ہندم سی دیوار پر چڑھی ہوئی نظر آتی ہے، جہاں ہم آپ ایسے

سفید پوش بھائیوں کو دیکھا تو ذرا بچی ہو گئی، اور جب ہمارے گزر جانے کا اُسے اطمینان ہو گیا کہ پھر دیوار پر سے اونچی ہو گئی ہے، اس وقت اس کی گالیں اور بدعاؤں کی رفتار بحساب ۵۴ میل فی گھنٹے سے کسی طرح کم نہیں ہوتی، یہ اس تاؤ میں اپنے مار کھائے ہوئے بچے کو خود بھی مارتی ہے، اور پروس کو گالیاں دیتی جاتی ہے، جس کے بچے نے اس کے بچے کو مارا تھا، کہیں کہیں نصف پردہ کرتی ہے، اور کہیں صفا، افلاس اور جالت کے باعث اولاد تو کیا خاصی ایک لپٹن کی ماں ہوتی ہے، بچے ہمیشہ گندے، میلے، آوارہ، اور رنگ دھڑنگ،

حصے سوا محنت کر کے کمانے والی، مگر معمولی حیثیت کے کاروبار کے باعث ہمیشہ تلاش، اور محتاج، پھر بھی دولت جمع کر کے بیٹے اور بیٹی کی شادی پر تمام برادری کو کھانا کھلانے والی، زیادہ محنت کے باعث کم سہار ہونے والی، تختے سے آگے شہر تک کسی اہم بات سے ہمیشہ بے خبر، البتہ چند دن سے وہ ہندو مسلم فساد سے واقف ہو گئی ہے، اور کہیں وہ اپنے شوہر اور اپنے بچوں کی حفاظت کے لئے خود بھی نہایت بیگم ہو کر لڑی ہے، قومی چندے میں روپیہ دے آنے پر شوہر سے لڑتی نہیں، اور خلافت کے سوا کسی دوسری تحریک میں خود چندہ دیتی نہیں، نہ یہ کلب کی ممبر، نہ پیپ جوتے کی عاشق مگر بڑا قومی میلے اور تہواروں پر تاشہ دیکھنے کے لئے ضرور جاتی ہے، سو کسی اہتمام سے نہیں اور نہ کسی سواری پر بلکہ زیور پہنا تھوڑی خوبصورت بنی اور ڈھائی ڈھائی گز کے چار بچوں کو گھسیٹتی ہوئی تاشہ گاہ جا پھونچی، اسی لئے یہ عید، بقرہ عید، محرم اور مہولی دیوالی اور رام لیلہ کے ہنگاموں میں نظر آ جاتی ہے اور محرم کی راتوں

میں تو یہ کسی طرح بھی گھر میں صبر کر کے نہیں ٹیٹھ سکتی، واپسی پر اس کے ہاتھ اور گود میں بچوں کے ساتھ ہی باپڑے، بڑے، مٹھائی، یا ایک آدھ کھلونا بھی نظر آتا ہے، تماشوں کے مواقع پر شوہر کا ساتھ رہنا منزوری بھی ہے اور نہیں بھی، بہر حال وہ تماشوں میں جا کر ہی دم لیتی ہے، مگر ایسے تماشوں میں نہیں جن کے لئے اُسے ٹکٹ خریدنا پڑے، بلکہ ایسے تماشے جو بغیر ٹکٹ کے اُسے نظر آجائیں، پھر تماشوں کے اندر بھی مردوں کا سوؤ سے اس سے ٹکرا جانا یا اس کے کسی بچے کے پاؤں پر پاؤں رکھ دینا، اس لئے قیامت ہے کہ پھر جو آپ سے جھٹ جاتا تو وہ سُنلے کے تمام تماشے والے آپ کا تماشہ دیکھیں مگر آپ اسے بازی نہ لیجا سکیں، تو کیا اندھے ہو گئے ہو،

اور اگر میرے بچے کا پاؤں پھسل جاتا تو؟

مرزا تو کھکا دیتی،

اچھا تو لو یہ کھڑا ہے، دیکھوں تو کیسے بہادر ہو؟

تو ذرا مار کر دیکھو نا؟

خود تو آنکھیں بند تھیں اور میرے بچے کو گرا دیا اندھے نے،

وہ تو اُس کے خون نہیں نکلا ورنہ بتا دیتی پھر میاں کو،

جب سوچتا نہیں ہے تو پھر تماشے میں کیوں آتے ہو؟

غرض تماشے میں اس کی غزل اس قدر طویل ہوتی ہے کہ کبھی نفع سنا ہی نہیں سکتی،

شوہر کے حق میں ہر طرح مفید صورت کی بھونڈی مگر سیرۂ کی حد سے سوا اچھی، شادی کے لحاظ

کہیں پوٹھی، اور کہیں بالکل بچی، موٹے زیور اور موٹے کپڑے سے خوش ہمسیت
میں شوہر کی مددگار اور خوشحالی میں بھی شوہر کی وفادار، فقط،



پہ چار کی بیوی

اب تو کیا گمراہیں چند سال پہلے ہندوستان کے بازار میں چار گنا گڑہ زور تھا کہ بس دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا، مگر جب سے یورپ کے چاروں نے ہندوستان میں اپنا مال بھیجنا شروع کیا، ادھر ہندوستانی بی، اے، پاس ہونے لگے تو اس کی وہ اگلی سی شان باقی نہ رہی، اور اب یہ ہندوستان کی مزدور کسان، دھو بی، بھنگی، بھشتی، اور تجاموں کی جماعتوں کے لئے زندہ ہے اور بس،

چار کی ایک تعریف تو یہ ہے وہ جوتا بنائے، اور دوسری تعریف یہ ہے کہ وہ جوتا فروخت کر کے پتھر مہری تعریف یہ ہے کہ وہ اپنی قومیت اور برادری کے لحاظ سے کشا ہی بلند مرتبہ، شریف آدمی ہو لیکن اگر آپ کو اس پر حد سے سوا غصہ آجائے تو اب وہ آپ کی نظریں بھی چار، اور آپ کی باتوں سے بھی چار، کچھ شک نہیں کہ اس کا وجود جماعت کے لئے حد سے سوا ضروری اور مفید ہے، اور پھر جو بھی کیسا کہ نہایت تاریخی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ چاروں نے بھی اپنی کوئی علیحدہ تاریخ لکھوا کر شائع کر دی ہے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ چار نہایت قدیم جماعت کے افراد کو کہتے ہیں، یہ چمڑہ کا کام کرتا ہے، جوتا بناتا ہے، صندوق کے چرمی تسمے بناتا ہے، اور اب تو وہ چمڑے کے صندوق، چمڑے کے غلاف، گھوڑے کا زین

اور بے شمار چیزیں بناتا ہے، اور یورپ کی قوموں کی تجارت کو دیکھ کر ہندوستان کے بے شمار غیر چار بھائیوں نے بھی اس پیشے کو اختیار کر لیا ہے اور لفظ ”چار“ کی تخلیف سے محفوظ رہنے کے لئے اپنا نام کہیں ”بوٹ شوژ کمپنی“ رکھ لیا ہے، تو کسی جگہ ”لیڈر ورکس“ کہیں شوژ میک، تو کسی جگہ ”شوژ فیکٹری“ غرض ان غیر چار بھائیوں کے ”دغل در چاریات“ کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہندوستان کا اصل چار صرف قصبات، دیہات، اور سہت اقوام کے لئے خاص ہو کر رہ گیا، اور غریبوں کے ہاتھ کی یہ دیسی صنعت اب ملک کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے کے قبضے میں آگئی ہے، لیکن ہم اُسی تاریخی چار سے بحث کریں گے جو کبھی ہم تو ہم کو تو ال شہر تک کو اپنی دکان کے دس طواف کرتا تھا، مگر وقت مقررہ پر کبھی جوتا نہ دیتا تھا،

اس چار کی بھی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے بعض کو موچی بھی کہتے ہیں، موچی اکثر اس چار کو کہتے ہیں جو ذرا نازک، نفیس، حسین اور خوبصورت جوتا بناتا ہے، اور چاروہ جو بس جوتا بنا دیتا ہے اب اس کی جگہ سے اسے لکھنؤ والے پہن کر چل سکیں یا ہر قدم پر اٹھیں اور مارے جوتے کے بوجھ کے دس مرتبہ گر پڑیں، اور ہمیں اسی چار سے بحث کرنا ہے جو ہندوستان کا ۷۰ فیصدی آبادی کی عزت کا اس طرح حافظ ہے، کہ ڈاسن کے پمپ جوتے کے مقابل یہ بس اڑھائی روپیہ میں پچھ مینے تک کام دینے والا جوتا بنا دیتا ہے، پس اس قسم کا چار شہر کے نہایت تاریک اور گندہ حصے میں رہتا ہے، یا یوں کہئے کہ یہ جس جگہ رہتا ہے اُسے اپنی غلیظ زندگی سے غلیظ کر دیتا ہے اس کی عام معاشرت یہ ہے کہ وہ ہر وقت بقدر ستر عورت دھوئی سے کام لیتا ہے، بس پورا لباس اُسی وقت پہنتا ہے، جب وہ ہر درسی کے کھانے میں جاے یا کسی تھانیدار کے ملازم کا جوتا تو

نہ دینے کے جرم میں تھانے میں جائے، ایک تنگ دتاریک سی دکان جس کا بقیہ حصہ مکان، اس کے ایک گوشے میں کسی نہایت گندہ سی گڈڑی پر ایک چھوٹا سا پتھر، ایک لکڑی اور جوتے سینے اور جوڑنے کے دبسی اوزار، اس کے منہ کے بالکل سامنے ایک چھوٹا سا تھکا ہوا، جس کی حلیم کے ساتھ ایک زنجیر میں چھوٹا سا دست پناہ آگ جمانے کے لئے لٹکتا رہتا ہے اور چار تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسی دست پناہ سے حلیم کی بیاری سی آگ کو کھانس کھانس کر درست کرتا جاتا ہے، اور تھکا پتیا جاتا ہے،

تعلیم اور دنیا کی ہر نئی چیز سے یہ یکسر بے خبر، بس برادری کے چند آداب سے واقف یا بازار کے رستے سے خبردار، اس کے پاس کام زیادہ مگر پونجی ہمیشہ اس لئے کم کہ اولاد سے تین کوٹھریاں لے لیں، قانوناً تو صرف جوتے بنانے کا کام جانتا ہے مگر سرکاری بے گار میں، خود اس کے جوتے مار کر اس سے جو کام چاہئے لے لیجے، زیادہ سے زیادہ روٹیکا عاجزی کر گیا، ہاتھ جوڑ گیا اور بیکار پوری کر کے بھی یہ نہ کہیگا کہ میرے اوپر ظلم ہوا، اس کے پاس جوتا بنوانے بلے بے تو پیمانے کے لئے اس سے یہ نہ کہئے کہ

اے سات چارے میرا نمبر،

بلکہ اس سے ہمیشہ "تیرھواں، پندرھواں"، کہئے تو یہ آپ کے پاؤں کے طول و عرض کو فوراً سمجھ لیگا، اس کے ہاں جوتے کی قیمت کبھی طے شدہ اور مقررہ نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ "فی البدیہہ" طے کی جاتی جس کے الفاظ یہ ہوتے ہیں

اے چل ڈھائی آنے اور دیدونگا بس یہ ہو گئے دو روپیہ ساڑھے چار آنے،

اور وہ اُس عید پر بھی تو، تو نے سواد و روپیہ میں بنایا تھا میرا جوتا اندھے،

ابے بے ایمان چار مہینے بھی تو پورے نہ ہوئے تھے، کہ لکڑی ٹکڑے ہو گیا وہ،

دیکھ اسے بھی کہیں ویسا ہی نہ بنا دینا،

اور سن اگر سنیچر تک نہ دیا تو نے تو مارے جو توں کے سر توڑ ڈالو لنگا اور ایک پیہ بھی نہ دو لنگا،

اچھا تو اب جاؤں؟

لے ذرا ایک مرتبہ اور دیکھ لے پانوں، ایسا نہ ہو کہ بچے کو دبانے لگے،

اچھا تو لے یہ ایک روپیہ اور باقی پھر دیدوں گا،

ہاں ہاں ابھی کھڑا ہوں خوب بچا لے اُسے،

عام طور پر یہ سادھے جوتے بناتے ہیں، مگر بعض ”روشن خیال گنواروں کے لئے“ اسے گوتے

کناری اور ستاروں کا جوتا بھی تیار کرنا پڑتا ہے، اور اس کام کے لئے اس کی بیوی، کام

آتی ہے، جو اسی کے سامنے بیٹھی ہوئی جو توں پر کشیدہ کاری، کے کمالات دکھایا کرتی ہے اور

بعض اوقات اپنے شوہر کو گالیاں دینے والے کو بھی جو ایات دیتی جاتی ہے،

یہ بیوی ایسے ہی گندے اور فلاش چار سے بنتی ہے، اس کی پیدائش پر بس اتنی خوشی ہوتی

ہے گویا وہ اپنی ہی خوشی سے پیدا ہوئی ہے چار کو اس کی ضرورت نہیں تھی، اس کے ہاں

گودا دکنی تعاریب اور رسوم بھی کافی ہیں، مگر حد سے بڑھی ہوئی تنگدستی کے ہاتھوں عام طور

پر اس وقت صبر ہی سے کام لیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے ہاں بھی ”ساری برادری کی شرکت

ضروری چیز ہے، جسے ”چار ذات“، برداشت نہیں کر سکتا، اسی طرح حد سے گزری ہوئی چار

کے باعث ”پاپوشی کشیدہ کاری“ کی تعلیم کے سوا اس کی ذہنی اور عملی تربیت کا ذکر نہ نک

نہیں ہوتا،

یہ چھ سات برس کی عمر تک اکثر اوقات ننگ دھڑنگ نظر آتی ہے، محلے کے چار زادوں اور چار زادیوں کے ساتھ دن بھر کھیلتی ہے اور خوب گالیاں بکتی ہے، کیونکہ اس سے کہیں زیادہ فحش گالیاں اس کے ماں باپ اسی کے سامنے بکتے رہتے ہیں، بس اس طرح ”پل پلا کر“ وہ ہوشیار سی ہوئی کہ بیوی بنادی گئی، کیونکہ اس کی برادری میں بھی کم عمری کی شادی جائز ہے اس کی بارات میں بھی نصف برہنہ باراتی نظر آتے ہیں، دولہا کے لئے اگر ٹٹول گیا، مل گیا ورنہ باراتیوں کے ساتھ بغیر سواری کے حاضر شہر میں سب سے نیچے درجے کا باجہ جس کی آواز، دُلمن کے ہاں پھونچکر اگر حد سے سوا شان ہی دکھانا ہوا تو باغ بہاری کا ایک آدھ تختہ بھی ساتھ رکھ لیا اور آتش بازی سے دو چار انا چھڑ کر دُلمن والوں کو دکھا دیا کہ آخر ہمیں سمجھا کیا تھا؟ دُلمن کے والد نے باراتیوں کو اگر دعوت دی تو تمام سامان باراتیوں کو دیدیا کہ بھائیو دست خود اور دہان خود، دعوت سے پہلے یا بعد شراب خواری نے تمام محلے والوں پر ثابت کر دیا کہ ہاں ہمارے محلے میں بھی چاروں کی بارات آئی ہے، ایک ٹٹو چار پی کر سیدھی سیدھی غزلیں سنار ہے ہیں اور انہی کے قریب کے حصے میں ان کی عورت ذاتیں پی رہی ہیں اور سنار ہی ہیں، دولہا میاں بھی ایک طرف عجیب و غریب سی چیز بنے ہوئے یا بیٹھے ہوئے ہیں یا پڑے ہوئے ہیں، رخصتی کے وقت جو کچھ نصیب تھا لیا اور گھر آگئے، اب اگر دولہا کے والد صاحب کچھ

ہیں تو دلیمہ کے کھانے میں بھی سب سے زیادہ خرچ تمباکو اور شراب کا اور اس کے بعد گالیوں کا، بہت زیادہ مست ہوئے تو تھوڑی دیر تک ناچنے اور گانے میں مصروف رہے اور پھر پی لی، پھر پی کر اس کی ضرورت نہیں کہ بارات کے ادب سے حسد مضابط بیٹھے رہیں، بلکہ اسی حالت میں چاہا تو دولہا کے گھر کے صحن میں گر پڑے، اور چاہا تو گھر سے نکل کر برٹرک پر یوں بھاگے کہ یہ آگے اور دو چار مست ان کے پیچھے انھیں اس حالت میں دیکھ کر دوسرے لوگوں کو خود ہی سمجھ لینا پڑتا ہے کہ یہ باراتی چار میں ورنہ ان کی حرکات سے جی تو یہ چاہتا ہے، کہ بس ان میں سے ہر ایک کے باطل ہی مُنہ پر،

اب ضروری نہیں کہ شادی کے بعد تین چار دن تک دو لہاؤں کو کوئی کام ہی نہ کریں اور مارے شرم و حجاب کے پردہ بنے رہے، بلکہ زیادہ اہتمام ہوا تو چند دن دلہن کو رخصتِ اتفاقیہ دیدی مگر شوہر صاحب تیسرے ہی دن سے کام پر چڑھ گئے، یعنی جوتے اور بازار، اب دلہن صاحبہ نے رفتہ رفتہ گھر کا کام سنبھالا اور ایک مہینے کے اندر تمام غلے نے پہچان لیا کہ یہ ہے کلوا کی بیوی،

اب وہ آزاد ہے اور چڑھے یا جوتے کے لئے بازار میں بھی نظر آتی ہے، اور دکان پر بھی، پھر بازار میں جوتے فروخت کرنے کے بعد وہ شام کے کھانے کے لئے اگر روپیہ کے سولہ سیر ہیں تو گیسوں ورنہ جوار ہی خرید کر گھر واپس ہوتی ہے، اور جب ہم آپ سونے کے لئے بستر پر جاتے ہیں اُس وقت تک وہ اس غلے کو صاف کرتی ہے اور

گیارہ بجے وہ چکی چلاتی ہے، مصیبت یہ ہے کہ چار لوگ رات کے تیرہ چوہ بجے کھانا کھاتے ہیں اور صبح ہی صبح چلم پیتے ہوئے نظر آجاتے ہیں،

الغرض اب وہ عہنی پڑانی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی ہر کام میں تیز اور مستعد ہوتی جاتی ہے، اولاد کے بعد دنیا کی ہر عورت قدرے ضعیف اور محل نظر آتی ہے، مگر اس کے ہاں آج بچہ پیدا ہوا اور یہ پرسوں پوری قوت کے ساتھ شوہر سے لڑتی ہوئی اور اُسے گالیاں دیتی ہوئی مل جائیگی، کیونکہ اس کے ہاں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ بچے کی پیدائش کے وقت عورت کے لئے آرام بھی ضروری ہے، نہ حفظانِ صحت کے اصول کی اسے پروا نہ اس کی جان کی اس کے ہاں کی مینوسپلٹی کو پروا، لہذا دس دن کے بچے کو دھوپ میں لیکریوں بیٹھ جاتی ہے کہ جوتے کا کشیدہ بھی کاڑھ رہی ہے اور ننھے سے بچے کو دودھ بھی پلا رہی ہے، پھر کیا مجال جو اسے یا اس کے بچے کو دکا بھی ہو جائے، اب اس کے پاس نہ بچے کے کھانے ہیں نہ نرم دنا زک بستر بس ایک رستی کا جھولا ہے، اور ایک ٹوکری اب چاہے بچہ اس ٹوکری میں لیٹ کر جھولا جھولے یا روتا رہے وہ ہر حالت میں گھر کا اور دکا کا کام کریگی،

عام طور پر چار کی بیوی چوبیس گھنٹے کام میں مصروف رہتی ہے، لیکن رات کے کھانے پکانے کا وقت اس کے ہاں نہایت خطرناک وقت قرار پا چکا ہے، اس طرح کہ ادھر اس نے چولہے کے پاس قدم رکھا اور ادھر رات کے نو دس بجے اس کا شوہر شراب خانے سے لڑکھڑاتا ہوا گھر میں آیا، بس اب میاں صحن سے اور بیوی چولہے کے پاس سے ایک دوسرے کو وہ صاف

صاف سنار ہے ہیں کہ خدا کی پناہ، کیا مجال جو شوہر کی گالی سے کم درجہ کی گالی بیوی دے، اسی طرح ناممکن ہے کہ اب شوہر شراب پی کر اور بیوی کو خود گالیاں دیکر پھر اُسے ڈنڈے جوتے طمانچے اور ٹھوکریں مارتے مارتے بے دم نہ کر دے چنانچہ گالیوں کا سلسلہ شروع ہونے سے کبھی تو ایک ایک گھنٹے کے بعد اور کبھی فوراً چار صاحب نے جو بیوی صاحبہ کو ٹھوکنے شروع کیا تو اب جب تک کہ پولیس کا گشت نہ آجائے نہ وہ مارتے سے تھکتے، نہ یہ مار کھانے سے گھبرا کر بھاگ جاتی، اور یہ اس لئے کہ اکثر اوقات شراب پیے ہوئے شوہر صاحب کو بیوی ہی زیادہ ٹھوکنے لیتی ہے، اور اوپر سے رو کر شور اٹاتا کرتی ہے کہ شوہر کے مار کھانے کا کسی کو شک بھی نہ ہو، کیونکہ اس ہنگامے میں اس کے چھوٹے چھوٹے کچے ہی کبھی ان دونوں کے بیچ میں آگئے آگئے ورنہ کسے ضرورت کہ ان کے بیچ میں آکر خود اپنی ہی گت بنوائے،

یہ توجوانی کی باتیں تھیں لیکن اگر اسے بڑھاپے میں دیکھ لیا جائے تو پھر کسی شریف انسان کے لئے کوئی پناہ کی جگہ نہیں اس لئے کہ اب یہ ہر سامنے آجانے والے گاہک سے خواہ مخواہ بھی لڑنے کے لئے اپنے شوہر سے دس بارہ میل آگے ہی نظر آتی ہے، آپ اس کے شوہر سے سیدھی سادی ہی گنگو کیجے مگر یہ اپنی جگہ میٹھی بڑبڑاتی رہیگی، مثلاً بات کیجئے شوہر سے اور جواب دہگی یہ بوڑھی بیوی صاحبہ، اور جو ان سے براہ راست معاملہ ہو جائے پھر تو شام تک بچھا چھوڑنا محال، آپ کیئے ایک اور وہ کمیلگی دس، ایسی صورت میں اپنا سامنہ لیکر گھر آجائے اور بس، نہایت درجہ مرعوب فطرت، غربت اور انتہائی تنگدستی کے ہاتھوں ہلاک، انسانی مظالم اور جبر کا شکار، بچوں کا مال گودام، محنتی، جنفاکش، کفایت شعار، اخلاق سے نہ خود واقف، نہ ان کے

اثرات کی ذمہ دار، نہ زیادہ خوش اخلاق نہ زیادہ بدکردار،

اب سنا ہے، کہ کچھ دن سے مشن اسکولوں میں بھی جانے لگی ہے، پس اگر صحیح ہے تو وہ کبھی کبھی اور

کہیں کہیں مس اور لیڈی بھی کہی جاتی ہوگی، مگر یہ بات مردم شناری والوں کو معلوم ہوگی اور ضرور

معلوم ہوگی، ہمیں نہیں، فقط،



گداگر کی بیوی

گداگر یعنی بھیک مانگنے والے مرد عورت اور بچے جس قعدا میں ہندوستان میں پائے جاتے ہیں دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہیں، اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیوں؟ تو جواب یہ ہو سکتا ہے کہ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ کرنے سے پہلے کے زمانے میں ہندوستان میں پیداوار کی کثرت اور برآمد ہند ہونے کے باعث فراغت کا جو دور گزرا اُس نے عام ہندوستانیوں کو عیش پسند اور بے ہنر رہنے کی طرف مائل رکھا، اسی طرح سابق سلاطین کے عہد میں گو تعلیم کا نہایت کافی انتظام تھا مگر ملک میں ذرائع نقل و حرکت ہونیکے باعث ایک جادہ زندگی ساری وطاری تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ انگریزوں کے ہندوستان پر قبضہ پاتے ہی یہاں کی جادہ زندگی میں ایک دم حرکت پیدا ہوئی، ریلوں کے ذریعے ملکی پیداوار اور مصنوعات ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے لگیں، تعلیم کی سرٹیز زبان میں دی جانے لگی، اس لئے برسوں کی جادہ زندگی میں ایک دم کافی انقلاب کا پیدا ہونا محال ہو گیا، اور گھرانے کے گھرانے اب جاہل اور بے ہنر نظر آنے لگے، اور اب صرف ایسے گھرانے آسانی سے روٹی کھا سکتے تھے جو جدید تعلیم اور جدید صنعت و حرفت سے واقف ہو چکے تھے، اس لئے ملک میں بے روزگاری اور افلاس نے ترقی کی، اور لوگ قدرۃً بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے،

لیکن ان اسباب سے پہلے بھی ہندوستان میں گداگری کا وجود پایا جاتا ہے، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں کسی وجہ سے شاہی زمانے میں قبروں کی خدمت و نگرانی کے عوض بڑی بڑی زمین جاگیریں دی گئی تھیں، بعض غیر ملکی آوارہ گروہ تھے جنہوں نے ہندوستان میں آکر سیان کی زبان اور علوم سے بے خبری کے باعث گداگری کو ذریعہ معاش بنایا، بعض دھتھے جو افلاس کے پنجے میں گرفتار ہو کر کسی دوسرے طریقے سے نجات حاصل نہیں کر سکتے تھے، الغرض ایسے ہی اسباب کے تحت ہندوستان میں گداگروں کے خاندان اور برادری بلکہ قبیلے تیار ہو گئے، پھر ان جماعتوں میں چند خاص اصول و ضوابط نے رواج پایا، نتیجہ یہ کہ آج اس قسم کے گداگر کثرت موجود ہیں جو قوم کی حیثیت سے اپنے ماں کی شادی بیاہ اور دوسری رسوم کو اپنے ہی ہم پیشہ لوگوں تک محدود اور خاص کر چکے ہیں، ان کی برادری کی طرح ان کا لباس اور ان کا طریق معاشرت بھی یکساں اور خاص ہوتا ہے، گویا ہندوستانی گداگر بھی ایک مستقل حیثیت رکھنے والی قوم کارکن ہوتا ہے، مگر بدقسمتی سے اس قسم کی برادری مسلمانوں میں زیادہ ہے،

ہندو قوم میں بھی گداگروں کی کمی نہیں بلکہ ان میں بعض جماعتیں ایسی بھی موجود ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ صرف مغیرات کھانے کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، اور نہ ہبّا وہ خیرات ہی سے گزر کر سکتے ہیں اور انھیں کام کر کے روزی کمانا مذہباً حرام ہے، شاید اسی جماعت سے مسلمان گداگروں میں بھی ایسے عقیدے کے لوگ پیدا ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمیں روزی کمانا جائز نہیں، بلکہ ہمارا روزی کا حق دوسروں کی کمائی میں ہے، بدقسمتی سے ایسے لوگوں میں بعض چالاک اور قدرے تعلیم یافتہ ارکان نے ایسے اصول بھی گھڑ لئے ہیں جنہیں مذہبی احکام کا ردہ دیا گیا ہے، اور اپنے

لئے انہی احکام سے بھیک اور خیرات کو جائز قرار دے لیا ہے، ایسے ذی ہوش گداگروں میں ہندوؤں میں ”بہمن“ اور مسلمانوں میں ”پیر صاحب“ کے نام سے بعض لوگ خاص ہیں، جن کے متبعین بھی ان کے اقوال پر مذہبی عقیدت کے ساتھ گداگری پر عمل کرتے ہیں،

اب چند سال سے تعلیم کی کثرت نے جب عوام میں روشن خیالی اور وسعت نظر پیدا کی تو اس مکروہ اور ذلیل کسب معاش کے انسداد کا احساس پیدا ہوا ہوا اور کہیں کہیں ”قانون“ کے ذریعہ اس پیشے کو ترک کرانے کی کوشش عمل میں لائی گئی ہے، لیکن اس پر بھی ہندوؤں میں گداگروں کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ اب بھی کسی دوسرے ملک میں نہیں ہے، اگرچہ اس بلا سے یورپ ایسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ترقی پذیر فتنہ براظم بھی محفوظ نہیں ہے، پھر بھی ہندوستانی گداگری اُس سے آگے ہے چنانچہ اس وقت تک ہندوستان میں گداگروں کی اقسام پائی جاتی ہیں اُن میں سے بعض یہ ہیں،

۱۔ نسلی گداگر، جن کے ہاں خاندانی طریقہ پر بھیک مانگ کر روزی کمانا بزرگوں کا پیشہ سمجھا جاتا ہے،

۲۔ وہ گداگر، جو بے ہنری اور عیش پسندی کے باعث ہر کام سے گھبراتے ہیں اور بھیک کو آرام کی روزی سمجھ کر پیشہ بنا چکے ہیں،

۳۔ مذہبی گداگر، جو اپنے حماقت آفریں خیال میں بھیک کو مذہبی عہدہ سمجھتے ہوئے ہیں،

۴۔ وہ گداگر، جو ہاتھ پاؤں سے قطعاً محتاج اور معذور ہیں، اور کسی ایک خدمت کو انجام دیکر

اپنی روزی نہیں کما سکتے، اور صحیح معنی میں انھی کو بھیک مانگنے کا مستحق مانا جا سکتا ہے، ان طبقات کے سوا بھی گدا اگر پائے جاتے ہیں مثلاً وہ جو کسی دوسرے ملک سے نہایت اہتر اور پریشان حالت میں آئے ہیں اور انہیں کوئی دوسرا ذریعہ معاش ملتا ہی نہیں، ان طبقات کی روزی کمانے کے طریقے بھی بکثرت ہیں، مگر ہر طریقہ نہایت درجہ مکروہ فریب سے بھرا ہوا، ان لوگوں نے بھیک مانگنے کے جتنے طریقے ایجاد کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بھیک مانگنے والے میں جب عقل و فکر کی اتنی استعداد موجود ہے کہ وہ بھیک کے لئے ایک نہایت پُر فریب طریقہ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو اسے یہ جبر کسی شائستہ خدمت پر مامور کیا جائے تو وہ یقیناً عزت کے ساتھ روزی کما سکتا ہے، فی الجملہ ہندوستان میں گدا گروں کی کثرت نہ فقط قومی وقار کی ذلت کا باعث ہے بلکہ حکمران جماعت کی نیک نامی کو بھی بدنام کرنے والی چیز ہے،

عرض ہندوستانی گدا گروں میں بھیک مانگنے کے مکروہ فریب سے بھرے ہوئے اتنے طریقے رائج ہیں کہ ان کی تفصیل سے ایک نہایت طویل کتاب تیار ہو سکتی ہے، پس ہندوستانی گدا گر کی بیوی بھی کسی گدا گر ہی کے گھر میں پیدا ہوتی ہے اور گو بعض گدا گر نہایت درجہ مالدار اور ذی ثروت ہوتے ہیں مگر رواج کے عام انداز کے باعث وہ اپنی دولت مندی کا اظہار کرنے سے مجبور ہیں اسی لئے یہ بیوی خواہ کتنے ہی امیر گدا گر کے گھر پیدا ہو اس کے لئے کوئی بہنچامہ خیز اظہار سرت نہیں کیا جاتا،

چونکہ گدا گر ہمیشہ طبقات عام طور پر جاہل محض ہوتے ہیں اس لئے نہایت تاریک اور تنہا

رسوم کے پابند بھی ہوتے ہیں لہذا اس کی پیدائش کے وقت کی خوشی میں اس کے ماں باپ عجیب و غریب قسم کی نذر و نیاز اور رسوم سے کام لیتے ہیں، بعض کے ہاں اس کی پیدائش کو کسی قبر کسی ولی، اور کسی بھوت کا افام قرار دیا جاتا ہے، چنانچہ عرصہ دراز تک اسی قبر، اسی ولی، اور اسی بھوت کے نام کی چوٹی اس کے سر پر برقرار رکھی جاتی ہے، بعض کے ہاں اس کی پیدائش پر باجا بھی بجایا جاتا ہے، اور گانا بھی ہوتا ہے، اور بعض کے ہاں کسی ولی اور کسی دیوتا کے نام کی مٹھائی بھی تقسیم کی جاتی ہے، اور اکثر کے ہاں کچھ بھی نہیں،

پیدا ہونے کے بعد سے جوانی تک کسی قسم کی تعلیم اور سہزندی سے یہ دو چار بھی ہمیں کی جاتی البتہ غلط اور جاہلانہ رسوم سے ضرور خبردار کر دی جاتی ہے، اور بھیک مانگنے کے طریقے وہ آنکھیں کھولتے ہی دیکھتی ہے، اور خود بخود ماں باپ کے ساتھ رہ کر سیکھتی جاتی ہے، اخلاس اور تنگدستی کے اسے بچپن سے لیکر جوانی تک نہایت گندہ اور میلارہنا پڑتا ہے اسے کوئی خاص سہزہ بھی نہیں سکھایا جاتا نہ امور خانہ داری کی کوئی تعلیم دی جاتی، بس جہاں جوان ہوئی اور کسی دوسرے گداگر کی بیوی بنادی گئی،

وہ بہت چھوٹی عمر سے بازاروں میں بھیک مانگنے کی عادی ہوتی ہے اسی لئے وہ دلس بنکر بھی بہت جلد بازار میں بھیک کے لئے نکل آتی ہے، اور اسے گداگر برادری میں معیوب نہیں سمجھا جاتا، اس کے لئے گھر میں کسی خاص قسم کے فرائض نہیں ہوتے، بس صبح بھیک مانگی اور کھالی، اور شام بھیک مانگی، کھالی، کپڑوں کا بھی یہی عالم ہوتا ہے کہ لوگوں سے

پھٹے، پُرانے کپڑے مانگے اور پہن لئے، یہاں تک کہ اس جاعت میں صاف ہتھرا کپڑا پہنا
اس لئے جائز نہیں کہ ایسے کپڑوں کو دیکھ کر لوگ اسے بھبک نہیں دیں گے، اندازہ
اس خطرے سے دانستہ طور پر صیہڑے اگائے پھرتی ہے،

اس کا مکان نہایت تنگ و تاریک اور چھوٹی یا چھوٹیڑا ہوتا ہے، جو غلاط اور گندگی
سے اٹا رہتا ہے، یہ خود مزاج کی نہایت گندی اور سست ہوتی ہے، یہ بھبک مانگنے
کے بعد گھر میں بہت کم کام کرتی ہے، اور زیادہ سوتی ہے،

اس کے ہاں اولاد کی جو کثرت پائی جاتی ہے وہ مزدور کی بیوی کو چھوڑ کر دنیا کی تمام
بیویوں سے زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ دعا ہے کہ خدا کسی بچوں والی گداگری سے بازار
میں ملاقات نہ کرائے ورنہ اگر بھبک مانگنے کے لئے مع اولاد کے آپ سے چمٹ جا
تو نہ آپ کو جس کے چٹکل سے کو تو ال صاحب بچا سکتے نہ وزیر جنگ،

یہ گھروں پر جا کر نہایت درد انگیز الفاظ میں بھبک مانگتی ہے، اور بازاروں میں بھی بہت
تخلیف دہ صورتیں بنا کر لوگوں سے بھبک وصول کرتی ہے، اس کے پاس بھبک مانگنے
کا نہایت با اثر ذریعہ اس کی کہن اولاد ہوتی ہے جسے بڑے دردناک انداز سے دکھا کر یہ
لوگوں سے بھبک وصول کرتی ہے، بعض اپنی کم عمر اولاد کو عین وقت پر کوئی غیر عمدہ تخلیف
پھیر بچا کر لاتی ہیں اور اس بچے کے رونے کی آواز سے گھر کی عورتیں اور مرد متاثر ہو کر اسے
کافی بھبک دیتے ہیں، بعض دوسروں کے بچوں کو کھلانے کے نام سے لے آتی ہیں اور ان
کو اپنا بچہ کہہ کر لوگوں اور گھروں سے بھبک وصول کرتی ہیں، بعض نہایت چالاک سے

”پردہ والی شریف بیوی“، بنگر نکلتی ہیں اور اپنے کو ذی عزت گھرانے کی ذی عزت مگر مصیبت زدہ عورت ظاہر کر کے بھیک مانگتی ہیں، بعض اپنے شوہر کے ساتھ بھیک مانگتی ہیں اور اکثر علحدہ،

یہ شوہر کے حق میں نہ مفید نہ مضر، اسی طرح نہ زیادہ فرماں بردار نہ زیادہ شوخ، اس لئے کہ وہ اپنی روزی خود کما تی ہے لہذا ایک حد تک شوہر پر غالب رہتی ہے، کردار و اخلاق کے لحاظ سے ایک حد تک خطرناک، اور غیر متعمد ہوتی ہے، اُس کے بھیک مانگنے کے آنا د طریقے اُس کے اخلاق کو ذلیل کر دیتے ہیں، اُس میں چوری کی عادت ہوتی ہے اور بے حیائی کا مادہ زیادہ، وہ بازار میں اگر اپنے شوہر یا ساتھ والی سے جھگڑہ مول لے لے تو اُس سے پیچھا چھوڑانا اتنا ہی مشکل ہے جتنا ایک مرتبہ پولیس کی نظر میں شکوک ہو کر پھر عمر بھر خود کو نیک چلن ثابت کرنا محال مان لیا گیا ہے شوہر کے حق میں کم و فاذار، کم خدمت کتنا خود غرض، ناگہی، اور حد سے سوا امتکار، مگر بے حد کفایت شعار، اور اپنی حیثیت میں سلیقہ مند،



زندگی بیوی

بازار کو متاثر کرنے اور بازار سے علاقہ رکھنے والی عورت ذاتوں میں زندگی ہی وہ عورت ذات ہے جس کی تعریف میں اُس کے شوہر کا نام نہیں لیا جاسکتا، اس کے یہ معنی نہیں کہ اُس کا شوہر ہی نہیں ہوتا یا وہ اپنا شوہر آپ ہی ہوا کرتی ہے، بلکہ نشانہ ہے وہ جس حیثیت سے بازار میں ملتی ہے وہاں شوہر کا وجود نہیں پایا جاتا، بس اس کی تعریف یہ ہے کہ یہ انسانی عیش پسندی، فضولی، اور لطف اندوزی سے پیدا ہوئی ہے، اس کے وجود کے شادی، بیاہ، خوشی کی تعاریب اور عیش کی مجالس کو رونق دی جاتی ہے، اس کی برادری بھی مختلف طبقات پر مشتمل ہے، سب سے بلند طبقہ وہ ہے جو گائے اور ناچنے کا پیشہ کرتا ہے، اس کی ابتداء کے متعلق معلوم نہیں کہ وہ کس شریف آدمی کی بیٹی تھی لیکن اب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ وہ زندگی ہی کے گھر پیدا ہوتی ہے، اور بڑے ناز و نخرے کے ساتھ پیدا ہوتی ہے، اُس کی رسائی عوام سے لیکر بادشاہوں کے درباروں تک ہے، چنانچہ ۱۹۳۳ء میں اخباروں میں یہ افواہ تک شائع ہوئی تھی کہ اکتوبر ۱۹۳۳ء میں بادشاہ افغانستان اپنی تخت نشینی کا جشن منانے والا ہے اُس میں اُس نے ہندوستان سے زندگیاں بھی بلوائی ہیں، اور ہندوستانی رؤساء کی نوکری ایک اس کے وجود سے خالی نہیں پائی گئی، اور تو اور یہ اپنے ملازمین کے

کی شادی میں بھی آئی تھی،

یہ اگلے زمانے میں تو کچھ تھی وہ تھی مگر موجودہ عہد میں اس نے بھی شائستگی اور ترقی کی طرف قدم بڑھا دیا ہے مگر یہ ترقی قابلِ تذکرہ ترقی نہیں ہے یعنی کسی تعلیم اور سہزندی کی طرف نہیں بلکہ صرف چند معاشرتی اور تمدنی معاملات میں اس نے تبدیلی کو قبول کیا ہے اور احساسِ خودداری نے بے حقیقت صورت میں ترقی کی ہے، البتہ اس کے خلاف عوام و خواص میں بے حد مخالفانہ جذبات بیدار ہو رہے ہیں اور اسے قومی خودداری اور وقار کے خلاف سمجھا جا رہا ہے، چنانچہ جن مقامات میں اس کے خلاف تحریک کی گئی ہے، اُن میں ہندوستان کا دارالحکومت دہلی سب سے آگے ہے، چنانچہ ۱۹۳۱ء میں دہلی کے عوام نے رنڈی برادری کے خلاف نہایت منظم اور باقاعدہ کوشش کا آغاز کیا جس کی ابتدا، اس طرح کی گئی کہ حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ رنڈیوں کو وسط شہر میں رہنے کی اجازت نہ دے، اور انھیں شہر کے باہر یا کسی علیحدہ حصے میں آباد ہونے کا حکم دے، لیکن جب انفرادی کوشش کا راکھ ثابت نہ ہوئی تو عوام دہلی نے اپنی نمائندہ مجلس ”بادیہ دہلی“ کے ذریعہ باضابطہ مقدمہ دائر کر کے ان کے اخراج کا مطالبہ کیا،

یہ مقدمہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس کے حالات نے تقریباً کل ہندوستان کی رنڈیوں اور ”گل“ انشراؤں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا، چنانچہ جس طرح رنڈیوں کے خلاف عوام میں نفرت اور جوش پیدا ہوا، اُسی طرح رنڈی برادری میں بھی اپنی حفاظت اور حقوق کا احساس طاقتور ہو گیا چنانچہ اس وقت اخبارات میں ان کے خلاف جس زور کے ساتھ آواز بلند کی گئی، اُس کے مقابل دہلی کی رنڈی برادری نے بھی اپنے تحفظ کے لئے ایک اخبار اردو زبان میں جاری کیا جس کا

۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱
 ہیرا، اہنی، ہری، گوبی، جوگل، محمودہ، خورشید، اندرکلی، سرداری،
 فیاض، زہرہ، نوجہاں، شاہ جہاں، عید، شریف، الہی جان، بجلی، رامو
 بچی، رام پوری، بیوٹی، حفیظ، جندی، بشیر آجان، مشتری جان دوم نے
 مقدمات دائر کئے ہیں،

عرضی دعوای کا مضمون یہ ہے کہ کمیٹی نے ہمیں پیشہ ور عورتیں تصور کر کے
 چاؤ ڈی بازار دہلی سے نکل جانے کا حکم دیا ہے، لیکن ہم طوائف نہیں،
 بلکہ داشتہ ہیں اور گانا بجانا ہمارا پیشہ ہے، یہ مقدمات سید محمد عبداللہ صاحب
 جج درجہ اول دہلی کے اجلاس پر پیش ہیں، ان رنڈیوں کے علاوہ دوستو
 شاہدان بازاری بھی احاطہ کچہری میں موجود تھیں، ان مقدمات میں سے سہرت
 تین چار مقدمات کی سماعت شروع ہوئی، رنڈیوں کے بیانات قلم بند کئے
 جانے کے بعد مقدمات آئندہ تاریخوں پر ملتوی کر دیئے گئے،

اس کے بعد اخبار وطن دہلی، مورخہ ۱۳۔ جنوری ۱۹۲۷ء نے ذیل کی اطلاع شائع کی، یہ اخبار
 دہلی اور ہندوستان کے قوم پرست ہندوؤں کا نامور اخبار ہے جس کی اطلاع یہ ہے کہ،
 ”کل چودھری نعمت خاں دسترکٹ ویشن جج کی عدالت سے وہ اپیل خارج کر دی
 گئی جو خباب شکر لال صاحب سب جج درجہ اول کے فیصلہ کے خلاف چاؤ ڈی
 بازار کی چار خاصہ عورتوں کے خلاف دائر کی گئی تھی، ان عورتوں کو زنان
 بازاری قرار دیتے ہوئے مینو نیل کمیٹی نے چاؤ ڈی بازار سے اخراج کا

نوٹس دیدیا تھا۔ کمیٹی کی جانب سے جناب راج ٹرائن اور رقاصہ عورتوں کی جانب سے جناب گلاب چند پیر وکار تھے،

فاضل حج نے اپنے فیصلے میں تحریر کیا ہے کہ مینو نیسل کمیٹی نے قرار دیا ہے کہ مسماۃ چندا، بستی، لالی، ادرجی، اپنی بسر اوقات بطور زنان بازار کی کرتی ہیں لیکن مدعا علیہم کا بیان ہے کہ وہ رقاصہ کا پیشہ کرتی ہیں، اس لئے مینو نیسل کمیٹی کا کوئی حق نہیں تھا کہ اس کو اخراج کا نوٹس دیتی اس کے علاوہ دیگر مدعا علیہم نے بھی ایسی شہادتیں پیش کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بطور رقاصہ کے بسر اوقات کرتی ہیں،

گرد اور کا بیان صرف اتنا ہے کہ میں نے انہیں بازار کے رخ کے برآمدہ

لہذا اثبات ثبوت ناکافی ہے، لہذا اپیل منظور،

اس فیصلے کے خلاف اخبار وطن دہلی، نے ۱۳- جنوری ۱۹۳۱ء کا مقالہ ”میری جس جذبات کے ساتھ لکھا ہے وہ یقیناً ہندوستان کے تعلیم یافتہ طبقے کے احساسات کا صحیح ترجمان ہے جو یہ ہے،

”چاؤڑی بازار دہلی سے جو شہر کا ایک مشہور تجارتی مرکز ہے زنان بازار کی کوٹھانے کا مسئلہ کئی سال سے مینو نیسل کمیٹی کے سامنے پیش ہے لیکن انیسویں ہے کہ اس وقت تک اس کا کوئی غلط خواہ حل نہیں ہو سکا ہے

اس قسم کی بازاری عورتوں سے شہر کے اخلاق کو بچانا چاہئے، اس قسم کے خیالات ہی کے تحت دہلی کے ہزار ہا باشندوں نے اس کمیٹی کو درخواست دی تھی جس نے انھیں اس بازار سے اٹھانے کی تجویز منظور کر لی تھی لیکن افسوس ہے کہ دہلی مینوپل کمیٹی اس وقت تک اپنی اس تجویز کو عملی جامہ نہ پہنا سکی، جب مینوپل کمیٹی نے رنڈیوں کو نخل جانے کا نوٹس دیا تو انھوں نے کمیٹی پر دیوانی مقدمہ دائر کر دیا اور لالہ شنکر لال صاحب سب جج نے اس بنا پر انھیں جتادیا کہ مینوپل کمیٹی کے لکھائے ہوئے الزامات کا کوئی ثبوت نہیں ہے اس شکست کا سبب یہ ہے کہ کمیٹی کے ملازمین نے اس مقدمہ کو اچھی طرح نہیں چلایا، اگر کمیٹی کوشش کرتی تو ان زنان بازاری کے خلاف ثبوت ہم بھونچا دینا مشکل نہ تھا اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے، ابھی وقت ہے کہ مینوپل کمیٹی اپنے فرائض کو بچانے اور اپنے وکلاء کے مشورہ سے ضروری ثبوت ہم بھونچا کر اس ملک کو شہر سے مٹانے کی کوشش کرے کیونکہ ان بے ماں باپ کی بچیوں کے چند سرپرستوں کے سوا باقی تمام شہر کی ہمدردی کمیٹی کو حاصل ہوگی، ہم امید کرتے ہیں کہ کمیٹی اپنے فرائض سے جلد سبکدوش ہو کر اہل شہر کی ایک ٹھوس خدمت انجام دے گی جس کا احسان موجودہ ہی نہیں بلکہ آئندہ نسلیں بھی مانیں گی،

دارالحکومت دہلی کے ایک وسیع الاثر اخبار کے اس مقالہ مدیری سے ہم نے وہ تمام پُر جوش

بقا، کے لئے اپنے دماغ کی بہترین قوتیں صرف فرما رہے ہیں، اور اخبارات و رسائل کے ذریعہ اس کی حمایت کا حق ادا کر کے تباہ و برباد، میں اپنے لئے معلوم نہیں کس قسم کا باب قائم کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ ”حامیان شاہدان بازاری“ میں شہر بمبئی کے چند علم گروہ دولت مند نوجوانوں کے بیچ میں ایک ”اُبال کھلے ہوئے دماغ کے ایسے مسلمان صاحب سب سے پیش پیش ہیں جو اپنی عمر کے آخر حصے میں“ مولویانہ حیثیت سے بالکل بوکھلا گئے ہیں، ”

بارے اس کی پیدائش کے وقت جو دمگدھام نظر آتی ہے وہ اچھے اچھوں کی بیٹیوں کی پیدائش میں نظر نہیں آتی، اس کی پیدائش پر حد سے سوا مسرت اور دھوم دھام کا اظہار اس لئے کیا جاتا ہے کہ یہ اپنی والدہ صاحبہ اور خاندان کے مستقبل کی روزی کا ذریعہ ہوتی ہے، ادھر اس کی والدہ کے پاس دولت بھی خاصی ہوتی ہے، لہذا پیدائش سے لیکر دس سال کی عمر تک اس کی بڑے شمار تقریبات دیکھنے میں آتی ہیں جو کچھ حالات کا نمونہ بنتی ہیں، مگر ان تقریبات کے مصارف کو ہندوستان کے وہ دولت مند برداشت کرتے ہیں اور بڑے فخر سے برداشت کرتے ہیں جو یا تو نرے ایم، اے پاس ہوتے ہیں اور صحیح علوم سے کوسوں دور یا پھر جنہیں دولت تو حاصل ہو گئی ہے بے شمار مگر شائستہ ذوق اور اعلیٰ ذہنیت سے محروم ہیں اسی لئے زندگی کی امداد کو اپنی زندگی کا بلند تر کارنامہ سمجھتے ہیں اور دوستوں میں اس امداد پر فخر فرماتے ہیں،

اس کی پیدائش کو وقت کی فضولیوں کے بعد سے اس کی ”تعلیم“ کا اہتمام ہوتا ہے ”تعلیم“ سے ایک تو لکھنا پڑھنا مراد ہے، دوسرے ناچنے اور گانے کی مشق کا آغاز، لکھنے پڑھنے کی تعلیم کا

یہ حال ہے کہ شروع میں اس کے لئے ایک ”ماسٹر صاحب“ اور ”مولوی صاحب“ مقرر کئے جاتے ہیں مگر ”تعلیم“، یہ کچھ عمر بھر رنڈی صبح الفاظ میں خط نہیں لکھ سکتی ہے، بجز اس کے کہ چند کتابیں اُردو یا ہندی کی غلط سلاطین پر پڑھ لیتی ہے، سو وہ بھی اس طرح کہ کوئی بڑھا آدی رو رہا ہو، یہی حال اس کے خطوط کا ہوتا ہے، جن میں اللہ اور انشاء کی بے شمار لغزشیں موجود ہوتی ہیں مگر اس کے قدرت دانوں میں اس کے خطوط کی زبردست عزت اور تعریف کی جاتی ہے اور یہ اس لئے کہ قدرت دان صاحب ”خود خیر سے کو دن یا نیم تعلیم یافتہ“ ہو کر رہے ہیں، ادھر اپنے خطوط میں نادلوں اور افسادوں کے الفاظ اور جملے پُر کر نقل کرتی ہے، اور قدرت دان سمجھتے ہیں کہ یہ اُسی کے عالمانہ اور ادب آزادماغ کی ایجاد ہیں، اسے مکر و فریب سے بھرے ہوئے خطوط لکھنے کا مشورہ بھی بطریق تعلیم دیا جاتا ہے اور اسی طرح بھری ہوئی غفل میں لوگوں سے مذاق اور دل لگی کے الفاظ بھی سکھائے جاتے ہیں، چنانچہ جس وقت محتما، اور بلعنی تاجر، اس کے لکھے جاتے ہیں تو یہ بڑے ”عالمانہ“ مخرے سے، ”اُن سے مذاق فرماتی ہیں اسی طرح اس کے ہاں جانے والے بھی خود کو بہت بڑا نظریں“ اور زندہ دل سمجھ کر تشریف فرما ہوتے ہیں، لیکن رنڈی کے تمام جملے اور فقرے نہایت درجہ ذلیل، فحش اور بیہودہ مفہوم کو ادا کرنے والے ہوتے ہیں مگر اس کے مخاطب گھرے ان جلوں پر مارے حیرت کے شیر و اینیوں سے باہر مہوئے جاتے ہیں، حالانکہ رنڈی اپنی جہالت اور کم علمی کے باعث ارباب علم سے گفتگو کی کبھی اہل نہیں ہوتی مگر پھر بھی اس کے جلوں اور اس کے خطوط کی جو قدر ہوتی ہے وہ اس لئے کہ وہ جیسی روح ویسے فرشتے، اس کے مکان میں تصاویر اور آئینوں کی کثرت ہوتی ہے، ایک کمرہ خاص طور پر نہایت درجہ

آراستہ اور شاندار بنایا جاتا ہے، اس کے ہاں جانے والوں میں موٹے موٹے تھانیداروں بلغی قسم کے کوتوالوں، اور آنریری مجسٹریٹوں کی تعداد کافی ہوتی ہے، اور کہیں کہیں حاکم صلع یا تحصیلدار صاحب بھی مل جاتے ہیں، مگر اس کمرہ کے بعد دوسرے کمرے نہایت تاریک اور گندہ ہوتے ہیں اس کی بوڑھی والدہ صاحبہ اور ایفونی قسم کے ملازم اور عوام پڑے حقہ پیا کرتے ہیں،

جہاں آپ تشریف لے گئے اور یہ بڑے گورنری عہدے سے آکر سامنے تشریف فرما ہوئیں اب بیٹھنے کے بعد سے اگر یہ دس برس بھی آپ کے سامنے بیٹھیں گی تو جتنی باتیں کریں گی اور جو کچھ بھی کریں گی اس میں سر سے پاؤں تک بناوٹ اور حد سے سوا بھونڈا کمر اور فریب ہو گا مگر اس کے ہاں تشریف لیجانے والے درجہ اول کے محقق، اس کی ان احمقانہ اور فریبہ حرکات کو اپنے حق میں نعمت اور جانِ حسن تصور فرما کر بے حد شاد اور مسرور ہوتے ہیں، پھر یہی نہیں کہ خود بے وقوف بنے تھے تو بنے تھے وہاں سے تشریف لا کر ملّا رموزی ایسے دوستوں کو اس کی ان سرتا سر مصنوعی حرکات اور بھونڈے اقوال کو لطف لے لے کر اور جھوم جھوم کر سناتے ہیں اور ملّا رموزی صاحب ایسے مجبور دوست ظاہر ہیں اپنے تعلقات باقی رکھنے کے لئے ان کی ہاں میں ہاں ملا تے گردل میں ان کی اور رنڈی صاحبہ کی ان کیسر مصنوعی حرکات کا مذاق اڑاتے ہیں،

اس کے ہاں جانے والے مرد سنگھار اور آرائش کے لحاظ سے خود رنڈی بن کر جاتے ہیں، اور رنڈیا نہ لغت، میں ایسکو آرباب نشاط، کہا جاتا ہے، یعنی چھوچندر کے سر میں چنبیلی کا تیل

اس کے ہاں جانے والوں کے لئے لازم ہے کہ وہ خود نہایت درجہ شوخ، رنگین، بھرد والا، اور بڑھیا سے بڑھیا لباس پہن کر جائیں، مُسرّمہ لگائیں اور عطر کا تو یہ حال کہ بس چلے تو شہر قنوج بن جائیں، بس ادھر سے یہ مرد صورت مگر زنانہ لباس اربابِ نشاط پہنچے اور ادھر سے وہ مٹک کر آئیں، یہ گدے مکے سے لگ کر نہایت حسین و جمیل بن کر بیٹھ گئے، اور وہ اُن کے سامنے گرد و سیل دور کچھ بڑی بھی شرمیلی بن کر اس انداز سے بیٹھ گئیں گویا آج تک نہ وہ کبھی مردوں کے سامنے آئی تھیں نہ مردوں سے گفتگو کی عادی، ان کے پیچھے ان کی گھوڑیاں اور انیونی سی والدہ یا ایک آدمی سی ملازمہ یا ملازم ادب سے بیٹھ جاتے ہیں، تھوڑی دیر میں پورے مُراد آباد کے برابر ایک پانڈان بی رنڈی صاحبہ کے سامنے رکھ دیا جاتا ہے، اور یہ حد سے سوا خمرے کے ساتھ پان لگانے میں جہاں مصروف ہوئیں کہ اربابِ نشاط نے وہ مہل بے معنی اور بازاری منہوم کے محلے شروع کئے جو ان لوگوں میں بڑے عالمانہ محلے سمجھے جاتے ہیں، کبھی کبھی کسی فلسفیانہ محلے،، کے جواب سے رنڈی صاحبہ قاصر رہتی ہیں تو رنڈیانہ فلسفہ کی پروفیسر یعنی ان کی اُبال کھائی ہوئی والدہ صاحبہ، اس کا جواب سید فرماتی ہیں تو بارے لطف اور وجد کے اربابِ نشاط قابو سے باہر ہو جاتے ہیں، اور دوسرے دن بڑی شان سے اس جواب کے مہل فقرات کو لا جواب چیز بنا کر ملا رنڈی کو یہ کہہ کر سُنانے ہیں کہ بس تُم صاحب ہم تو اُس کے اس جواب پر دنگ ہو کر رہ گئے، ادھر مُلا رنڈی صاحب بھی اپنی اغراض کی خوشامد میں کہہ دیتے ہیں کہ بے شک قیامت کا جلہ کہا اُس نے اور اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے؟ حالانکہ دنیا جانتی ہے کہ ایک ایسی عورت

کیا خاک جلے اور فقرے وضع کر لگی جس کی تعلیم اُردو، ہندی کی دس پانچ کتابوں تک ہو سو یہ تعلیم بھی اس لئے کہ لگانے کے لئے غزلیں خود پڑھ کر یاد کرنے میں آسانی ہو، پھر جس کی صحبت میں بجائے ذی علم حضرات کے موٹے موٹے تاجر، اور بے ذوق دفتری قسم کے افسروں وہ بے چاری اگر جیلے بھی وضع کر لگی تو بس دس پانچ اور اس کے بعد اس کا ذخیرہ ختم ہوا تو پھر سمجھ لیجے کہ مکمل ہی ممل،

اس کے بعد یہ حد سے گزری ہوئی مگر فاضل مصنوعی حجاب سے پان حاضر کر لگی اور حجاب نشاط میں ایک ایسے صاحب ضرور ہوتے ہیں جو اپنی جماعت میں سب سے زیادہ فاضل، سب سے زیادہ ظریف، سب سے زیادہ بذلہ بیخ، سب سے زیادہ حاضر جواب سمجھے جاتے ہیں چنانچہ انھیں اسی غرض سے ارباب نشاط بڑی خوشامد سے اپنے ساتھ لیجاتے ہیں، کہ وہ رنڈی کے نتیجوں کے تول کے فقروں اور لا جواب کر دینے والے جلوں کا بڑا ہی متول اور جرتہ جواب دیتے ہیں، اسی لئے ان لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل صاحب کو بھی اپنے متعلق یہ گھمنڈ ہو جاتا ہے کہ وہ رنڈی سے جو فقرہ بھی کہتے ہیں اس درجہ لطیف، لا جواب اور نہانہ والا ہوتا ہے کہ ساری محفل صدائے تحسین سے گونج ہی تو اٹھسکی لہذا یہ قابل اور لائق صاحب رنڈی کے ہاں جاتے وقت راستے ہی سے ایسے جملے بنا کر جاتے ہیں کہ بس جاتے ہی کہہ گزریں گے، اور محفل ان کی قابلیت اور حاضر جوابی کی تعریف سے گونج اٹھے گی چونکہ اس شخص کے خیال کو تسوچ و چار اور فقرے گھرنے کی فکر دامنگیر ہو جاتی ہے اور عام حواس بند ہو جاتے ہیں لہذا اس سے اکثر ایسی بے اختیار حرکات سرزد ہوتی ہیں جن پر رنڈی اور اس کے متعلقین دل

کھول کر بھائی صاحب کا مذاق اڑاتے ہیں، اگرچہ یہ فاضل صاحب اپنی ایسی ہیودگیوں کو اپنی بولکھلائی اور عجیب و غریب حرکات سے چھپانا چاہتے ہیں مگر دل میں مارے ندامت کے کافی ذلیل ہوتے ہیں، اب ان کی بدلہ سخی ان کی برجستہ گوئی اور ان کی ظرافت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ جہاں زندگی نے کوئی فقرہ کہا اور ان کی ساری جماعت نے انھیں غور سے دیکھا اس امید کے ساتھ کہ بس دیکھنا اب یہ ایسا جواب دیں گے کہ زندگی پھر کوئی فقرہ نہ کہہ سکیگی، اور بھائی صاحب کوئی جاموہ از ہر مصر، یا علی گرٹھ یونیورسٹی کے سند یافتہ تو ہوتے نہیں، اس لئے اب وقت پر محفل جواب نہ بن آنے کی حقیقت کو یہ کبھی فہم نہ کرتے ہیں، کبھی گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دوزاؤ بیٹھ کر یوں جھومتے ہیں گویا بس اب وہ جواب دینے ہی والے ہیں، آخر جب کوئی برابر کا جواب سوچتا ہی نہیں تو یہ چمک کر کوئی مہمل سا فقرہ کہہ کر خود ہی نور سے قہقہہ لگاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو دیکھ کر ہنستے جاتے ہیں اور گردن ہلا ہلا کر ساتھیوں سے بھی اپنی ہنسی میں امداد چاہتے ہیں تاکہ ہنسی کے شوق میں اپنی لاجوابی کی ندامت چھپ جائے اُدھر ارباب نشاط پہلے ہی کمرے دھرے ہوتے ہیں لہذا انھیں اس سے کوئی بحث نہیں کہ اُن کے لئے ہوئے فاضل محمد خاں کے جواب میں ہنسی اور معنی آفرینی کی کوئی تگ ہے بھی یا نہیں انھوں نے جو دیکھا کہ ہمارے برجستہ گو فاضل محمد خاں ایک جملہ کہہ کر خود ہی مارے ہنسی کے قابو سے باہر ہو رہے ہیں تو وہ بھی لگے تکیوں اور گدوں سے اونچے ہو ہو کر قہقہے لگانے، اُدھر زندگی ہر حال میں عورت ہوتی ہے اور ویسے بھی دس آدمیوں کے خواہ مخواہ ہنسنے اور شور کرنے سے دوسرا آدمی شرمندہ سا ہو جاتا ہے لہذا ایسے حجاب کو اُتارنا

نشاط سمجھتے ہیں کہ ہمارے حاضر جواب فاضل محمد غاں کے جملے نے رنڈی کو بالآخر لا جواب ہی کر دیا نا؟ ادھر فاضل محمد غاں ہوتے ہیں کہ چار دن بعد تک اپنی جماعت والوں سے کتنے رہتے ہیں کہ کیوں یاد ہے کہ وہ میں نے اُس دن جو فلاں فقرہ کہا تھا تو کیسی لا جواب ہو گئی تھی وہ آپ کی مُشری جان؟

بعض ارباب نشاط رنڈی کے گھر کی تفریح کے لئے اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو رکھتے ہیں جو یا تو قد و قامت اور طیلے بُشرے کے لحاظ سے عجیب غریب ہوں یا پھر بنے ہوئے مجذوب، خمیطی یا ”سولنا“، بس جہاں یہ رنڈی کے گھر پہنچے اور انھیں بنایا گیا، کوئی انھیں گفتگو سے بے وقوف بناتا ہے کوئی دھول رسید کرتا ہے، اور یہ فرضی غصہ کے ساتھ ان سب سے ناراض ہو کر بھاگتے ہیں تو پھر ساری محفل خاص کر رنڈی انھیں منا کر یا خوشامد کر کے اس شرط پر واپس لاتی ہے کہ اب آپ کو نہ ستائیں گے، مگر تھوڑی دیر کے بعد انھیں پھر چھیڑا جاتا ہے، اور پھر یہ بگڑتے ہیں مگر چاہو کہ ہمیشہ کے لئے رنڈی کے گھر جانا چھوڑ دیں، تو یہ ان بے چارے کی بس کی بات اس لئے نہیں کہ ارباب نشاط سے روٹی ہی اسی بات کی کھاتے ہیں، ایسے لوگوں سے رنڈی جتنا انتہائی ہمدردی اور خلوص کا اظہار فرماتی ہیں مثلاً جس دن یہ بنے ہوئے خمیطی صاحب ارباب نشاط کے ساتھ رنڈی کے گھر نہ جائیں اُس دن رنڈی ارباب نشاط سے ناراض ہو جاتی ہے اور یہ فوراً بُلّائے جاتے ہیں،

الغرض جب رنڈی پان پٹش کرتی ہے تو حاضرین کے ”رنڈیانہ قانون“ کی دفعہ یہ ہے

کہ اُس کے پانوں کے برتن کو بغیر روپیہ اور نوٹ رکھے خالی واپس نہ کیا جائے مگر اس روپیہ کی مقدار آپ کی حماقت اور دولت مندی کی مقدار پر موقوف یعنی جس نمبر کے آپ احمق ہوں اُتنے ہی زیادہ روپیہ اس برتن میں رکھ دیں، چنانچہ سنا ہے کہ شہر بمبئی کے ارباب نشاط سورویہ کے نوٹ سے کم نہیں دیتے، اس کے بعد ارباب نشاط کی طرف سے گانا سنانے کی فرمائش ہوتی ہے اور رنڈی کی طرف سے مخروں کا آغاز ہوتا ہے کبھی کہتی ہے کہ کل رات کو فلاں ہمارا جہ صاحب کے اے، ڈی سی تشریف لائے تھے اُنھوں نے صبح تک گانا سنا تھا اس لئے بے حد تھکی ہوئی ہوں آج معاف کیجیے کل سناؤں گی، کبھی کہتی ہے کہ رات کو گورنر صاحب کی کوٹھی پر گاتی رہی کیونکہ خفیہ طور پر گورنر صاحب میرا گانا سننے بغیر کھانا نہیں کھاتے، کبھی کہتی ہے کہ کل رات سے میرے گلے میں خدا جانے کیا ہو گیا ہے کہ آواز ہی ٹھیک نہیں ہوتی، غرض ہزاروں بہانے کرتی ہے، حالانکہ گانے کے لئے شام ہی سے تمام ساز و سامان خفیہ طور پر تیار رکھتی ہے مگر اس طرح کہ سارنگی والا بھی پوشیدہ اور طبلے والا بھی غائب مگر جب ارباب نشاط کے ذوق سماع کو خوب مشغل کر دیتی ہے تو بدخیر آپ کی خاطر سے ایک دو چیزیں سننا دیتی ہوں، کہہ کر جو حکم دیتی ہے تو تمام متعلقین ہوتے ہیں کہ فرضی طور پر انھیں ملتے ہوئے اس کے ہر گوشے سے برآمد ہونے لگتے ہیں گویا واقعی وہ سو رہے تھے یا سونو لے تھے اب جو ہزاروں مخروں کے ساتھ گانا شروع ہوا تو نہ پوچھئے ارباب نشاط کے وجد و کیف کا عالم، بس ہر مصرع پر یہ اُچھل اُچھل کر اور مست و مدہوش ہو کر داد دیتے ہیں، حالانکہ آپ کی

دعا سے رنڈی جس غزل کو بھی کہیگی وہ کسی دنیا نویسی اور مرے ہوئے شاعر کی جن کے اشعار میں نہ کوئی نیا خیال ہوتا نہ کوئی اچھوتی فکر، پھر مصیبت پر مصیبت یہ ہے کہ رنڈی جس غزل کو بھی کہتی ہے اتنی غلط کہ کپڑے پھاڑ کر بھاگ جانے کو بھی چاہتا ہے، پھر اس پر اگر وہ یکایک کوئی غزل فارسی زبان کی شروع کر دے تو سمجھ لیجے کہ اب یہ جاہل ارباب نشاط مارے کیف کے بغیر اسپتال پھونچائے ہوش میں ہی نہ آئیں گے، گویا اُن میں کا ہر ایک فارسی زبان کی شاعری کے نکات و رموز کو اتنا سمجھتا ہے کہ خود سعدی، انوری اور عارفی نے بھی نہ سمجھا ہوگا،

غرض خدا خدا کر کے گانا ختم ہوا، مگر اس عرصے میں رنڈی صاحبہ کی سارنگی کا صندوق تھوڑو تھوڑو روپیہ نقد یا اتنے ہی نوٹ سے لبریز ہو گیا، اور صبح صرت اتنا تذکرہ ہوا کہ افسوس ملا تو زری صبا آپ رات کو گانے میں نہ تھے واللہ ملا صاحب اگر رات کو آپ مُشرقی جان کا گانا سن لیتے تو آپ کو وہ لطف آج بھی بھر نہ آیا ہو گا کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ گانے کو تو آپ ہی ایسے ذی علم لوگ سمجھ سکتے ہیں مگر آپ بھی اس درجہ خشک واقع ہوئے ہیں کہ بجز مضمون نگاری کے نہ دوست کے نہ آشنا کے خیراب کی ہجرات کو انشا، اللہ آپ کو ضرور لے چلیں گے مگر دیکھئے خدا کے لئے کوئی بہانہ نہ کر دیجو گا۔ ان کے بعد رنڈی کی قدردانی اور قدر افزائی کا دوسرا میدان شادی بیاہ کی تقاریب ہیں، خصوصاً غنڈوں کی شادی میں تو رنڈی کا مرتبہ شہر کو وال سے کچھ ہی نیچا ہوتا ہے سودہ بھی ادباً ہم لکھ رہے ہیں در نہ کو تو وال تو کو تو وال رنڈی تو غنڈوں کے ہاں بگ کیش فیسٹو ہوتی ہے، جہاں یہ آئی اور صاحب خانہ سے لیکر اُس کے تمام عزیزوں پر اس کی تواضع اور خاطر کا خوف طاری ہوا اور یہ اس لئے کہ رنڈی صاحبہ جب کسی کے ہاں شادی میں تشریف لے جاتی ہیں تو ان کے ہمراہ جولاؤ

لشکر نظر آتا ہے وہ کسی بادشاہ کی سواری ہی میں نظر آسکتا ہے، چنانچہ ان کے ناچ اور گانے کے محو و نین کی عام تعداد مبلغ چھ یا پھر دس ہوتی ہے کیونکہ ذرا بڑی حیثیت کی رنڈی کے ساتھ طلبہ بھالنے والے دو ہوتے ہیں اور پان کھلانے والا اور جو توں کی حفاظت کرنے والا ملا کر دس اور اوپر سے اس کی کھانسی کی ماری ہوئی اماں جان گیارہ، بس ادھر رنڈی شادی کے گھر میں آئی کہ پہلا ہنگامہ تو شادی والے گھر اور محلے کے بچوں میں برپا ہو جاتا ہے جو انتہائی شوق اور حیرت سے اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھنے کے لئے ایک کے اوپر ایک کر کے گرے جاتے ہیں، دوسرا ہنگامہ اس کے گھر عورتوں میں بچتا ہے جو کہتی ہیں ”باتا قاعدہ“، ہوں مگر رنڈی کو دیکھنے کے لئے وہ بٹھانکتے، سے باز نہیں رہتی ہیں، چنانچہ بعض عورتیں اپنے بچوں کو پیسہ دیکر دروازے پر یہ کہہ کر ٹھجادی ہیں کہ ”اگر خالو میاں آئیں تو ہم سے دوڑ کر کمد بنام ذرا رنڈی کا تاشہ دیکھتے ہیں“،

اس کے بعد میرا ہنگامہ اس شہر کے غنڈوں کا ہوتا ہے جو بغیر کسی لڑن اور تحلف کے رنڈی کے اصل منہ پر اکڑ بیٹھ جاتے ہیں، پھر اپنے لباس، اپنے ڈنڈے، اور اپنی اکڑی ہوئی گھنگو سے رنڈی پر بٹھاتے ہیں، مہل اور ڈرانے والے آواز سے کہتے ہیں، اور موقع پا کر اپنی پسند کی ہوئی غزل کی فرائش بھی کر گزرتے ہیں، اس موقع پر رنڈی جس شخص سے منہس کرمات کرنے وہ مارے غزور کے خود کو اس شہر کا سب سے بڑا آدمی سمجھتا ہے، اسی موقع پر دو لہا دلہن کی طرف کے بعض پوپے اور نشن یافتہ بوڑھے بھی رنڈی سے مذاق فرماتے ہیں، شادی والوں کی طرف سے دو چار بے وقوف اس کی تواضع کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، جہاں اس نے ادھر ادھر دکھا کہ فوراً ان میں سے کوئی پان لیکر دوڑا تو کوئی سیگریٹ، اور اب کچھ دن سے غنڈوں میں رنڈی

کو چائے بھی پلا دی جاتی ہے اور درجہ سوم کی زندگی بھی چائے پینے سے چوکتی نہیں، امراء کی محفلوں میں بھی یہ بڑے ٹھاٹھ اور آن بان سے پھونچ جاتی ہے فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ امراء کی محفلوں میں یہ لباس اور زیور کی بھرک اور شان تو دکھا دیتی ہے مگر وحشت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس محفل میں اگر چہرہ اسی بھی ذرا شاندار سا ڈریس پہنکر اس کے سامنے آجائے تو اُسے بھی جھک کر سلام کر گزرتی ہے محض یہ سمجھ کر کہ ہوں گے یہ بھی کوئی افسر،

اس کے بعد اس کی قدردانی کا تیسرا میدان دولت مندوں کی خفیہ مجالس ہیں، ان مجالس میں کوئی ایک ”بڑا آدمی“ اسے گلے لگنے کے لئے طلب کرتا ہے اور اپنے برابر کے افسروں یا اپنے برابر کے دولت مندوں کو اس محفل میں شرکت کے لئے ”بڑے رازیں اذن پھونچا دیتا ہے“ اس محفل میں گورنری بہت زیادہ ”حسب ضابطہ“ ہو کر آتی ہے اور آداب و احترام کا ہر قاعدہ ملحوظ رکھتی ہے، مگر تھوڑی ہی دیر میں اس محفل کے ”متمز شرکا“ اس کے ساتھ یا آپس ہی میں ایسا مذاق اور بے تحاشی شروع کر دیتے ہیں کہ مجبوراً اس زبڈی کو بھی سارے آداب کو طاق پر رکھ دینا پڑتا ہے، یہاں اس کے گلے پر بھی وجد و کیف کا وہی عالم ہوتا ہے جو اپنے دہلی کے خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں قولی میں نظر آتا ہے، ایسی محفلوں میں یہ بجائے ”دور کھڑی ہو کر بچنے کے امیروں سے بہت زیادہ قریب بیٹھ کر گاتی ہے اور ہر شریک مجلس رشوت اور بے ایمانی کی تجارت سے کلمے ہوئے نوٹ اور نقد روپیہ اسے دکھاتا ہے اور یہ بڑے بخر سے اٹھ کر آتی ہے اور اُسے آداب عرض کر کے دل میں یہ کہتی ہوئی روپیہ لیکر واپس ہوتی ہے، کہ ”ہو بڑے بڑے احمق“، اور نقد روپیہ یا نوٹ دینے والے صاحب روپیہ دینے کے بعد لمبائی سی جانی

لیکھنے والوں کو اس خیال سے دیکھتے ہیں کہ میرے اتنے زیادہ روپیہ دینے سے محفلِ اَللّٰہ میرا کتنا اثر ہوا؟ بعض ایسی عقلوں میں رنڈی کی ”مزدوری“ کے لئے چنہ کیا جاتا ہے اور بعض تمام مصارف اپنی حبیب سے ادا کرتے ہیں اور دوستوں کو ”برحمتِ رنڈیانہ“ مفت گانا سنواتے ہیں، اور کہیں کہیں گانے سے پہلے دوستوں کو ”مرغِ مسلم“ بھی کھلاتے ہیں، اس قسم کے بے وقوفوں کی پہلی علامت یہ ہے کہ وہ بہت زیادہ محبت پا جا مہ پہنتے ہیں، اس کے بعد ”بجالاتِ مختلف“ کسی سے اس کی شادی ہو جاتی ہے لیکن بہت کمی کے ساتھ، البتہ جس کی شادی ہو جاتی ہے وہ رنڈی بیوی ہو کر جو کچھ ہوتی ہے اُس کے اثرات یہ ہوتے ہیں ۱۔ وہ نکاح سے قبل اپنے ہونے والے شوہر سے اپنے نام اُس کی تمام جائیداد یا جائیداد کا بڑا حصہ عدالت سے ”جبری“ کراتی ہے،

۲۔ رہنے کے لئے شوہر کے اصل مکان سے علیحدہ ایک مکان لیتی ہے،

۳۔ اس کی اولاد کی شادی شریفوں میں محال ہو جاتی ہے،

۴۔ اس کے شوہر صاحب کے سابق خسر صاحب اپنی بیٹی کے مہر کا دعویٰ اُس کے گزرتے ہی

۵۔ سابق بیوی اکثر اپنے ماں باپ کے ہاں چلی جاتی ہے، ورنہ تپِ دق کے مرض میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے،

۶۔ اس کے شوہر کی عام عزت اور اثر میں بہت زیادہ کمی ہو جاتی ہے،

۷۔ اس سے پیدا شدہ لڑکے کو شہر کے غنڈے ہمیشہ ”اے اے اور رنڈی والے“ کہہ کر پکارتے ہیں،

- ۸ = اس کے بیوی ہو جانے سے گھر کے مصارف میں اضافہ ہوتا ہے،
- ۹ = مکان بے حد صاف، آراستہ اور ہر چیز میں سلیقہ پیدا ہو جاتا ہے،
- ۱۰ = پچھلے زندگی کی ندامت اور خوف سے وہ اب حد سے سوا اندھی عورت بن جاتی ہے، وہ عباداتی مسائل و وظائف کا بے حد احترام کرتی ہے،
- ۱۱ = نہایت محتاط، آل اندیش، اور نیک سیرۃ ہو جاتی ہے،
- ۱۲ = شوہر کی حد سے سوا فرماں بردار ہوتی ہے، اور خدمت گزار،
- ۱۳ = بے حد کفایت شعار، اور منظم ہو جاتی ہے،
- ۱۴ = اولاد کی تربیت اور تعلیم میں سب سے زیادہ قابل تعریف،
- ۱۵ = نیکو کاری، خوش اطواری، اور دینداری کی باتوں سے ہر وقت خوش ہونے والی، اور فضولیات سے نفرت کرنے والی،
- غرض بیوی ہو کر اس کے جملہ اطوار بلند پایہ شریف عورتوں سے کہیں سوا ہوتے ہیں،
- مگر ان خوبیوں کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب آپ بھی جب تک ایک رنڈی ہی سے شادی کر لیں اس وقت تک کھانا ہی نہ کھائیں، آئندہ اختیار، بدست سرکار، فقط،

ٹھیٹر اور سینما کی ہیوی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ٹھیٹر اور سینما دو قسم کے شوہر دن کا نام ہے، بلکہ ٹھیٹر اُس شے کو کہتے ہیں جس میں مرد اور عورتیں نئے نئے اور عجیب قسم کے ہمیں بدل کر تماشہ کرتے ہیں، اور سینما اُس تماشے کو کہتے ہیں جو بجلی کی مشین کے ذریعہ ایک پردہ پر تصاویر کے ذریعہ تمام دنیا کے حالات و واقعات کو اپنی اصل حالت میں دکھاتا ہے، ان دونوں تماشوں میں ٹھیٹر قدیم، اور سینما جدید تماشہ ہے اور اسی لئے سینما کی مقبولیت نے ٹھیٹر کو قریب قریب ختم سا کر دیا ہے، سینما کے آغاز کا جو زمانہ بتایا گیا ہے اُس میں اور اُس کے موجد کے صحیح علم کے متعلق ابھی تک اختلاف ہے، مثلاً ۱۸۲۷ء میں لنڈن کی رائل سوسائٹی یعنی مجلس شاہی کے ناظم پیٹر مارک اوڈیش نے اس کے متعلق ایک ایجاد کی تھی، جو صرف ایک کارڈ بورڈ، کو گھماتی تھی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ چڑیاں ناچ رہی ہیں، پھر ۱۸۸۹ء میں ایڈیسن اسٹس کو ڈک کیمبرہ کی پہلی فلم تیار کی، اور پہلی پھرتی تصویروں کو دکھانے کا بھی آلہ تیار کیا لیکن آج ۱۹۳۱ء میں یہ تماشہ اس درجہ مکمل ہو چکا ہے کہ اس کے پردہ پر حرکت کرنے والی تصاویر گفتگو بھی کرتی ہیں جو سنی جاسکتی ہے، ہندوستان کا شاید ہی کوئی چھوٹا سے چھوٹا شہر ہو گا جہاں سینما کا تماشہ موجود نہ ہو، اس کا سب سے پہلا تماشہ ۱۹۱۷ء میں دکھایا گیا اُس وقت لوگوں کو اس کے اس درجہ

مقبول ہونے پر یقین نہیں تھا، مگر ۱۹۱۷ء کے اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک پچاس ہزار سینما بن چکے تھے، اُسی وقت امریکہ ایک کروڑ افراد روزانہ سینما دیکھتے تھے، انگلستان نصف باشندے ہفتہ میں دو مرتبہ سینما دیکھتے تھے، امریکہ میں ایک سال میں دس کروڑ روپیہ کے ٹکٹ فروخت ہوئے تھے،

اب ہندوستان میں یہ تماشہ مقبول ہو رہا ہے، غرض اس کو ذریعہ تفریح بھی کہا جاتا ہے، اور تعلیم و اصلاح کا اعلیٰ سبق بھی، اور اسی لئے بعض حالات میں للہ کو بھی ان تماشوں کے ذریعہ سبق دیا جاتا ہے، حالانکہ اس ٹھیٹھی سبق کے بعد بھی ہندوستانی طالب علم گھبرا گھبرا رہتا ہے، مگر کہنے میں یوں آتا ہے کہ ٹھیٹھا اور سینما کے ذریعہ بھی پڑھاتے تو ہیں، تھانوی کے خیال میں یہ بھی ایک طریقہ ہے بے وقوف قوموں میں اس کے شوق کو پیدا کرنے کا، ہر کیف ان دونوں تماشوں میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ملازم رکھی جاتی ہیں جو گناہ اور ناچنے کے کام کے ساتھ ہی عورتوں کے حالات کی نقل بھی کرتی ہیں، مگر ان عورتوں کے اندر چند خصوصیات کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے، اب اگر کسی عورت میں وہ باتیں نہیں ہیں تو کہیں کہیں اُن کی تعلیم کا ہندو بست خود ٹھیٹھا اور سینما والے کرتے ہیں، ان خوبیوں میں سب سے اول درجہ کی خوبی عورت کا خوبصورت ہونا ہے مگر ہندوستان میں ان کھیلوں میں جس قسم کی عورتیں ملازم رکھی جاتی ہیں یا ملازم ہوتی ہیں وہ اپنی جگہ پرکتے ہی بلند اور پاکیزہ اخلاق کی ہوں، مگر عام طور پر اُن سے نفرت کی جاتی ہے، اور اس نفرت کے دوسرے اسباب میں سے دو سبب نہایت قوی ہیں،

اول یہ کہ یہ تماشہ ہی سرے سے ہندوستان کی ایجاد نہیں اس لئے یہاں کے باشندوں کی نظر اور اُن کے اعتقاد میں اس کی ہر چیز عجیب و غریب معلوم ہوتی ہے، اسی لئے اُن کے اندر کام کرنے والی عورت بھی انھیں ایک عجیب سی چیز نظر آتی ہے،

دوسرے یہ کہ بعض واقعات بھی اس قسم کے رونا ہوا ہو چکے ہیں جن کے باعث عام طور پر ٹھیٹر اور سینما کی عورت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے،

تیسرا سبب گو معمولی ہے مگر نہایت اہم اور وہ یہ کہ شروع ہی سے ان تماشوں میں اُن عورتوں نے حصہ لیا ہے، جو خاندانی اعتبارات سے ناقابلِ توجہ تھیں مگر جو سبب اس نفرت کا خاص ہے وہ اس کی عورتوں کے حالات ہیں چنانچہ رسالہ ”نئی روشنی دہلی“ بابت ۱۹۳۱ء

مئی ۱۹۳۱ء جلد ۱ نمبر ۷ کے صفحہ ۵۰ پر اس تماشہ کی ایک مشہور تر عورت مسماۃ شاناکمار کی

نے ایک مضمون بعنوان ”آپ بیتی اور جگ بیتی“ شائع کیا، اس مضمون میں اُس نے اپنی ملازمت کے جو حالات قلمبند کئے ہیں وہ حد سے سوا عبرت انگیز اور غیرت سوز ہیں اور

ملازمتی کی اس کتاب کا وقار اور اس کی شائستگی ہرگز اس کی اجازت ہمیں دیتی کہ ایک مسلمان نام کے رسالے میں ان شائع شدہ حالات کو بھی نقل کیا جائے، البتہ اس

مضمون سے اس قسم کی بیوی کے متعلق چند خاص باتیں معلوم ہوتی ہیں جو یہ ہیں،

اول یہ کہ ٹھیٹر اور سینما میں وہ لڑکی زیادہ آسانی سے ملازم ہو جاتی ہے جس کی خاندانی نگرانی کمزور ہو،

دوسرے یہ کہ وہ لڑکی اخلاقی قیود سے آزاد ہو اور گھر کے باہر تفریحی مشاغل میں کسی نہ

کسی طرح حصہ لے سکتی ہو، چنانچہ خود مضمون نگار موصوفہ نے اپنے خاندان اور سنیما میں اپنی ملازمت کے واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ

”میرا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے (اشاء اللہ) میرے والد موتی لال

ایک اسکول کے پرنسپل تھے، آکسفورڈ یونیورسٹی لندن کے تعلیم یافتہ

تھے، سالہ ۱۹۱۶ء میں اُن کا انتقال ہوا، اور اس کے بعد میری تعلیم کا سلسلہ

رُک گیا، مجھے شروع سے سینما سے دلچسپی تھی (گویا گھر والے تازہ دیکھو

کی اجازت دیتے تھے) میں نے اس زندگی کو سالہ ۱۹۲۰ء میں جناب

نرخین پال کے مشورہ سے اختیار کیا،

اس اقتباس سے ہمارے مذکورہ بالا خیالات کی تائید ہو گئی،

تیسرا سبب ملازمت کے لئے لڑکی کی تنگ دستی، غربت اور فاقہ کشی بھی ہے،

ان حالات و اسباب کے بعد بعض ایسی عورتیں بھی ان تماشوں میں ملازم ہیں جو شادی کے

بعد اپنے شوہر کے ساتھ ملازم ہوئی ہیں، اور بعض ایسی بھی جو ملازم ہونے پر بھی ہر قسم کے

اعتراض سے بری ہیں،

القصہ یہ جب ان تماشوں میں ملازمت کی حیثیت سے داخل ہوتی ہے تو اُس وقت عموماً

یہ بے بیاہی ہوئی ہوتی ہے، اُس کے بعد اس کی شادی اول تو تماشہ کے کسی ملازم ہی سے

ہو جاتی ہے ورنہ پھر تماشائیوں میں سے کسی سے خصوصاً کسی دولت مند سے،

اس کی شادی اگر ملازم کے ساتھ ہو تو کہا جائیگا کہ اس شادی میں خود بیوی کی پسند اور خواہش

کو دخل ہے یعنی اُس نے اپنے شوہر کو خود پسند کیا ہے، یا پھر اس میں ملازم شوہر کی چالاک اور مکاری کو دخل ہوگا، یعنی اس ملازم شوہر نے ہر وقت کی قربت سے فائدہ اٹھا کر اُسے مسلسل دھوکے دیئے ہیں اور لالچ کے سبز باغ دکھائے ہیں جن کے اثر سے اُس نے اس شوہر کو پسند کیا اور اب اُسے فریبی اور مکار پاکر رو رہی ہے، لیکن اگر تماشائیوں میں سے وہ کسی کے ساتھ بیاہی جائے تو سمجھ لیجے کہ وہ اس تماشائی کی دولت مندی سے متاثر ہوئی ہے، برکعت دونوں قسم کے شوہروں سے شادی ہونے کے اصول علیحدہ علیحدہ ہیں، مثلاً اُس کی شادی اگر کسی ملازم کے ساتھ ہو رہی ہے تو نہایت دیدہ دلیری اور آزادی سے ہوگی اور اگر کسی تماشائی کے ساتھ ہے تو مشکلات اور غصہ طرچے سے،

ملازم کے ساتھ اس لئے آزادی حاصل ہے کہ بصورتِ ملازمت ٹھیکر اور سینما کی لڑکی کے خاندان کا کوئی اثر لڑکی پر نہیں ہوتا، البتہ کہیں کہیں اس کی والدہ صاحبہ بھی اسی تماشے میں ملازم ہوتی ہیں، مگر ٹھیکر اور سینما کی ملازمت اختیار کر لینے کے بعد خود لڑکی اتنی آزاد ہو جاتی ہے کہ اب اُسے اپنی شادی کے لئے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی اجازت کی ضرورت نہیں، صرف تماشے کے مالک کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ وہ دخل درمیان بیوی نہ بن جائے، یا اُس کے معاہدہ کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہ ہو، چنانچہ ہوتا ہے کہ تماشے کے مالک ایسی شادیوں میں اس لئے رکاوٹ پیدا کرتے ہیں کہ شادی کے بعد کہیں دُہن صاحبہ جاگ نہ جائیں اور پھر ان کے نہ ہونے سے ہمارے تماشے کے ٹکٹ فروخت نہ ہوں، لیکن کسی ملازم کے ساتھ یہ خطرہ اس لئے کم محسوس ہوتا ہے کہ لڑکا اور لڑکی شادی کے بعد ہمارے ہی تماشے کو

اپنا میکا اور سسرال سمجھیں گے لہذا اجازت ہے، چنانچہ اکثر شادیاں ایسی ہی ہوتی ہیں جن میں بڑی بھی تماشے کی اور لڑکا بھی تماشے کا، اس شادی میں نہ نکاح کے اذن ولے کا رڈ چھپوانے کی ضرورت ہوتی، نہ ولیہ کے لئے پلاڈ پکایا جاتا، بس تماشے کے تمام ملائ جمع ہو گئے اور نکاح کی رسوم ادا کر کے ان دونوں کو میاں بیوی سمجھ کر پرتما شہ دکھائے میں مصروف ہو گئے، اس قسم کے شوہر کے ساتھ اس کے تعلقات ناقابل اعتبار رہتے ہیں محض اس لئے کہ اپنی مقررہ خدمت سے ترقی کرنے پر بیوی دوسرے تماشے میں زیادہ تنخواہ والی ملازمت چاہتی ہے اور یہاں سے نا اتفاقی کا آغاز ہوتا ہے، یا پھر حریص اور لالچی ذہنیت ہونے کے باعث اس شوہر کی قلیل آمدنی پر وہ صابر نہیں رہتی، اور کسی مالدار ملّا رموزی کے ساتھ شادی کے لئے راضی ہو کر وہ اس شوہر سے طلاق چاہتی ہے اور جو یہ کچھ بھی نہ ہو تو وہ انفلاس اور تنگدستی کی تحلیف کو برداشت نہیں کر سکتی، اس لئے ایسا بھی ہوتا ہے کہ شوہر صاحب پلنگ پر سوتے دہاتے ہیں اور وہ کہیں سے کہیں، پھر شوہر صاحب کو تو ایلیا میں اس کا طلیہ لکھاتے پھرتے ہیں اور ملّا رموزی صاحب گواہی دیتے پھرتے ہیں، کہ ہاں یہ اس کی بیوی ہے اور فلاں تماشے سے جاگ کر آئی ہے اور حلف سے کہتا ہوں کہ دوسرے کا زیور بھی لے کر جاگئی ہے، ایسی بیوی کی تلاش میں کو تو ال لوگ زیادہ محنت سے کام لیتے ہیں مگر محسّر بیٹوں کے لئے نہیں کہہ سکتے کہ وہ ایسے میاں بیوی کے مقدمہ میں پیشی پر پیشی کیوں بڑھاتے ہیں؟ الغتہ اس قسم کے میاں بیوی کی اخلاقی کمزوریوں اور آزادیوں کے باعث تعلقات بہت کم خوشگوار رہتے ہیں، خصوصاً بڑھاپے میں ان دونوں کی ابتر اور قابلِ رحم زندگی

نا قابل برداشت ہو جاتی ہے، محض اس لئے کہ ٹھیٹر اور سینما کی ملازمت سے جتنا آدمی مالدار ہوتا ہے اُتنا ہی فضول خرچ بھی ہو جاتا ہے، بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو مال اندیشی سے کوئی جائداد خرید لیتے ہیں، اداکاران لوگوں کے ہاں اولاد بھی کم ہوتی ہے، لہذا بڑھاپے میں اولاد کا سہارا بھی نہیں ہوتا،

اس قسم کی بیوی فراغت اور خوشحالی کے زمانے میں بھی شوہر کے لئے مصیبت بنی رہتی ہے مثلاً وہ کسی کلب کی ممبر تو نہیں ہوتی مگر شام کے وقت ڈھائی سو روپیہ نقد کی ساری، اور ڈاسن کا پمپ پہنکر وہ ٹھنڈی سڑک پر ضرور جاتی ہے

انہی میں سے بعض ایسی ہوتی ہیں جو اپنے کمالات کی وجہ سے اتنا روپیہ کما لیتی ہیں کہ کوئی بھی خرید لیتی ہیں اور خود ایک تماشے کی مالک بھی بن جاتی ہیں پھر بھی شوہر کو اپنی بے کمالی کے باعث اس کا خاسماں ہو کر رہنا پڑتا ہے،

مزاجی اور اخلاقی آزادی کے باعث ان دونوں میں جو ہیں گھٹتے اختلافات کا موجود ہونا تو یہاں تک ثابت ہے کہ ملازم توڑی صاحب تو ٹکٹ لیکران کا تماشہ دیکھنے کے لئے بیٹھے ہیں اور یہ ہیں کہ عین تماشے کے وقت لڑ رہے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یا تو میاں تنہا اپنا تماشہ دکھا جاتے ہیں اور ملازم توڑی بیٹھے تاؤ کھایا کرتے ہیں کہ آج وہ نہ آئی، یا پھر شوہر صاحب تاؤ کھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور تماشے کے مالک انہیں پردہ کے اندر سمجھایا کرتے ہیں، اور ملازم توڑی نے تو بعض تماشوں میں ان دونوں کے جھگڑنے کی آواز تک سُنی ہے اور تماشے کے مالک کی خوشامدیں،

مگر انھی میں بعض بیویاں تماشے کے دیوالیہ ہو جانے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ حد سے سوا جفاکش اور صبر سے دن گزار دیتی ہیں، اور کسی دوسرے ذریعہ معاش کو اختیار کرتی ہیں۔ مگر طلاق کا نام نہیں لیتی ہیں، لیکن اگر اس حالت میں خود ان کے شہر میں کوئی تماشہ آجائے تو پھر یہ دونوں اس جدید زندگی کو چھوڑ کر پھر اس تماشے میں ملازمت کئے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔ مگر ایسے میاں بیوی معمولی درجہ کے تماشوں میں ہوا کرتے ہیں بڑھیا میں نہیں،

بے کاری کے زمانے میں اس قسم کی بیوی پر اعتماد کرنا حماقت ہے،

اس کے مقابل اگر اسکی شادی کسی دولت مند سے ہوتی ہے تو اس کے لئے عام طور پر اسے اور اس کے دولت مند شوہر کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور یہ اس لئے کہ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے کہ ہندوستانی آداب اخلاق میں ابھی اس قسم کی عورت کو کوئی مرتبہ نہیں ملا ہے، اب اس لئے اس قسم کی شادی میں خفیہ طریقوں سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، مثلاً عورت کی طرف سے اس لئے کہ اگر وہ کسی دولت مند سے شادی کے لئے خفیہ طور پر تماشے سے بھاگ نہ جائے تو اس کی شادی اس لئے نا ممکن ہے کہ اُسے تماشہ کا مالک اپنے معاہدہ کی رو سے اجازت نہ دے، یا تماشے کی آمدنی کم ہو جانے کے خوف سے وہ اُسے طرح طرح کے لالچ دیکر اس مقصد سے باز رکھنے کی کوشش کرے اور جو کچھ بھی نہ کر سکے تو اس کے فرار ہو جانے پر یہ اُس پر چوری ہی کا الزام لگا کر پولیس کے ذریعہ نکاح سے روک لینے کی کوشش کرے، اور غذا جانے پولیس والے اس قسم کے مفروزین کی بے ضمانت گرفتاری پر کیوں اُدھار کھائے بیٹھے رہتے ہیں، کچھ نہیں بس جوالات میں بند کر کے گانا سناتے ہوں گے؟

شوہر کی طرف سے اس لئے خفیہ کارروائی ہوتی ہے کہ اُن کے شہر اُن کے محلے اور اُن کے خاندان میں ”ایسی“ کے شادی کرنا محبوب، مکروہ، اور ایک حد تک ممنوع ہوتا ہے، بہر حال دونوں کے لئے بھاگ جانا یا لے بھاگنا ضروری ہے، مگر کہیں کہیں یہ بھی ہوتا ہے کہ صاف صاف، پھر بھی یہ شوہر کے حق میں مفید نہیں ہوتی، مثلاً وہ شوہر کے اصل مکان اور اصل بیوی کے پاس رہنا نہیں چاہتی، اس لئے وہ اپنے واسطے علحدہ ایک کوٹھی بنواتی ہے،

جس شہر میں اُس کا تماشہ ہوتا ہے وہاں وہ گرفتاری کے خوف سے نکاح کرنا نہیں چاہتی، لہذا اُس کے ساتھ مرد کو شوہر ہو کر بھی بھاگنا پڑتا ہے، تماشے کی ملازمت اور آزاد زندگی کے باعث اُس کے خواص میں کافی عیش پسندی اور نفضولی ہوتی ہے، اس لئے قیمتی لباس اور سیر و تفریح کی ہر وقت خواہش مند رہتی ہے، اور ان سب باتوں میں شوہر کا کافی روپیہ خرچ کرتی ہے، شوہر پر بھر پور غالب رہتی ہے، اس لئے کہ وہ شوہر کی خواہش پر تماشے کی نوکری ترک کر کے بھاگی ہے لہذا جو مانگے سودیجے ورنہ پھر جاتی ہے اُسی تماشے میں،

بیوی بن جانے پر بھی وہ گھر کے کاموں میں حصہ نہیں لیتی اور ایک کی جگہ دو ملازم عورتیں پاؤں دبانے کے لئے چاہتی ہے، صرف مزاجی صفائی کی بنا پر گھر کو زیادہ صاف اور آراستہ رکھتی ہے، بے پردہ رہنے کی عادت کے باعث نئے شوہر کے ہاں پردہ میں رہنے سے دل تنگ رہتی ہے، اس لئے طرح طرح کے مطالبات سے شوہر کو تنگ کرتی رہتی ہے، اب خود کچھ نہیں کمائی مگر شوہر سے دولت وصول کرنے کی ہر لمحہ خواہش مند رہتی ہے،

معمولی خط و کتابت اور ڈرامے وغیرہ پڑھ لینے کی قابلیت ہوتی ہے، اس لئے کہ آج تک نہیں

سنا کہ کوئی بی، اے، پاس مڑکی سینا یا ٹھیکر کی ملازمت سے بھاگ کر ملّا رموزی صاحب کی بیوی بن گئی ہے

مذہبی آداب و رسوم سے یکسر بے خبر ہوتی ہے اس لئے شوہر کی کافی خدمت اور فرمانبرداری سے دور رہتی ہے، جاہلانہ رسوم کی پابند خصوصاً نذر نیاز، منت، عرس، اور پیروں، فقیروں کی معتقد، تنہائی کا وقت کتب بینی اور امور خانہ داری کی مصروفیت کے عومضاً بننے کا بچانے میں گزارتی ہے،

اس قسم کے میاں بیوی کے تعلقات بڑھاپے سے پہلے تک بہت زیادہ خوشگوار ہوتے ہیں، مگر بڑھاپے میں ایک دوسرے کے لئے مصیبت، اولاد کہیں کم اور کہیں زیادہ، اس قسم کی اولاد سے والد صاحب اس لئے گھبراتے ہیں کہ برادری میں اس اولاد سے کوئی عزت نہیں ملتی، تماشے کی ملازمت تک نہایت حسین، نہایت نازک اور نہایت تیز و طرار اور شادی کے بعد نہایت آرام طلب نہایت لمبی اور نہایت افسردہ اور رنجیدہ رہنے والی،

الّا بعض شادی کے بعد ایمانی قوتوں کی بیداری سے نہایت خندہ پیشانی، آداب مذہب کی کافی عزت کرنے والی، شوہر کی پروانہ، منتظم، جفاکش، کفایت شعار، اولاد کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر چریص اور ملّا رموزی کی دعا گو،

اس قسم کی بیوی کی شادی میں منگنی، نکاح، بارات، ولیمہ اور جہیز کی رسوم کا کوسوں پتہ نہیں، بس وہ دونوں میاں بیوی راضی اور ملّا رموزی صاحب، قاضی، فقط،

بلوچی کی بیوی

ہندوستان کے بازاروں سے تعلق رکھنے والی بیویوں میں بلوچی کی بیوی بھی خاص ہے، یہ علاقہ بلوچستان میں پیدا ہوتی ہے اور تجارت کے لئے ہندوستان کے ہر شہر میں ”قدم رنج“ فرماتی ہے، بلوچستان شمالی ہند اور افغانستان جنوبی سے متصل کے ایک پہاڑی علاقہ کو کہتے ہیں جس کے زیادہ حصہ پراگمریزی حکومت میں ہے، اس علاقے کے باشندے اگرچہ بلوچستان میں پیدا ہوتے ہیں لیکن ان کا نسلی علاقہ ایک حد تک ایران سے ملتا ہے، لہذا اکثر افراد خود کو بلوچی کے عوض ایرانی کہتے ہیں، رسم و رواج اور عادات و معاشرت کے لحاظ سے یہ ہرگز ایرانیوں سے نہیں ملتے، پھر بھی غریب اور زبان کے چند اعتبارات یہ خود کو ایرانی کہہ سکتے ہیں،

کچھ شک نہیں کہ یہ لوگ نہایت تنومند، ذمی حوصلہ، بہادر، جنگجو، اور آزاد ہوتے ہیں، ان کا مذہب اسلام ہے، غلامی میں زیادہ حصہ شیعہ ہے عموماً تجارت پیشہ ہوتے ہیں، میں ہندوستان سے سرحدی قربت کے باعث ان کی خاصی تعداد ہر وقت ہندوستان موجود ملتی ہے، مگر اس طرح کہ انھیں ”خانہ بدوش“ کہہ سکتے ہیں، آج ہمارے شہر میں توکل آپ کے شہر میں،

ان کی بیوی کسی ایسے ہی مقام میں پیدا ہوتی ہے جہاں وہ خیموں، اور درختوں کے سایہ میں مقیم ہوتے ہیں، چونکہ عموماً جاہل ہوتے ہیں اس لئے کل کی فکر سے ہمیشہ بے پروا ہوتے ہیں اور جو شخص فکر سے فانی ہوتا ہے وہ ہمیشہ خوش رہتا ہے، لہذا اس کی پیدائش پر پورا قافلہ خوشی کا اظہار کرتا ہے، گانا بھی ہوتا ہے اور ناچ بھی، پھر یہ آپ ہی آپ بڑھنے لگتی ہے، اور بچہ جی چاہتا ہے بڑھ جاتی ہے، اور یہ آپ ہی بڑھنا اس لئے لکھا ہے کہ اس کی پردہ اور خدمت و حفاظت کا کوئی ایک قاعدہ بھی نہیں برتا جاتا، مثلاً اگر وہ کسی انتہائی گرم موسم میں پیدا ہوئی ہے تو اُسی حالت میں اُسے لیکر ماں باپ سفر فرماتے ہیں اور جو شدت کے جاڑے میں

پیدا ہوئی ہے تو بھی والدین سفر سے باز نہیں رہتے، قیام کی چھت کبھی پختہ نہیں ہوتی بس وہی کپڑے کا خیمہ ناخیمہ، کیونکہ اس خیمہ میں بھی خیمہ پن نہیں ہوتا، بلکہ جس طرح چاہا ایک کپڑا اتان دیا، اور دل میں خوش ہو گئے کہ تنبو کے نیچے تو رہتے ہیں، اس لئے یہ بیوی بچپن میں موسموں کی تمام شدتوں کا مقابلہ کرتی ہے مگر زندہ رہتی ہے، ذرا بڑی ہوئی تو بڑے بڑے قویذوں سے سینہ لدا ہوا، مگر ننگ دھڑنگ، ایک آدھ نیچا کر نال گیا تو سپن لیا ورنہ قافلے میں ادھر سے اُدھر خوش خوش دوڑتی پھرتی ہے

بڑی ہوئی تو قافلہ ہی کے کسی لڑکے سے بیاہ کر رکھ دی سودہ بھی اس طرح کہ تمام تقاریب میں جملہ شرکاء بلوچی ہی بلوچی نہ اس شہر کا کو تو ال نہ کلکٹر نہ ہم نہ آپ، بس قافلے میں جتنے ہیں وہی سعدی اور دہی باراتی، البتہ ہر تقریب میں یہ آپس ہی میں اس قدر خوش ہو لیتے ہیں کہ دوسرے کی حاجت ہی نہیں، اگر ماں باپ کے پاس روپیہ ہے تو ولیمہ بھی ورنہ اس کی بھی شکایت

نہیں، پھر کسی ایک قریب کے لئے بھی پختہ مکان کی ضرورت نہیں، جو کچھ ہے اپنے ٹیموں میں ہے، اب جو شادی ہو گئی تو اُسی ہفتہ سے یہ اپنے شوہر کے ساتھ چاقو، چھری، قفل، تسبیح، جھوٹے بچے موتی، اُسترے قینچی، وغیرہ لئے ہوئے بازار میں نظر آتی ہے، اب وہ تجارت ہی میں آزاد نہیں بلکہ ہر محلے میں آزاد ہے، اگر خدا نخواستہ آپ بازار میں اس کے پاس کسی چیز کے خریدنے کے لئے چلے جائیں تو ایسا معلوم ہو گا گو یا وہ آپ کو خرید کر چھوڑے گی، جہاں آپ نے اُچھی سے بتایا کہ وہ چیز اور یہ بجلی سے بھی تیز زبان چلاتا شروع کر دیگی، فوراً ہی اُس چیز کو لیکر کھڑی ہو جائیگی، پھر آپ کے منہ کے بالکل ہی قریب کھڑی ہو کر وہ اس چیز کی مضبوطی، اس کی قیمت، اس کی قسم، اس کا فائدہ اور اس کی تاثیر کو ہزار ہزار مرتبہ بیان کر دیگی، اور ہر بات پر آپ کے سر کی قسم کھاتی جائیگی، اب اگر قسم جھوٹی ہو تو اس کی بلا سے آپ کا سر جائے یا رہے، اسی اثنا میں اگر دوسرا کھا کھل گیا تو وہ اس سے بھی اسی مستعدی کے ساتھ چٹ جائیگی، وہ اُس چیز کو اُٹھا کر بار بار آپ کے منہ کے پاس لائیگی اور آپ کی ڈاڑھی کی جگہ کو ہاتھ لگا کر اب وہ خدا و رسول کے واسطے بھی دینی گویا وہ بھی کوئی راہِ خدا کا سودا ہے، جس کا خریدنا شرعاً بھی فرض ہے اور عرفاً بھی ثواب کا باعث، اب اس درجہ عاجزی اور کوشش پر بھی اگر آپ نے اُس سے کوئی چیز نہ خریدی تو اب وہ دکان چھوڑ کر آپ کے پیچھے بھی چلاتی ہوئی آئیگی کہ اچھا تو جو آپ کا جی چلے دیدو مگر اسے خریدو، اس پر بھی اگر آپ کا پتھر کا دل موم نہ ہو تو اب وہ آپ کو گالیوں اور بد دعاؤں پر دھریگی، اب فرق یہ ہے کہ وہ سخت سے سخت گالی بلوچی فارسی میں دیتی ہے اور آپ ہوتے ہیں نہ بی، اسے پاس اس لئے آپ اس ناقابلِ برداشت گالی کو صرف اتنا ہی سمجھ کر ہنستے ہوئے چلے آتے ہیں کہ

تو بھی زادی بک رہی ہے چلے اُس کی بکواس کا خیال ہی نہ کیجے حالانکہ اُس کی ایک ہی بکالی کا ترعبہ کسی آزاد ملک کے باشندے کو سنا دیا جائے تو وہ گولی ہی مار دے یا خود کشی کر لے بعض مولویوں کی قسم کے ہندوستانی اس سے بڑی آن بان سے اپنی اُبال کھائی ہوئی ٹانگہ میں گفتگو شروع فرماتے ہیں لیکن جہاں اُس نے اپنی پہاڑی فارسی شروع کی، یہ بے چارے آہ سے اُردو پڑا کرتے ہیں اور دل میں کہتے ہیں کہ خدا مجھے غارت کر دے، کہ میں نے انگریزی تو پڑھ لی مگر اتنی فارسی نہ پڑھی کہ آج اس عورت سے فارسی میں گفتگو کر سکتا،

یہ بازار سے واپس ہوتے وقت غلہ اور ترکاری بھی خرید کر لیتی جاتی ہے، اور ساتھ ہی کوئی نہ کوئی پھل، مٹھائی یا پھر چنے ہی سہی، مگر راستہ چلتے ہوئے کھاتی جاتی ہے اور لطف یہ کہ اس سربراہ کھانے میں اس کا شوہر، اس کا بھائی اور اس کی والدہ تک شریک ہوتی ہے، البتہ بازار سے واپسی پر ایک خاص بات اُس کے اندر دیکھنے کے قابل ہوتی ہے اور وہ اس کے چہرہ کی مسرت اور گفتگو کی آزادانہ فرحت، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ہفت اقلیم فتح کر کے واپس ہو رہی ہے، اب اس کی ہر حرکت میں مستی، شونہی، طراری، اور بے باکی ہوتی ہے، وہ اپنے ساتھ کی غورتوں اور اور مردوں سے اس زور سے گفتگو اور مذاق کرتی ہوئی جاتی ہے کہ اپنے ہاں کے اچھے اچھے خندے یہ کہہ کر ایک طرف ہو جاتے ہیں کہ چلو بھائی وہ تلوچی آرہے ہیں، ماشاء اللہ اپنے ہاں کے بچے تو چنچ مار کر والدہ کی گود میں جا کر کھپ جاتے ہیں، جب اُن سے مہوٹ کو کہدیکے کہ وہ تلوچی آیا، اب وہ دن بھر بازار اور غلوں میں گھوم کر بھی اپنے خیمہ پر پھونکراتی مستعد اور طرار ہے کہ فوراً ہی کھانا پکانے، پانی لانے اور لکڑی پھاڑنے میں یوں مصروف ہو جائیگی، کہ تنگ تنگ کر کوئی

شعری پڑھتی جائیگی، اور پاس والی سے لڑتی بھی جائیگی، پاس والی سے اس کی لڑائی دینا
 کے کسی قانون کے رو کے نہیں رکھتی، پھر مصیبت یہ کہ سارے قافلے کی عورتیں لڑنے لڑتے
 اگر خون میں بھی نہا جائیں تو ان کے مردوں کو پرواہ نہیں وہ مزے سے پاس بیٹھے جو اکیلے
 رہیں گے، بس کبھی کبھی بیٹھے بیٹھے کسی عورت کی طرف داری میں ایک آدمہ فقرہ کہیں گے اور پھر
 کھیل میں مصروف ہو جائیں گے، یہی حال ان کے بچوں کا ہو گا کہ وہ بھی برابر اپنے کھیل میں مصروف
 رہیں گے، یہ اپنی ہندوستانی عورتوں کی طرح نہیں کیا اگر ایک عورت نے دوسری کو ایک گالی
 دیدی تو اس کے باوا بھی لٹھ لیکر آ گئے، اور دادا بھی بیٹھے بھی، اور بھائی بھی اور شوہر کا تو
 پوچھنا ہی کیا، کہ اکثر ہندوستانی شوہر اپنی بیوی کی راہ میں شہید ہو چکے ہیں، اسی طرح ہندو
 عورتیں کہ لڑائی تو ہو رہی ہے میری اور آپ کی بیوی کے درمیان مگر محلہ والی عورتیں یہ کہ
 اپنے اپنے گھروں سے بھاگی ہوئی چلی آرہی ہیں، کوئی ہے کہ گلی میں کھڑی لڑائی کے الفاظ سن
 رہی ہے، کوئی ہے کہ اپنے ہی بیٹے کو یہ کہہ کر ڈانٹ رہی ہے کہ جا تو مردودہ دیکھ لڑتوڑی
 صاحب کی بیوی کس سے لڑ رہی ہیں، کوئی ہے کہ اپنا کام چھوڑ کر اپنے گھر کی ٹوٹی ہوئی دیوار
 پر چڑھ کر جھانک رہی ہے، کوئی اپنے شوہر کو ڈانٹ رہی ہے کہ ذرا چپ تو رہو وہ سنو تو کہتا
 رتوڑی صاحب کی بیوی اپنی ساس سے لڑ رہی ہیں یا کسی اور سے، پھر اگر یہ پتہ بھی چل گیا کہ
 ہاں جہالت کے باعث لڑتوڑی صاحب کی بیوی اپنی ساس ہی سے لڑ رہی ہیں تو اس پر
 بھی صبر نہ ہو گا بلکہ اب اپنے اپنے گھر میں یہ عورتیں ڈھائی گھنٹے تک لڑتوڑی صاحب کی بیوی
 کی لڑائی پر اظہارِ خیال فرماتی رہیں گی کہ

اے بیوی تم کیا جانتی ہو؟

آہ جب سے وہ غریب ملا اس کجبت کو بیاہ کر لیا ہے اُس وقت سے اس کا یہی حال ہے،
ارے بڑی بھکاری ہے، وہ ساس سُسر کو تو ہوا میں اڑاتی ہے، خدا کی قسم آپاگل ہی وہ کہہ رہی
تھی کہ جب میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں ہے تو پھر مجھے کیوں لائے تھے بیاہ کر،
کیا کمتی ہو تم وہ ملا بھی اپنے نام کا ملا ہے، آخر دنیا کس کا ہے؟ اُس نے بھی بیوی کو ایسا درست
کیا ہے کہ چھٹی کا کھایا اب یاد آ رہا ہے بیوی کو،

ہوئی کا ہے پر سے بس ابھی وہ غریب نوکری پر سے آیا اور بس اتنا ہی اُس نے پوچھا کہ ابھی
تک تم میٹھی ہو، چائے تیار نہیں کی کہ بس وہ چمٹ گئی،

اور بیوی زبان کی تو جتنی تیز میں نے اسے دیکھا ہے خدا میری اولاد کو ایسی زبان سے دور بھیجے
ارے تو خالہ بی وہ ہے آخر کس باپ کی میٹی،

ہاں ہاں اُسے تو اپنے ماموں کا گھمنڈ ہے، اسی لئے تو وہ نہ شوہر کو سمجھے نہ ساس سُسر کو،

بس ملا غریب کی قسمت ہی پھوٹ گئی، جو یہ جڑیل اُس کے گلے کا ہار ہو کر آئی،

اُوہ بہن میں نے تو ایسی علامت نہ دیکھی نہ سنی،

الغرض ہندوستانی عورتوں میں ایک عورت کی لڑائی پر اُس محلے کی تقریباً تمام عورتیں گھنٹے سوا گھنٹے
کے لئے محفل ہو کر اسی لڑنے والی کے تذکرہ میں مصروف رہتی ہیں، یہ اس لئے کہ ہندوستانی عورتوں

کی ذہنیت اور تربیت غلامانہ ہے جس کے اثر سے اُن کے اندر ہر غیر معمولی بات اور خبر سے
دُشست، گھبراہٹ، خوف، اور پریشانی کے اثرات پیدا ہوتے ہیں، اور بلوچی عورت کی ذہنیت

آزاد اور اُس کی تربیت کے اصول بھی آزادی سے بھرے ہوئے ہیں، اس کے مرد جنگجو اور بہادر ہوتے ہیں اس لئے اُس کے دماغ میں کسی لڑائی یا حادثے کی خبر کوئی وحشت پیدا نہیں کرتی، اس لئے اب خواہ وہ اپنے شوہر یا اپنی ساتھ والی سے بازار میں لڑے تو لڑے اور قافلے کی قیام گاہ پر لڑے تو لڑے اب اس حالت میں اُسے نہ ساتھ والیاں بچائیں گی، نہ اُس کا شوہر اُس کے بچے میں بولیکا، اسی لئے قیام گاہ پر جہاں اس کی کسی دوسری سے جھڑی اور یہ وہیل فی گھنٹہ کی رفتار سے اُسے گالیاں دینے کے لئے کھڑی ہو گئی، مگر ساتھ والیاں اسی کے پاس بیٹھی ہوئی نہایت سکون سے روٹی پکاتی رہتی ہیں اور بس، اسی قسم کی کبھی کبھی اس کے شوہر سے بھی جھڑ جاتی ہے، اگرچہ نتیجہ میں وہی شکست کھاتی ہے، کیونکہ دنیا میں بوجی مرد کا طاغوت ویسے بھی بہت مشہور ہے، پھر اگر کسی کے بالکل مُنہ پڑ جائے اور وہ بھی دس بارہ مرتبہ تو پھر بیوی تو بیوی اگر بیوی کے والد بھی ہوں تو شکست کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں، مگر کمال اخلاق یہ کہ وہ شوہر کے طاغوتوں اور گھوسلوں سے صرف ایک رات ہی رنجیدہ رہتی ہے، اور صبح پھر اُسی کے ساتھ بیٹی کمر پر لٹکائے بازار میں نظر آتی ہے،

یہ بازار کے بعد ہمارے آپ کے کھانوں کے اندر بھی سامان فروخت کرنے، تشریف لاتی ہے، مگر اُس وقت ہمارے آپ کے ہاں کی عورتوں کا خوف اور پریشانی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، بچے تو صورت ہی دیکھ کر بہادر والدہ سے چٹ جاتے ہیں اور بہادر والدہ اکثر نچے میاں کے کمرے کے اندر، البتہ ذرا بڑی قسم کی عورتیں اس سے گھٹکو کر لیتی ہیں، یا پھر اگر مرد گھر میں موجود ہیں تو، جب یہ گھر میں سامان فروخت کرنے داخل ہوتی ہے اُس وقت یہ اپنے سامان کو عورتوں کے

ہاتھوں فروخت کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے لیکن اس کے بعد وہ کبھی کبھی بھیک کے طریقہ پر روٹی اور کپڑا بھی مانگتی ہے اور اپنے ننھے میاں کی والدائیں عورت ذات سے ہمدردی کرنے کے معاملے میں جرمنی تک مشہور ہو چکی ہیں، لہذا اسے خوب کپڑے ملتے ہیں اور بارہ بارہ روٹیاں، لطیفہ یہ ہے کہ بلوچی کی بیوی سے بعض ہندوستانی مرد اپنی عورتوں کو یہ کہہ کر ڈراتے ہیں کہ

خبردار کبھی اس عورت کو گھر میں نہ آنے دینا،

یہ بڑی لڑکا ہوتی ہے،

یہ بچوں کو پکڑ کر لیجاتی ہے،

یہ چوری کا مال فروخت کر جاتی ہے،

یہ گھر میں سے چیزیں چور کر لیجاتی ہے،

اور بس میں تم سے کہتا ہوں کہ اسے گھر میں نہ آنے دینا پھر تم کون؟

امور خانہ داری اور بچوں کی پرورش کے قاعدوں سے کافی حد تک ناواقف ہوتی ہے

اسی لئے اس کے بچے اس طرح دیکھے جاتے ہیں گویا وہ اپنی ہی بے غیرتی سے زندہ ہیں، او

بڑھتے چلے جا رہے ہیں، اسی لئے اس کے بچوں کے پاس جھک کر سلام کرنے، میر صاحب کو

آداب بجالانے اور مصافحہ کرنے کا کبھی کوئی نمونہ نہیں ملتا، البتہ اولاد سے اس کی محبت کا اتنا

ثبوت ضرور ملتا ہے کہ وہ بازار میں بھی انھیں ”لا دے پھرتی ہے“، مزاج کی نہایت فلیطہ اور

گندہ، خیالات محدود، اور سبت، عادات خوفناک، خطرناک، غضبناک، مگر شوہر کی بیحد وفادار،

بے حد کمانے والی اور بے حد کھانے اڑانے والی، سب سے بڑی خوبی یہ کہ جو ا بھی کھلتی ہے، قوی اور جسم کے لحاظ سے نہایت معتدل بلکہ اکثر ذہلی تیلی، مگر سفر کی تکالیف برداشت کرنے میں وہ ہندوستان کی ہر عورت سے زیادہ صابر، جری اور محنتی، اسی لئے جب یہ سفر کے لئے کسی ریلوے اسٹیشن پر نظر آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا بلوچیوں کا تمام تافلہ مع خیموں اور جلانے کی لکڑیوں کے اسی کے اوپر لا دیا گیا ہے، چنانچہ اس کے سر پر ٹونا بستر، اُسی پر لکڑیوں کا گٹھا، کمر پر سامان کی موٹی سی بیٹی، ایک شانے پر بڑا سالک کا اور دوسرے پر چھوٹا سالک کا لٹکا ہوا، ہاتھ میں طوطے یا تیترا کا پتھر ورنہ ٹٹو سا تھ، پھر لطف یہ کہ اتنا ذخیرہ لیکر وہ اکثر بے ٹکٹ ریل پر سوار ہوتی ہے، اُس وقت ریلوں کے ہندوستانی پولیس والوں اور بڑے بڑے فیشن ایبل ٹکٹ کلکٹروں کی بدحواسی دیکھنے کے قابل ہوتی ہے، کوئی کہتا ہے اماں جانے بھی دو ان کم بختوں کو،

کوئی کہتا ہے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ یہ مردود کدھر سے آگئے،

کوئی کہتا ہے ا جی بند کر دو تھانے میں،

اس وقت یہ بجلی کی طرح زبان چلاتی ہے، ٹکٹ کلکٹر اور پولیس والوں کی پہلے خوب خوب خجشا کرتی ہے، پھر خدا کے واسطے دیتی ہے اور پھر وہ کھالیا جو ریلوے کے کسی ایک قانون میں بھی دج نہیں، اگرچہ بعض اوقات یہ بے ٹکٹ ہونے کے باعث تھانے تک جاتی ہے، مگر نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بغیر جرمانے کے پھر اُسی شہر میں کوئی پھرتی ہے، اور چند دن بعد اسی اسٹیشن سے بے ٹکٹ

سوار ہو جاتی ہے اور کہتے یوں میں کہ ریلوے کمپنیوں میں پولیس کا بھی انتظام ہے، جاہل محض صورت کی نہایت بھونڈی، لباس میں ایک پنڈلیوں سے اونچا لٹکا، موٹا سا کرتا، لمبائی لمبی آستینیں، سر پر بجائے ڈوپٹہ کے ایک چھوٹا سا ہاتھ کا رد مال، خاص بات یہ کہ دنیا کی تمام عورتوں سے کم زور پہننے والی، بعض حالات میں غیر منتم، باقی خیریت، یہ صرف ہندوستان کے خانہ بدوش طبقہ کا حال ہے لیکن اکثر کے حالات نہایت بہتر اور رو بہ ترقی ہیں۔



مشاطہ بیوی

یعنی وہ عورت جو دو لہا یا دلہن والوں کی طرف سے شادی کے معاملات کو طے کرائے اور ایک دوسرے کو پیغامات پہنچائے، یہ لڑکی کو تلاش کرتی ہے، اُس کے جملہ حالات سے واقفیت حاصل کر کے دو لہا والوں کو بتاتی ہے، اور دو لہا کا کام حالات معلوم کر کے دلہن والوں کو اطلاع دیتی ہے، اور اس خدمت کا معاملہ پائی ہے،

یہ بیوی کسی خاص خاندان اور قبیلے سے پیدا نہیں ہوتی، بلکہ اکثر اوقات یہ اغلاس، تنگ دہی، گیوکی مصیبت، اور کبھی کبھی بیری محبت، اور مزاج کی آوارگی سے بنتی ہے، الا بعض گھرانے ایسے ہیں جن میں کام آباؤی اور پیشے کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے، اس کے خاندان کا جس طرح کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا اُسی طرح اس کے شوہر کی کوئی خاص حیثیت نہیں ہوتی، بلکہ اکثر حالات میں ایسی بیوی کا شوہر قمار باز، افیونی، چور، اور نہیں تو کسی ذلیل برادری کا رکن ہوتا، چونکہ یہ خاندانی مشاطہ نہیں ہوتی بلکہ اپنے حالات کے لحاظ سے جب چاہتی ہے اور جس وقت چاہتی ہے مشاطگی کا پیشہ اختیار کر لیتی ہے، اس لئے اس کی عام حالت بھی کسی نوعیت کی نہیں ہوتی، مثلاً اکثر یہ جاہل محض ہوتی ہے، اور کہیں کہیں کسی قدر لکھی پڑھی بھی،

مشاطہ اُس عورت کو بھی کہتے ہیں جو دلہن کو سنا رتی ہے، مگر یہاں مشاطہ سے مراد وہی عورت

ہے جو شادی کے پیغامات کو ادھر سے ادھر لئے پھرتی ہے، اس کی ابتدائی زندگی کا پتہ نہیں چلتا، بلکہ یہ جب سے اس پیشہ کو اختیار کر لے اُسی وقت سے اس کے حالات سے بحث کی جاسکتی ہے، بہر حال اس کا تعلق عام زندگی اور ہر جماعت سے بہت طاقتور ہے، یہ سب سے پہلے نظر آتی ہے تو اس طرح کہ وہ جوانی سے گزر کر بوڑھی ہونے والے درجہ میں پہنچتی ہے مگر مزاج اور زبان کی حد سے سوا تیز، اور چالاک اور اسی لئے وہ زیادہ تعداد میں "خطرناک" ہوتی ہے، خواہ وہ کسی سن و سال کی ہو، مگر ہر حالت میں نہایت مکار، فریبی، جعل ساز، اور لالچی، حالانکہ اس کا پیشہ زبردست رازداری اور اعتماد کا پیشہ ہے، مگر لالچ اور حرص کی قوت اس درجہ غالب ہوتی ہے کہ وہ کبھی کسی کی رازدار نہیں ہوتی، یہ ضرورت کے وقت گھروں میں خود بٹائی جاتی ہے لیکن وہ حصول مقصد کے لئے اکثر گھروں میں بے وجہ بھی جاتی رہتی ہے، اس طرح گھروں میں بے وجہ جانے کے دو سبب ہوتے ہیں،

اول یہ کہ وہ پتہ چلائے کہ اس گھر میں کسی لڑکی یا لڑکے کی شادی کی ضرورت تو نہیں ہے، اگر ہے تو وہ اس خدمت کے لئے حاضر ہے اور اگر فی الحال نہیں ہے تو آئندہ کی امید پر وہ اس گھر کے لوگوں سے تعلقات کو بڑھانا چاہتی ہے، غرض ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے وہ کم علم مردوں اور کم علم عورتوں کو عجیب عجیب قسم کے فریب دیتی ہے، کبھی اپنی خاندانی حیثیت کو بلند سے بلند کر کے دکھاتی ہے، اور اس کے بعد اس خاندان کی فرضی تباہی کے فرضی واقعات سناتی ہے جس سے ثابت ہو کہ یہ عورت جس خاندان کی ہے وہ اب تباہ ہو چکا، اور اسی تباہی کی وجہ سے اس بے چاری نے اب پیٹ بھرنے کے لئے یہ پیشہ اختیار کیا ہے،

پھر پیشہ کے لحاظ سے وہ اپنی فرضی کامیابیاں سناتی ہے، مثلاً یہ کہ جی ہاں میں نے ہی ٹلاروزی صاحب کی شادی ڈپٹی کلکٹر صاحب کی لڑکی سے کرائی ہے، بیوی کیا کہوں کہ اس میں کتنی خشکوں کا سامنا کرنا پڑا مجھ کو، بات یہ تھی کہ وہ رموزی صاحب کہتے تھے کہ میں جتنا لکھا پڑھا ہوشیار اور نئے خیال کا ہوں اتنی ہی گھٹی پڑھی حسین خوبصورت اور نئے خیال کی بیوی بھی ہو، تو اب بن ایسی لڑکی بس ڈپٹی صاحب ہی کی تھی مگر ڈپٹی صاحب کے خیالات بھی بہت اونچے تھے وہ پہلے تھے کہ میں اپنی بیٹی کو دوں تو کسی مالدار کو تاکہ وہ عمر بھر سکھ اور آرام سے رہے میں نے جو عندیہ لیا تو لڑکی ملا صاحب سے خوش تھی مگر مشکل تھی تو بس اتنی کہ ڈپٹی صاحب راضی نہیں ہوتے تھے اور بہن آج کل تو ہر باپ اور ہر ماں کا خیال ہی بدل گیا ہے جو چاہتا ہے یہی چاہتا ہے کہ میری لڑکی کسی مالدار کو دی جائے اور اب تو نہ کوئی خاندان کو دیکھتا نہ علم کو پوچھتا، غرض قصہ کون کہے بہن میں نے بھی رات اور دن ایک کر دیئے آخر کار لڑکی کی ماں نے ڈپٹی صاحب کو راضی کر ہی لیا، ادھر میں نے بھی موقع سے ڈپٹی صاحب کو سمجھایا کہ آپ ہیں کہاں ذرا ہوشیاری سے کام کیجئے کیونکہ آپ کی لڑکی کی رغبت خود اُمسی طرف ہے، بس بہتر ہے کہ اب بسم اللہ کر دی جائے، خدا کا شکر ہے کہ کام ہو گیا، اور سچ پوچھو تو لڑکی کا فطریہ جاگ گیا کیونکہ ماشاء اللہ جیسی وہ علم والی ہے ویسے ہی ٹلاروزی صاحب یہ جو میرے ہاتھوں میں سونے کے کڑے دیکھ رہی ہو یہ اُمسی وقت تو ملا صاحب نے مجھے دیئے تھے، کیونکہ بہن میں نے بھی اُن کی مرضی کے موافق ہی لڑکی دلائی،

مشاطہ بیوی کے مکرو فریب کا یہ نمونہ کوئی مبالغہ نہیں بلکہ اس کے اخلاق و کردار اور اعمال کا یہ نمونہ نہایت صحیح اور نایابی ہے، چنانچہ مشہور سیرۃ نگار مصنف ”فسانہ آزاد“ نے اس عورت کا جو نقشہ ”فسانہ آزاد“ میں پیش کیا ہے وہ یہ ہے:-

”شاہزادہ قمر طلعت نے ایک روز چاہا کہ اپنے حرم کو جا کر دیکھیں تو اس کے لئے انھوں نے ”مشاطہ کو حکم دیا کہ وہ ایسی تدبیر کرے کہ کسی طرح ”حرم“ کو شاہزادہ جھوٹے سے دیکھ سکے، اس خیال پر مشاطہ نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ کئی باتیں سن کر عرض کی کہ خداوند نعمت تو بڑی کواصلاً غرض نہیں مگر اس طرح پر عرض کرنا ان کے خلاف گزر چکا، میں بات بنا کر کسی عمدہ پیرائے میں عرض کر دوں گی حضور یہ تو نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور کو صورت دکھائیں، دلہن کہیں ایسی بے شرم ہو سکتی ہے،

یہ کہہ کر مشاطہ روانہ ہوئی اور اپنی منہ بولی بہن سے جا کر صلح لی:

مشاطہ = آج سب سطلوت نے بٹوایا تھا، ہمیں تو کچھ بولے جھپٹے سے معلوم ہوتے

ہیں، وہ وہ بے تکلی باتیں کہ تو پھیلی، اور ہم ہاں میں ہاں ملانے کے سوا اور کہیں تو کیا کہیں؟ مجھے ایک ڈوٹا دیا، خاصا بھاری ڈوٹا، اور پانچ روپے ملے، اور کہا کہ تم بڑی بیگم کے گھر جاؤ، سپہ آرا سے ملو اور کہو حضور کی سواری ادھر سے نکلے گی جھڑکے سے ہم کو دیکھیں،

نواب جان = اے ہے، کہیں سڑن نہ بٹا ہر بھلا کوئی بات بھی ہے واہ

منہ کے آگے ناک سو مجھے کیا خاک، گدسی میں غفل ہے کیا،

مشاطہ = بہن میں چُپ چاپ سُنتی رہی کا ٹوٹو لمبو بدن میں نہیں،

نواب جان = ادنیٰ وارے مردوئے اور پھر شاہزادے کہاتے

ہیں اور عقل کی مار، اُن سے تو ایسے ویسے مردوے ہی پھلے،

مشاطہ = بہن ڈو پڑھضم نہ ہونے کا، جا کے شام کو آئیں بائیں

شائیں بتادیں گے، اُن کی سواری اُدھر سے نکلے گی بس کسی خدمت کا

سے کدو لگی وہ ادھنگلی اُٹھا دیگا، بس دکھیں یا نہ دکھیں ہم کو اس سے کیا

نواب جان = اے تم جا کے خوب بناؤ، دل کھول کے روپیہ لوتو

اُن کے سر پر تو جنون سوار ہے، کیا دور کی سوچی، سودانی پُن کی باتیں،

مشاطہ = اور جب تنک میں بیٹھی رہی تب تک برابر اپنی بڑائی کی لڑائی

اور پاکیت جٹائی، سُنتے سنتے عاجز ہو گئی، اُفتِ توبہ،

نواب جان = نہیں بہن یہ نہ کہو، بڑائی میں کچھ تنک بھی ہے اولاد

شاہ ہیں کہ نہیں کیا کچھ ایسے ویسے ہیں شہزادے ہیں کہ باتیں؟

اب شام کو کوئی پانچ بجے کے وقت مشاطہ نے شہزادے کے حضور مبارک

آداب عرض کیا اور کہا حضور کُل باتیں مٹی پوڑھی کر آئی ہوں، بس حضور

کے سوار ہونے کی دیر ہے، سب معاملہ لیس ہے، ملے

یہ ہے ایک مختصر سا نمونہ اس بیوی کے اخلاق و کردار کا جو ملک کے ایک مسلم الثبوت، ماہر نفسیات

ملہ ملاحظہ ہو "فسانہ آزاد"، جلد سوم صفحہ ۶۹۸ و ۶۹۹،

نے آج سے بہت پہلے پیش کیا تھا، الغرض یہ ایسی ہی حکایتیں اور چالاکوں سے جب کسی گھر سے پیغام لیکر جاتی ہے تو پہلے اسی گھر سے بسم اللہ کرتی ہے یعنی پیغام لیجاتے وقت وہ مختلف قسم کی دعائیں اور برکتیں چاہتی ہے، بہتر سے بہتر الفاظ اور کامیابی کے جملے ادا کر کے اپنا حق طلب کرتی ہے، ادھر کم علم اور جاہل عورتیں پیغام کی مسرت اور خوشی سے اس درجہ مست ہوتی ہیں کہ یہ جو مانگتی ہے وہ دیتی ہیں،

پھر جس گھر میں وہ پیغام لیجاتی ہے وہاں بھی اس کی حکایتیں اور عیاری کے عجب عجیب نمونے نظر آتے ہیں، وہ کہتی ہے کہ
 بہن۔ کیا لڑکا خدا نے آپ کو دیا ہے؟

ایسا فرماں بردار،

ایسا حسین، جوان،

ایسا لائق، قابل،

ایسا دین کا پکا،

ایسا مزاج کا غریب،

اور میری تو گود کا کھلایا ہوا ہے، میں تو اُس کی ایک ایک رگ سے واقف ہوں، کیا چال جو ماں باپ کے سامنے نظر اُٹھا کر تو بات کر لے،

بڑے بڑوں میں اُس کی بات ہے،

سارا شہر جانتا ہے اُسے کہ کیسا نیک اور صالح جوان ہے؟

بس خدا مبارک کرے،

آپ کہیں گے تو وہ آپ ہی کا غم بھر بو کر رہے گا،

آپ کہیں گے تو وہ اپنی پوسی تنخواہ بچی کے نام لکھ دیگا،

آپ کہیں گے تو وہ ملازمی تک کو لڑکی کے مہر میں لکھ دیگا،

آپ کہیں گے تو وہ علیحدہ مکان لیکر رہے گا،

اور ویسے بھی وہ آپ ہی کی اولاد ہو گا،

اگر لڑکے والوں میں لڑکی کی تعریف کر گئی تو کیسلی کہ

سہن - خدا مبارک کرے لڑکی کیا ہے، حور کی بچی ہے، اور چاند کا ٹکڑا، گھر کا اُجالا ہوگی،
لکھی، پڑھی، ادیکسی سلیقہ والی، کہ سُبحان اللہ ہزاروں میں ایک، کشیدہ وہ جانے، ہزار قسم کے
کھانے پکانا وہ جانے، دستگاری میں وہ طاق، چھوٹے بڑوں کے قاعدے وہ جانے، کام
میں ایسی تیز کہ سومہانوں کی میزبانی کرے، مگر نہ گھبرائے، ماں باپ کی خدمت گزار، نمازی
پر ہر نگار، اور پھر کیسی پیاری اور شرمیلی، کہ سُبحان اللہ،

اب اگر خدا تنخواستہ اس کے ذریعہ سے کام کا آغاز ہو جائے تو پھر خدا کی پناہ، جہاں ایک آدھ
رسم یا تقریب ہوئی اور اسے معاملے کا طے ہو جانے کا یقین آگیا، کہ بس اب وہ ہے اور پورے
خاندان پر اس کی حکومت، اب وہ جو چاہتی ہے کہتی ہے، اور جو چاہتی ہے لیتی ہے، اور
یہ اس لئے کہ جاہل اور کم علم لوگ اس کی عیاری اور کٹاری کو توڑنے کی صلاحیت نہیں رکھتے
ورنہ ایک اپنے ملازمی صاحب کی مشاطہ بھی تھیں جنہوں نے منگنی کے بعد ہی ملازمی

صاحب کی منطق اور قانونی جرم سے جو توبہ کی تھی تو پھر ولیمہ کے دن ہی بے غیرت بنگر خود ہی تشریف لائی تھیں، اُس پر بھی لٹا رتوزی صاحب کے خوف سے عورتوں ہی میں بیٹھ کر جو تشریف لے گئی ہیں تو اب کبھی کبار راستے میں مل جاتی ہیں تو آڑی ترچھی دعائیں دیکر جلد راستہ اختیار فرماتی ہیں،

مگر جاہل اور رسم پرست گھروں میں معاملہ شروع ہو جانے پر وہ جس درجہ نخوت، غرور، اکڑ، بہانے، حیلے، مکر سے کام لیتی ہے، شاید ہی کوئی دوسری عورت اس کا مقابلہ کر سکے یہاں تک کہ اب وہ بات بات پر ناراض ہو کر اپنے گھر چلی جاتی ہے، اور کم علم لڑکے یا لڑکی کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ اس کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں، مگر وہ بھتی ہے کہ بغیر روپیہ کے قابو ہی میں نہیں آتی،

اس کے تمام خجریے اور غرور کا سبب اصل میں شادی بیاہ والوں کی جہالت اور بُری اور غلط رسموں کی پابندی ہے، مثلاً بعض جاہلانہ رسمیں ایسی ہیں جن کا ادا کرنا اسی عورت کا فرض قرار دیدیا گیا ہے، حالانکہ نہ شریعت اور مذہب میں اس عورت کا کوئی ذکر ہے، نہ اس کی رسموں کا کوئی حکم، مگر جاہل عورتوں نے اس عورت کے حقوق کو اتنا زناؤں اونچا اور ضروری بنا دیا ہے کہ شادی کے وقت ان عورتوں کے شوہر تک اس کی خوشامد کرتے پھرتے ہیں،

دوسرا سبب اس کے خجریے کا یہ ہے کہ یہ چونکہ ہر گھر میں بیوی بچوں کی اجازت اور بغیر رضائی کے جس وقت چاہتی ہے چلی جاتی ہے، اس لئے ہماری آپ کی خالص جاہل عورتیں اس سے

ڈرتی ہیں کہ یہ کہیں کسی دوسرے گھر میں جا کر بھاری اور ہمارے خاندان کی بُرائی نہ کرے جس سے ہم اور ہمارا خاندان بدنام ہوگا، اور کچھ شک نہیں کہ یہ عورت ایسا ہی کرتی ہے البتہ اسے اس کے منشاء کے موافق روپیہ زیور، اور کپڑوں کے ساتھ ساتھ عمدہ کھانا دیتے جیسے تو پھر ہر گھر میں جا کر کہتی ہے کہ میں نے ملّا رموزی صاحب کے خاندان کے برابر شریف خاندان ہی نہیں دیکھا، بہن ایسے شریف لوگ ہیں کہ آپ سے کیا کہوں، یہ دیکھئے آج مجھے بے ضرورت ہی ملّا صاحب کی والدہ نے دس روپیہ کا نوٹ دیدیا، اگرچہ دوسرے گھروں میں جا کر یہ جو تعریف کرتی ہے وہ بھی اس لئے کہ اُس گھر کے لوگ بھی اسے انعامات دیں، یہی حال شادی کے موقع پر ہوتا ہے، وہ اُسی گھر میں خوشی سے کام کرتی ہے جس گھر سے اسے بہت کچھ ملا ہو،

شادی کے موقع پر یہ نہایت شاندار بنی رہتی ہے، بہترین لباس اور بہترین زیور پہنکارتی ہے اور اپنی ہر چیز کو کسی رئیس کا دیا ہوا انعام بتاتی ہے، تاکہ دوسری عورتیں متاثر ہوں، خود اس کی شادی کے حالات اس لئے صحیح نہیں بتائے جاسکتے، کہ وہ کبھی شادی سے پہلے ہی خاندانی مشاطہ ہوتی ہے، اور کہیں وہ اپنی شادی کے بعد اس پیشہ کو اختیار کرتی ہے، البتہ اس کے شوہر کے حالات ہر حالت میں یہ ہوتے ہیں کہ وہ عام طور پر جاہل ہوتا ہے، اسی لئے کسی بی، اسے، پاس مرد کی بی، اسے پاس عورت کو مشاطہ نہ پائیگا، شوہر اکثر حالات میں اسی کی کمائی پر گزارہ کرتا ہے، اور اسی لئے یہ ہمیشہ اپنے شوہر پر غالب اور حاوی رہتی ہے اور شوہر صاحب بھی اس کے مقابلہ میں ہمیشہ کہا کرتے ہیں کہ

بس بس تو اب چُپ ہو جا،

اری نیک بخت جو تیرا جی چاہے وہ کر میں کب منع کرتا ہوں کہ تو ملّا رتوزی صاحب کا کلام نہ کر
اچھا اچھا تو اب سُن لیا، اب نہ کہوں گا،

یہ خاصی دولت مند ہوتی ہے اور مزاج کی ہمیشہ لالچی، مگر بخیل،

شوہر کے حق میں مصیبت بھی اور آرام دہ بھی، مصیبت تو اس لئے کہ کبھی شوہر کے کئے پر عمل
نہیں کرتی اور آزاد رہتی ہے، اور راحت و آرام اس لئے کہ ہمیشہ خود کماتی ہے اور
شوہر کو کھلاتی ہے، اس کے ہاں اولاد بہت کم ہوتی ہے، اور اکثر کے ہاں تو کچھ بھی نہیں
اور بالکل ہی نہیں،

امور خانہ داری، اور گھر کی صفائی میں نہایت طاق، دین کے مسائل سے یکسر بے خبر، غلط
اور جاہلانہ رسوم کی اُستاد، اس کی قربت، اور صحبت سے کم عمر اور کم سمجھ بلکہ ہر قسم کی
عورت ذات کو بچانا چاہئے، فقط،



منشی بیوی

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُس شخص کی بیوی جسے اُردو میں ”منشی جی“ اور انگریزی میں کلرک، کہتے ہیں، بلکہ اس سے وہی بیوی صاحبہ دام اقبالہامزادہ ہیں جو یا تو خود از حد جاہل ہوں، بے حد جاہل ہوں، اور بہت ہی ”بالکل جاہل ہوں“، یا قطعاً بالکل ہوں، یا حد سے سوا بالکل ہوں، مگر شوہر صاحب لکھے پڑھوں میں دم مارتے ہوں، یا پھر شوہر صاحب تو نرے کندہ ناتراش ہوں، مطلق ہوں، از حد مطلق ہوں، بے حد مطلق ہوں، مگر بیوی صاحبہ ہل ہل کر ”نور نامہ“، ”شہادت نامہ“، اور ”سیلاب شریف“ کی کتابیں پڑھ لیتی ہوں مگر لکھنے کے معاملہ میں کوری دھری ہوں، اور جب کوئی دریافت کرے کہ کیوں بہن یہ کیا تو بڑے مخربے سے کہیں کہ ہمارے ہاں عورتوں کا لکھنا بُرا سمجھا جاتا ہے اور دل میں مارے شرم و ندامت کے پانی پانی ہو جائے لطیفہ یہ ہے کہ اس قسم کی ”نصف تعلیم یافتہ“ بیوی ہندوستانوں کے بلند گھرانوں میں بھی نظر آتی ہے،

قدیمتی سے اس کا شوہر بھی ملازمانی ذہنیت کا مارا ہوا ہوتا ہے، اور اس کے خیالات میں بلندی، وسعت، روشنی، جدت، ندرت، خوش ذوقی، اور انقلاب پسندی نہیں ہوتی، اس لئے معاشرت اور معاش کا معاملہ بھی درجہ سوم ہی رہتا ہے،

اس کی تربیت نہایت تاریک اصول کے ساتھ ہوتی ہے، اگرچہ خاندان لکھا پڑھا ہوتا ہے، والد صاحب کے فحشی صاحب ہونے سے تمام حملہ انھیں جھک کر سلام کرتا ہے مگر جہاں یہ پانچ برس سے اوپر کی طرف چلی اور اسے پڑھنے بٹھا یا گیا، اس موقع پر ”بقدر جہالت“، رویہ برپا کرنے والی رسمیں ادا کی جاتی ہیں اور نام یہ ہوتا ہے کہ مذہبی تعلیم کا آغاز ہو رہا ہے، کچھ شک نہیں کہ کسی مذہبی تعلیم کے آغاز پر اٹھارہ سرت کرنا ہر طرح قابل تعریف کام ہے مگر نہ اس طرح جس طرح کہ اس قوم اور اس طبقے میں دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس موقع پر اٹھارہ سرت کا مقصد اصل مقصد کی حیثیت سے نہیں بلکہ اپنی خاندانی اور مالی حیثیت کے موافق پورا کیا جاتا ہے، ورنہ آپ ہی بتائیے کہ ایسی تعلیم کے موقع پر یہ تمام دنیا کے ننھے میاں کے والد تو خیر بلائے ہی جاتے ہیں مگر یہ دس بارہ محلے کے ننھے میاں کی فوداؤں، کا بلانا فضولی نہیں تو اور کیا ہے، پھر لطف یہ کہ پلاؤ، زرد کے ساتھ ساتھ کبھی ملازموزی صاحب کی نظر بچا کر ”گنا بھی ہوتا ہے“،

اب جو تعلیم کا آغاز ہو گیا تو بس اس طرح کہ والدہ کو فرصت ملی تو انھوں نے دو حرف بتا دیئے اور والد صاحب بیٹھے تو دو چار سطریں انھوں نے پڑھا دیں، پلٹے اولاد کی تعلیم شروع ہو گئی، اب یہ ہے کہ کتاب کے نام سے رونا شروع کر دیتی ہے، کبھی والدہ مارے محبت کے ٹھپٹی دیتی ہیں اور کبھی والد صاحب کتاب طاق پر رکھ کر اسے پیار کرنے اور پیسے دینے میں مصروف ہو جاتے ہیں، اور جو بڑی مستعدی سے یہ پڑھنے ہی بیٹھی تو اس طرح کہ کتاب کمیں، اور خود کمیں، اسی طرح پڑھانے والی والدہ صاحبہ

چولھے کے پاس اور یہ دالان میں، اب یہ دالان میں بیٹھی پڑھ رہی ہے اس طرح کہ
 دماغ اور دھیان صحن اور کھیل کی طرف اور آنکھیں اور اُنھکی کتاب پر، اور پڑھانے
 والی والدہ صاحبہ ہیں کہ چولھے کے پاس سے فرار ہی ہیں،

ارسی اندھی پیش نہیں زبر ہے زبر،

پھر کہ ذرا چلا کر،

تو آواز تو حلق سے نکال،

ٹھہر جا ذرا آنے دے تیرے باوا کو،

خدا تجھے غارت کرے بے ایمان دس مرتبہ تباہ کی ہوں مگر جب پڑستی ہے غلط،

ہاں دیکھوں تو ابکی تو غلط پڑھ،

دیکھ ایسی ٹھکنی پھینک کر ماروں گی کہ بد ذات کا منہ ٹوٹ جائے گا،

ارسی او بے غیرت اُنھکی تو رکھ،

ہے ہے خدا تیرا کالا منہ کرے خدا کے کلام کو بھی اس بے ادبی سے رکھے بیٹھی ہے،

ارسی اندھی تو کتاب پر کیوں اوندمی پڑی ہوئی ہے،

دیکھ بھر زبر پڑھا تو نے اور میں بتا رہی ہوں کہ اُسے دس مرتبہ چلا چلا کر پڑھ،

بس اب آگئی موت، اب آواز توڑا ہی ٹھکنی تیرے منہ سے،

اچھا ہاں سن رہی ہوں، پھر کہ اُسی کو،

دیکھ دیکھ، پھر آئی شامت تیری، ذرا ابکی تو کہہ،

کیا کموں میری روٹی جل جائیگی ورنہ ابھی آکر بتانی تھ کہ،
اچھالا تو میرے پاس،

ہاں اب اندھی یہ تیرا بادا زہر ہے یا پیش ؟

اس موقع پر صاحبزادی کے کان توڑے جاتے ہیں، ٹلپنچھارے جاتے ہیں اور جو بہت
زیادہ قابو سے باہر ہوئیں تو ایک آدھ لکڑی بھی ماردی مگر اس زور سے کہ لکڑی کو
خود شرم آجائے مگر صاحبزادی کے چوٹ نہ آئے، ادھر صاحبزادی کے جہاں ٹانچہ
رسید ہوا کہ انھوں نے کتاب ہی کو بستر بنا کر اُس پر لوٹنا اور ہاتھ پاؤں مارنا جو شروع کیا تو
اب نہ وہ اپنی والدہ کے کسے سے چُپ ہوں نہ ملا رتوڑی صاحب کی بیوی کے سمجھانے سے
آخر کار اس قسم کی تعلیم کا خلاصہ والدہ نے یوں کر کے رکھ دیا کہ دو چار مرتبہ کہا کہ
اچھا تو اب چُپ نہ ہوگی تو،

تو پھر اٹھوں، اور بتاؤں تجھے رونا،

اُتوہ رہی مٹکار، ابھی تو میں نے تجھے ایک ہی ٹانچہ مارا ہے،

اچھا تو نہ پڑھیں گی تو،

اچھا تو آج تو خوب جی بھر کر روہی لے،

دیکھوں تو کب تک روتی ہے تو،

مجھے بھی اماں نہیں لونڈی کہنا اگر آج مارا کر دم نہ لیلیں تیرا،

سمجھ رہی ہوں، سمجھ رہی ہوں،

دیکھ اگر خدا کی قسم کتاب پھاڑی ہے تو نے تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا،
 میں تو جب تک خوب پچا نہ سُن لوں گی، تجھے ایک منٹ کو نہ چھوڑوں گی،
 آنے تو دے ذرا آج اُن کو،
 بہت سرائٹھایا ہے تو نے،
 اب اس گھر میں خدا نخواستہ موجود ہوئیں دادی صاحبہ تو مار پڑتے ہی یوں قابو سے ہار کر
 چل رہے دے آئی کہیں کی مارنے والی،
 پڑھایا بھی تھا کبھی اولاد کو،
 لا ادر لا میرے پاس کتاب،
 بس خبردار جو اب کچھ کہا ہے سچی سے،
 ہمیں نہیں چاہئے ایسی تعلیم،
 بھلا دیکھنا یوں بھی کہیں مارتے ہیں بچوں کو،
 اور جو خدا نخواستہ ذرا اوپر کو لگ جاتی تو بچہ کی آنکھ پھوٹ جاتی،
 بس رہنے دو دِل سن ہم نے بھی بچے پڑھائے ہیں،
 ہاں تو تمہارے ہاں ایسا ہی پڑھایا جاتا ہوگا،
 بس تو کہہ دینا کہ ہماری سچی بے علم ہی اچھی، ایسے پڑھائیے،
 تو بہ بیوی، کیا بُرا مارا ہے اونہ دیکھنا اب تک اُس کا گال سُرخ ہو رہا ہے،
 اتنے میں کہیں والد صاحب گھر میں آگئے تو بیٹی نے دیکھتے ہی پھر ٹھسکنا شروع کیا اور دادی

صاحبہ نے یوں سنبھال لیا کہ،

دیکھو میاں اولاد تو تمہاری ہے تم چاہے اُسے ذبح کر ڈالو مگر میں اس قسم کا قصائی
ہیں نہیں دیکھ سکتی،

اُتو یہ آج دُہسن نے اُسے پڑھایا ہے کہ اچھا خاصا اُس سے بدلہ لیا ہے، اونٹ
دیکھو تو ذرا اس کی آنکھ، وہ پڑی ہے چھلکنی جس سے بیوی صاحبہ نے اس معصوم کو مارا
ہے، بھلا سوچو تو بیٹے اگر ذرا اوپر کو پڑ جاتی تو آنکھ باہر نکل آتی کہ نہیں،

اور ہم تو شروع سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارے خاندان میں بیٹیوں کو اتنا نہیں پڑھاتے
بس پڑھ لیا اُس نے جو کچھ اُس کی قسمت میں تھا،

ہاں جب تک وہ اللہ رسول کی باتوں سے نادانقت تھی ہم خود اُس کے پڑھنے میں سختی کرتے تھے
اور جو میاں تمہیں اُسے ایسا ہی ”مُغلا“ بنا نا ہے تو خدا کے واسطے تم اُسے اپنے ہی ساتھ
کچھری لیجا یا کرو ورنہ یہ تمہاری بیوی دیکھ لینا کسی دن اُس کا گھلا گھونٹ کر رکھ دیگی
اسے بیوی تو بہ میری کیا بُری طرح پڑھاتی ہیں کہ دیکھنے والے کا دل ہل جائے،

بھلا ابھی بچہ کی عمر دیکھو اور اُس کے ساتھ بیوی بکایوں کشی لڑنا دیکھو، خیر میاں تمہاری اولاد
پر ہمارا کیا زور، مگر ہاں اتنا ضرور کہیں گے کہ ہم سے تو ایسا پڑھنا پڑھانا نہیں دیکھا جاتا،
اچھا تو یہ کرونا کہ وہ سامنے ”مُغلا“ رہتی ہیں دن کو اُن کے گھر بیچ دیا کرو اور رات کو تم پڑھا
دیا کرو،

اب جو والد صاحب نے اپنی ذاتی والدہ کا یہ وعظ سنا تو اُٹھتے ہی بیوی کو یوں بھنبوڑ ڈالا کہ

کیوں جی یہ کیا فرما رہی ہیں اماں بی،

تو یوں پڑھایا جاتے ہیں بچوں کو،

اچھائی تو چھوڑنا ہوتا تم نے اُس کو میں آکر پڑھا دیتا،

اچھا تو جب اماں بی روک رہی تھیں تم کو تب تو تمہیں خیال کرنا چاہئے تھا،

اچھا تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ اگر خدا نخواستہ اُس کی آنکھ پھوٹ جاتی؟

بالکل غلط، میں کبھی نہیں مانوں گا، اس بات کو،

کیسے ہو سکتا ہے،

اچھا اچھا میں نے کہہ دیا کہ اب لڑکی کی طرف پڑھانے کا خیال بھی نہ کرنا تم، بس میں کل سے مغلانی بی کے سپرد کئے دیتا ہوں،

اب جو مغلانی بی، کے گھر تشریف لے گئیں تو صاحبزادی کے عوض صاحبزادہ بن گئیں، وہ پڑھنا دڑھنا تو رہا مغلانی بی کے پاس، اب صاحبزادی ہیں اور

مغلانی بی کے گھر بھر کا کام، اب مغلانی بی ہیں کہ محلے کی دس بارہ لونڈیوں کو گھیرے بیٹھی ہیں اور پڑھانے کا وہ زور شور کہ جو اس کے گھر کے پاس سے گزرے وہ سُن لے کہ ہاں مغلانی بڑی محنت سے پڑھا رہی ہیں، مگر گھر کے اندر یہ حال کہ

دس لڑکیاں تو چیخ چیخ کر یوں پڑھ رہی ہیں کہ ایک کا پڑھا دوسری یاد کر لے اور تیسری کا چوتھی نہ اس کا پڑھا ہوا یاد نہ اُس کا،

اور پانچ لڑکیاں ہیں کہ مغلانی بی کے گھر کے کاروبار میں مصروف ہیں، کوئی ہے کہ

برتن صاف کر رہی ہے اور کوئی بھاڑو کے فرض کو ادا کرے میں مصروف ہے، کوئی چولہے کے پاس سے چلا رہی ہے کہ مغلانی بیہ دیکھئے یہ پانی خوب جوش کھانے لگا اب ڈال دوں اس میں آلو،

اور نک تو بتائیے کہاں رکھا ہے؟

یہ دیکھئے یہ نصیبیں ہیں آپ کے پاس سے بیٹی زبان دکھا رہی ہے، اب جوان فریض اور خدمات سے نجات ملی تو یا تو ٹھٹھی کا وقت آگیا یا مغلانی بیہ نے سبق یوں پڑھا کر رکھ دیا کہ اُس کے سبق کو اُسی کے ساتھ چلا چلا کر پڑھنا شروع کر دیا جسے آدھا لڑکی نے سمجھا اور آدھا خود مغلانی کو یاد رہا کہ ٹھٹھی مل گئی، بڑی مہربانی فرمائی تو کہہ دیا، دیکھو کل بہت صبح آنا،

یہ آج کا سبق کچا ہے تیرا، کل اگر یاد کر کے نہ لائی تو تو جان،

غرض اس تمام تعلیم کا خلاصہ اتنا نکلا کہ ”نورنامہ“ حفظ یاد ہو گیا، عبادت کے چند قاعدے رٹ لئے، آڑی ترچی سلائی، سیکھ لی، مونگ کی دال سے لیکر چوہے سے سواتر کی تو دھواں ملا جو پلاڈ پکانا سیکھ گئیں، اور اولاد کی تربیت، پرورش، حفظ صحت، اور امور خانہ داری اور شوہری فریض کا پڑھانا تو شادی سے پہلے اس طبقے کے ہر مائتوزی کے نزدیک شرمناک اور معیوب بات ہے، اسی لئے یہاں تک پھونچی تھیں کہ شادی کا معاملہ چھڑ گیا اب اگر یہ معاملہ دس برس میں بھی طے ہو تو لڑکی تعلیم کے نام سے ایک کتاب کو بھی ہاتھ نہیں لگا سکتی،

شادی جو شروع ہوئی تو الامان والٹھنڈ، یعنی جہاں اسے اطلاع ملی کہ اُس کی شادی کا ابھی پیغام آنا تو درگھر ہی میں اُس کے ماں باپ تذکرہ کر رہے تھے، کہ اب وہ دین سے بھی گئی اور دنیا سے بھی، یعنی اب وہ اپنے اوپر اس درجہ زبردست شرم و حجاب سوا کر لیگی کہ جہاں گھر میں کسی نے کسی کے کان کے قریب مُنہ لگا کر بات کی کہ یہ بھاگی اور گھر کے کسی تارک حجب میں جا کر یوں بند ہو گئی کہ جب تک اُسے یہ یقین نہ آجائے کہ ہاں یہ لوگ اُس کی شادی کا تذکرہ نہیں کر رہے، اُس وقت تک وہ کبھی باہر نہ آئیگی، اور جو خدا خواستہ اس کے گھر میں پیغام لانے والی کوئی عورت آجائے تو اب اگر یہ عورت دن بھر بیٹھی رہے تو یہ بھی مارے حجاب کے دن بھر کسی تارک حجب کو ٹھہری یا تارک حجب کے میں جا کر بند ہو جائیگی، پھر لطف یہ کہ اُس کے اس حاققت اور حجالت کے حجاب کو اُس کی والدہ صفا بہن صاحبہ، دادی صاحبہ، نانی صاحبہ، چچی صاحبہ، بھوپتی صاحبہ، غرض دنیا کی ہر صاحبہ اُس کی قابلِ تعریف لیاقت سمجھیں گی، چاہے اس حرکت سے وہ پسینے میں نہا جائے، یا زور کی کھانسی کو روکتے روکتے اُس کے مٹھکی کی تمام رگیں پھول کر ٹوٹ بھی جائیں مگر وہ کبھی باہر نہ آئیگی، اور پیغام والی عورت کے سامنے آنا تو انگریزوں کے سامنے آنے کے برابر ہے، اب پیغامات اور معاملات کا سلسلہ جو شروع ہوا تو اُسے آخر وقت تک بھی یہ نہ بتایا جاتا کہ تیرا شوہر اس نام کا ہے، اس عمر کا، اس تنخواہ کا، اس صورت کا، اس خاندان کا، اس شہر کا، اس مزاج کا، اس آدمی کا، اس لیاقت کا، اور اس چلن کا، اسی طرح اس کے شوہر سے بھی نہ کہا جائیگا کہ ”اللہ کے اودو لھا بندے“، سن کہ تیری آنیوالی

بیوی اس خاندان کی ہے، اس قابلیت کی، اس عمر کی، اس مزاج کی، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں پسند ہے، اس لئے اُٹھ اور دو لہا بنکر تو بھی پسند کرورنہ جدھر تیرے سینک سائیں جا اور اپنی شادی آپ کر لا، پھر نہ تجھے ہم سے کوئی علاقہ اور نہ ہیں تجھ نالائق بیٹے سے،

اس موقع پر اس بیوی کا حجاب ”قدرتی کہا جاتا ہے“ اور کچھ شک نہیں کہ ایک حد تک ایسا ہی ہے مگر نہ اتنا کہ کہا جاتا ہے، ایسی لئے بعض ”بجلی کی بنی ہوئی لڑکی“، اسی زمانے میں اپنے گھر کے کسں بچوں یا اپنی بے تکلف سہیلیوں کے ذریعہ اپنے ہونے والے شوہر کے حالات کو اُڑتے اُڑتے دریافت کرتی رہتی ہے، یہی حال اس موقع پر امور خانہ داری اور شوہری فرائض کے سمجھانے کا ہوتا ہے، کہ یا تو اس کی کم تجربہ اور بے علم سہیلیاں اسے کچھ بتا دیں یا رشتہ کی کوئی غیر ذمہ دار اور محلہ کی عورت جو چاہے بھادے، یہ نہیں کہ شوہر کے ذوق، اُس کے صحیح مزاج اور جملہ امور سے کوئی اسے خبردار کر دے،

اس کی بارات سے خدا بچائے کیونکہ بیو نے والے شوہر بھی لکھے پڑھے ہوتے ہیں، اس لئے کیا مجال جو شادی کی کوئی ایک جاہلانہ رسم تو ادا ہونے سے باقی رہ جائے وہ تو ہیں نہیں چلتا ورنہ وہ اپنی بارات میں ”ملا رموزی صاحب“ کی گانے ناچنے کا انتظام کر گزرتی غرض ہزار قسم کی بجلی کی روشنی، باجوں، گھوڑوں، ہاتھیوں، رنڈیوں، باغ بہاریوں، آتش بازیوں، جوڑوں، خوانوں، مٹھائیوں، زیوروں، ہاروں، بھولوں، حطروں، اور چلی گدھ کے ہوئے تو سیگریٹوں اور سنگاروں کے ساتھ جتنے ملے اتنے آدمیوں کے ساتھ

جو گھر سے روانہ ہوئے تو صرف اتنا کہنے میں آیا کہ وہ چلی ملّا رموزی کی بارات، رات بھر دُھن کے گھرباجوں، زُنڈیوں، قوالیوں، اور بے شمار جاہلانہ رسوم کا ہنگامہ رہا، صبح جو ہوئی تو سسر صاحب نے بھی خزانے کے دس بارہ مَنہ کھول دیئے، اب آنے دیجے محلے والوں اور بارات والوں کے سامنے، پلاؤ، زردہ، قورمہ، خرغفر، شیرمال، فیرنی، کتاب، بریان، بورانی، یا پھر میٹھے چاول، گوشت مانڈے، در نہ بیٹی دی تو سب کچھ دیدیا، رخصتی کے وقت جہیز میں برتنوں پر برتن، کپڑوں پر کپڑے، صندوقوں پر صندوق، ہیں کہ دیئے جا رہے ہیں، وہ تو قاعدہ ہی نہیں ورنہ یہ دُھن کے نانا والوگ، تو ملّا رموزیوں پر ملّا رموزی بھی جہیز میں دیتے چلے جائیں، اور نہ گھبراؤں، پھر لطف یہ کہ اتنا دینے پر بھی سسر صاحب باراتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہیں کہ میں کسی لائق نہیں ہوں، جو کچھ مجھے غریب سے ہو سکا وہ پیش کر دیا، اس پر باراتی لوگ بھی ٹھنڈی ماس لیکر کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ صاحب خوب دیا آپ نے اور پھر جب بیٹی دی تو اور کیا چاہئے؟

اب جو یہ ”نور نے“ اور ”شہادت نامہ“ تک کی تعلیم پائی ہوئی بیوی صاحبہ دولہا میاں کے گھرائیں تو ان پر دولہا میاں بھی صدقے، اور دولہا میاں کے والد صاحب بھی شہار، اور سب سے زیادہ شہرہ یہ کہ ماشاء اللہ ”لڑکی پڑھی لکھی ہے“

اب کوئی ایک مہینے تک یہ بیوی نہ گھر کے کام سے ہاتھ لگا ئیگی، نہ کسی سے زور سے بات کرے گی، بس اب یہ ہوگی اور فرضی شرم و حجاب، جب دیکھے کسی کو نے میں ”ریشم کی گھری“ بنی ہوئی بیٹی ہے، اب اسے جس کام کی ضرورت ہوگی اُس کے لئے اس کی ساجی اور

اس کی نذا اس کی امداد کریگی، یہ ایک مہینے سے بھی زیادہ اپنے منہ پر اتنا لمبا گھونگھٹ کئے رہیگی یا لٹکائے رہیگی، یا ڈالے رہیگی، کہ اسے نہ پوری زمین نظر آئیگی، نہ آسمان، بس ایک جگہ بیٹھی رہیگی تو وہ بھی اس طرح کہ گھونگھٹ کے اندر سے شوہر کو دیکھتی جائیگی اور ملا رموزی صاحب کی بیوی کو بھی، اگر بات کریگی تو اس قدر بیمار لہجے کے ساتھ گویا کچھ دن سے وہ بات کرنا بھول گئی تھی، اب پھر سے بات کرنا شروع کر رہی ہے، یہ اکثر دو لہا کے گھر کے بچوں کے ذریعہ گفتگو بھی کرتی ہے اور اُنھی سے کام بھی لیتی ہے، سسر اور ساس کے سامنے یوں رہتی ہے جیسے ہم اور آپ انگریزوں اور دیسی افسروں کے سامنے،

اب جہاں یہ دو لہا کے گھر آتی ہے پھر اس کے دیکھنے کے لئے اس محلے کی، اس دو لہا کے رشتے کی، اس کے دوستوں کی، غرض دنیا کی عورتیں جن سے تعارف کی رسم اس بیوی کی ساس صاحبہ یوں ادا کرتی ہیں کہ آئینوالی عورت کو دُلمن کی طرف سے خود سلام کرتی ہیں یہ کہہ کر،

بہن دُلمن آپ کو سلام کرتی ہے اور جو لکھنؤ کی طرف کی ہوئیں تو یوں کہہ دیا کہ
دُلمن آپ کو آداب عرض کرتی ہے،

یہ کہا اور پھر اس عورت سے یوں سلسلہ کلام جاری فرما دیا کہ ہاں بہن تمہیں بھی بہو مبارک ہو
جے شک خدا کا احسان، اور آپ بہنوں کی دعا مجھ بد نصیب نے آج بیٹے کی
بہو کو دیکھا،

کیا کہوں بہن میں نے اس شادی میں کیا کچھ کیا،

جو گھر سے روانہ ہوئے تو صرف اتنا کہنے میں آیا کہ وہ چلی ملا رموزی کی بارات، رات بھر دُلسن کے گھرباجوں، زندیوں، قوالیوں، اور بے شمار جاہلانہ رسوم کا ہنگامہ رہا، صبح جو ہوئی تو سسر صاحب نے بھی خزانے کے دس بارہ منہ کھول دیئے، اب آنے دیجے محلے والوں اور بارات والوں کے سامنے، پلاؤ، زردہ، قورمہ، مرغفر، شیرمال، فیرنی، کباب، بریان، بورانی، یا پھر میٹھے چاول، گوشت مانڈے، ورنہ بیٹی دی تو سب کچھ دیدیا، رخصتی کے وقت جہیز میں برتنوں پر برتن، کپڑوں پر کپڑے، صندوقوں پر صندوق، ہیں کہ دیئے جا رہے ہیں، وہ تو قاعدہ ہی نہیں ورنہ یہ دُلسن کے بابا والوگ، تو ملا رموزیوں پر ملا رموزی بھی جہیز میں دیتے چلے جائیں، اور نہ گھبراؤں، پھر لطف یہ کہ اتنا دینے پر بھی سسر صاحب باراتیوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر روتے ہیں کہ میں کسی لائق نہیں ہوں، جو کچھ مجھ غریب سے ہو سکا وہ پیش کر دیا، اس پر باراتی لوگ بھی ٹھنڈی ماس لیکر کہتے ہیں کہ ماشاء اللہ صاحب خوب دیا آپ نے اور پھر جب بیٹی دی تو اور کیا چاہئے؟

اب جو یہ ”نورلے“ اور ”شہادت نامہ“ تک کی تعلیم پائی ہوئی بیوی صاحبہ دولہا میاں کے گھرائیں تو ان پر دولہا میاں بھی صدقے، اور دولہا میاں کے والد صاحب بھی نثار، اور سب سے زیادہ شہرہ یہ کہ ماشاء اللہ ”لڑکی پڑھی لکھی ہے“

اب کوئی ایک مہینے تک یہ بیوی نہ گھر کے کام سے ہاتھ لگا ئیگی، نہ کسی سے زور سے بات کرے گی، بس اب یہ ہوگی اور فرضی خرم و حجاب، جب دیکھے کسی کو نے میں ”ریشم کی گھڑی“ بنی ہوئی بیٹی ہے، اب اسے جس کام کی ضرورت ہوگی اُس کے لئے اس کی سامی اور

اس کی نذا اس کی امداد کریگی، یہ ایک مہینے سے بھی زیادہ اپنے منہ پر اتنا لٹکا گھونگھٹ کئے رہیگی یا لٹکائے رہیگی، یا ڈالے رہیگی، کہ اسے نہ پوری زمین نظر آئیگی، نہ آسمان، بس ایک جگہ بیٹھی رہیگی تو وہ بھی اس طرح کہ گھونگھٹ کے اندر سے شوہر کو دیکھتی جائیگی اوٹا رموزی صاحب کی بیوی کو بھی، اگر بات کریگی تو اس قدر بہار لہجے کے ساتھ گویا کچھ دن سے وہ بات کرنا بھول گئی تھی، اب پھر سے بات کرنا شروع کر رہی ہے، یہ اکثر دو لہاکے گھر کے بچوں کے ذریعہ گفتگو بھی کرتی ہے اور انہی سے کام بھی لیتی ہے، سسر اور ساس کے سامنے یوں رہتی ہے جیسے ہم اور آپ انگریزوں اور دیسی افسروں کے سامنے،

اب جہاں یہ دو لہاکے گھر آئی کہ پھر اس کے دیکھنے کے لئے اس محلے کی، اس دو لہاکے رشتے کی، اس کے دوستوں کی، غرض دنیا کی عورتیں جن سے تعارف کی رسم اس بیوی کی ساس صاحبہ یوں ادا کرتی ہیں کہ آئینوالی عورت کو دُلہن کی طرف سے خود سلام کرتی ہیں یہ کہہ کر،

بہن دُلہن آپ کو سلام کرتی ہے اور جو لکھنؤ کی طرف کی ہوئیں تو یوں کہہ دیا کہ دُلہن آپ کو آداب عرض کرتی ہے،

یہ کہا اور پھر اس عورت سے یوں سلسلہ کلام جاری فرما دیا کہ ماں بہن تمہیں بھی بہو مبارک ہو بے شک خدا کا احسان، اور آپ بہنوں کی دعا مجھ بد نصیب نے آج بیٹے کی بہو کو دیکھا،

کیا کہوں بہن میں نے اس شادی میں کیا کچھ کیا،

بس کیا کہوں آپ سے مگر ہاں خدا دیکھنے والا ہے کہ میرا پورا بس کم چار سو توبہ
 خفیج ہو گیا،

خیر خدا بچے کے گھر کو آباد رکھے اور اُسے ہر بلا سے بچائے، زندہ ہو تو انشاء اللہ
 کمالے گا پھر،

بہن خدا کا بڑا فضل یہ ہوا کہ میری زندگی میں اُس کا گھر آباد ہو گیا، ورنہ آپ کو تو
 معلوم ہے کہ اُس سال میں کیسی سخت بیمار ہوئی تھی، اور کیا آپ کہہ سکتی تھیں کہ
 میں پھر سے زندگی پاؤں گی،؟ خدا کی قسم وہ دہلی والے حکیم صاحب تک جواب
 دے چلے تھے مگر اُس کی خدائی کے صدقے کہ اُس نے مجھے اس دن کے لئے بچالیا
 اور ابھی تو میرا ارادہ نہیں تھا مگر وہ تو کہو کہ خدا کا حکم ہو چکا تھا،

دل میں ضرور تھی میرے کہ خدا جلد ملازموزی کا گھر آباد کرے مگر کہیں کوئی خیال نہیں تھا
 خیر جس گھرانے سے لائی ہوں اللہ کا شکر ہے اُسے شہر جانتا ہے کیسے شریف لوگ کہ
 سبحان اللہ میں کہتی ہوں نا آپ سے کہ اُن لوگوں نے میرے ساتھ کوئی شرط نہیں
 کی، اور میرے جاتے ہی کہدیا کہ ”بوا“، لڑکی بھی آپ کی ہے اور ہم بھی آپ کے
 اگر شربت کا آدھا گلاس بھی لیکر آؤ گی تو ہم اپنی بچی کو آپ کے حوالے کر دیں گے
 بس اُن کی اس شرافت پر میں نے ملازموزی سے کہدیا کہ ٹیا اگر میری رضامندی
 چاہتے ہو تو اب چھوڑ دو دہ رُسیوں کی اولاد سے شادی کا خیال اور اسی جگہ کو
 قبول کر لو،

خدا اُس کی ہزار سال کی عمر کرے کہ اُس نے میرے اس کے پرچوں بھی نہ کی اور اُنٹا
 یہ کہا کہ اماں جان اگر آپ فرمائیں تو میں بھنگی کی مٹی تک سے راضی ہوں،
 اب بہن اتنی اور آرزو ہے کہ خدا ملازم توڑی کی اولاد اور دکھا دے،
 اب جو یہ بیوی دو چار مہینے کے بعد حجابی زندگی سے باہر آئیں تو پھر خدا کی پناہ، کیونکہ
 آخر کار وہ بھی ”موزنامہ“ پڑھ کر آئی ہیں، اس لئے اب صبح بھی ساس سے لڑائی
 اور شام بھی، کبھی نند سے اُلجھی ہوئی ہیں تو کبھی پھوپھی ساس سے، اور ہوتے ہوتے
 وہ لیجے وہ آج شوہر سے بھی چھڑ گئی، اور جوان حالات سے گزر کر صاحب اولاد ہو گئیں
 تو اب نہ وہ کو تو ال صاحب کے اختیار کی نہ قاضی صاحب کے بس کی،

بیچے کی پیدائش سے پھر کوئی سوا تین مہینے تک وہ نزاکت وہ نزاکت کہ محلہ بھر پریشان
 ادھر پچہ پیدا ہوتے ہی آنے دیجے دُلہن کے ماں باپ کو، دُلہن کے چچا چچی کو، دُلہن
 کے نانا نانی، دُلہن کے خالو، خالہ، اور دُلہن کے ماموں مامانی کو، اور ہونے دیجے
 اب عقیقوں پر عقیقے، اور بسم اللہ پ بسم اللہ، خدا جانے کتنی رسیں ہو گئی کہ ادا ہوتی ہی پٹی
 جائیں گی اور شوہر بے چارہ ہو گا کہ آج ڈپٹی صاحب سے دس روپیہ قرض لا رہا ہے تو کل
 تھانیدار صاحب سے، مگر دولہا دُلہن کے ماں باپ ہوں گے کہ رسوم اور جاہلانہ تعاریف
 کا تار نہ توڑیں گے،

اور ۹۹ فی صدی تو ایسے طبقات کے تازہ شوہر اپنی پہلی ہی اولاد پر کچھ اس درجہ بھی
 بے اختیار ہو جاتے ہیں کہ وہ ان کے نرم و گرم دیکھے ہوئے ماں باپ بھی ایک طرف اور ان

کے سرد و تریکھے جوئے ساس سسر بھی ایک طرف، جب دیکھئے دوستوں کے بغیر اُن کے دریافت کئے ہوئے خود ہی کہہ رہے ہیں کہ کیا کہوں بھائی صاحب سے بچہ پیدا ہوا ہے میری طبیعت ہی بدل گئی ہے،

واللہ اب دفتر میں میرا دل ہی نہیں لگتا،

سچ کہتے ہیں کہ اولاد بُری ہلا ہے،

اب تو بھئی اُس کے عقیقے کی فکر ہے،

کیونکہ میں ہرگز اس معاملہ میں تاخیر کو مناسب نہیں سمجھتا،

خیر خدا مالک ہے، ڈھائی سو آدمیوں کے کھانے کا بندوبست تو کر لیا ہے،

ہاں ہاں بھی کھلاؤں گا مٹھائی آپ کو بھی،

مگر ذرا دعا کیجئے کہ وہ میری قرض کی جو درخواست کل ڈپٹی صاحب نے آگے بڑھائی ہے وہ منظور ہو جائے، کیونکہ وہ جتنا لالہ مہاجن نے تو عین وقت پر روپیہ دینے سے انکار

کر دیا ہے، اور ویسے ہی میں قرض تو لے ہی نہیں سکتا،

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس مرتبہ بھی اُس لالہ کافرن نے میرا اضافہ روک دیا تو اب جب تنخواہ چالیس سے پچاس نہیں ہوتی تو بتائیے کہ میں یہ نیا قرضہ کہاں سے ادا کر دوں گا، مگر بھئی

آخر کار پہلا بچہ ہے، اگر کچھ نہیں کرتے ہیں تو کل آپ ہی کہیں گے اور نام رکھیں گے،

ایمان سے آپ سے کہتا ہوں کہ ابھی شادی کے زمانے ہی کا قرض ادا نہیں ہوا ہے وہ تو کہئے کہ وہ تار موزی حد سے سوا شریف آدمی ہے کہ بے چارے کے سو روپیہ آج تک ادا

نہیں کر سکا مگر خدا کی قسم جب ملتا ہے مُنہ سے اُن نہیں کہتا اور اگر خود میں کبھی کہہ دیتا ہوں کہ ملا صاحب معاف کیجئے کہ میں ابھی تک آپ کا رویہ نہ دے سکا تو قرآن کی قسم اُلٹا غریب شرمندہ ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ برا درجے آپ کیوں نادم کرتے ہیں،

میں تو کہتا ہوں کہ اگر کوئی دوسرا ملازمت دوسری کی جگہ ہوتا تو اب تک کبھی کا عدالت کے ذریعہ وصول کر چکا ہوتا، خیر تو اب میں نے جہنہ کا دن عقیقہ کا رکھا ہے، کیوں ٹھیک ہے نا؟

کیوں بھی اتوار کی چھٹی میں تو لوگوں کو ہزار کام ہوتے ہیں، ادھر جب سے یہ بے ایمان افسر ملا ہے، بس کیا کہیں کہ کس قسم کا ضبیث انسان ہے اس سے تو وہ انگریز افسر ہی اچھا تھا، اماں کچھ دیسی افسروں میں یہ مرض ہی ہوتا ہے کہ جہاں خدا لے اُنھیں افسری کی کرسی دی اور وہ پا جائے سے باہر ہوئے، حالانکہ بھائی صاحب قوم کے جلا ہے ہیں مگر ماتحتوں سے جس نخر سے پیش آتے ہیں، آپ دیکھ رہے ہیں،

خیر چو لھے میں جانے دیکھ اب تو یہ فرمائے کہ آپ ٹھیک چار بجے پھوپخ جائیں گے عقیقے میں؟ دیکھو بھی تمہارا ہی بچہ ہے، اور اس کی پہلی تقریب ہے اور ہاں تو فرمائیے کہ وہ بھابی جان کو بھی بھیجے گا یا نہیں؟ واللہ واللہ نے بہت اصرار سے فرمایا تھا اُن کے لئے،

بس اب ہونے دیجئے عقیقہ اور جہاں نہ رسوم کا آغاز، عقیقے کے دن یہ نور نامہ پڑھی ہوئی پوری صاحبہ، از سر نو دُسن کے کپڑے، دسن کا زیور، اور دُسن ایسے نخرے فرماتی ہیں، اور اپنے لاڈلے کو بڑی ٹکنت سے سنبھالے پھرتی ہیں، محفل میں جو آتی ہے اُسے اپنے بچے کو دیتی ہیں اور دینی زبان سے اُس کی نئی حرکتوں کی تعریف بھی کرتی جاتی ہیں،

غرض ان کا بس نہیں چلتا ورنہ یہ اپنے شوہر تک کو نیلام فرما کر اپنی اولاد پر خرچ کر دیتا۔
اس کے بعد یوں تو خدا اولاد سبھی کو عطا فرماتا ہے، مگر اس کے ہاں کی اولاد کی مقدار
دوسرے تمام لکھے پڑھے طبقات سے زیادہ ہوتی ہے، اس لئے بس خدا اسے کھنسل
کا اذن نہ چھو پچائے۔

اماں غضب خدا کا کہ اگر محلے میں کسی کے ہاں جائی لینے اور انگریز لائی لینے تک کی کوئی
چھوٹی موٹی تقریب ہے تو یہ جائی لگی اور اگر کوئی بڑی تقریب ہے تب تو اس کی شرکت
کا قانون ہی نرالا ہو گا وہ شرکت سے کوئی ایک مہینہ پہلے اپنے شوہر سے کہنا شروع کر دیتی
بُھان اللہ کیا خوب فرمایا آپ نے، اچھا تو کیوں نہ جاؤں میں اُن کے ہاں؟

اور وہ جو میرے بچے کی تقریب میں دو روپیہ خرچ کر گئی ہیں!
آخر دنیا میں جو بیٹی ہوں تو مجھے بھی کسی کے احسان کا بدلہ اُتارنا ہے، کہ نہیں؟
اچھا تو اگر میری جیز مہاجن کے ہاں رکھ کر کچھ لاتے ہو تو پھر اس کے ٹھکانے کی کیا صورت
ہو گی؟

ہاں ملے مجھے تو اس لئے بھروسہ نہیں کہ وہ جو اُس مہینے کے دس روپیہ وکیل صاحب کی
بیوی کے دینا ہے مجھ کو،

کیا کہا؟

ماشاء اللہ،

اسے ذرا سوچو ایسے غافل نہ بنو، اچھا وہ یاد ہے جب آپ اپنے ملازم رومی صاحب کے

کے ساتھ لاہور جا رہے تھے اُس وقت میں نے کھڑکی میں سے جا کر ”وکیلنی صاحبہ“ سے
لا کر دیئے تھے اور وہ آپ کے ہاتھ میں اُس وقت ٹلا رموزی صاحب کی کوئی کتاب
بھی تھی، اور خود آپ ہی نے کہا تھا کہ جاؤ میرا نام لیکر ”وکیلنی صاحبہ“ سے لادو، میں لاہور
سے آتے ہی دیدوں گا،

خیر اب کچھ بھی ہو مجھے تو اُن کی تقریب میں جا کر اُن کا بدلہ کرنا ہے، اب چلے آپ میری چیز
رکھ کر لائیں یا گھڑ بیچ دیں،

اور اچھا جب آپ میرے کنگھن لے جا رہے ہیں تو پھر میں پن کر کیا جاؤں گی؟
خدا کی قسم مجھے تو اپنی اتنی پروا نہیں مگر یہ دیکھو یہ ننھے کے پاس نہ تو کوئی قمیص نئی ہے اور
نہ ٹوپی، اور وہ رقبہ کے پاس تو صیہڑا بھی نہیں،
تو میرا کیا نام تو آپ ہی کا بدنام ہوگا،

اب اگر لادیں اُن کے ٹلا رموزی صاحب نے دو چار نئے کپڑے تو پھر دیکھئے کہ ہر وقت
بیوی صاحبہ دالان کے بیچ میں انھیں پھیلائے دن بھر یوں سی رہی ہیں کہ جو آتی ہے اُس
سے نہایت بے پروا لبے میں فرماتی ہیں،

کیا کہوں آپا میرے تو ہاتھ ٹوٹ گئے سیتے سیتے، ادھر گھر کا کام کروں کہ روزانہ ایک جوڑا
سی کر تیار کروں،

ضرورت کیا اسے وہی ٹلا رموزی صاحب کے لڑکے کے عقیقے میں جانا ہے، اور اُن
بے چاروں نے ایک مہینہ پہلے سے کہہ رکھا ہے اُن سے کہ دیکھو بھئی اگر تمہارے گھر کے لوگ

سرب نہ ہوئے میرے بچے کی تقریب میں تو پھر مجھ سے بُرا کوئی نہیں، اور حق یہ ہے کہ آپ اٹلا صاحب بھی میرے بچوں پر فدا ہیں، بے چارے جب آتے ہیں تو پہلے تمہارے اس شریعہ ہی کو آواز دیتے ہیں، ادھر ان کی بیوی ہیں کہ مجھے بہن کہہ کر بولی ہیں اور ایسی شریعت ہیں بے چاری کہ میں نے تو اس عمر کی لڑکیوں میں ایسی ملنسار بیوی آج تک نہیں دیکھی،

تو اب وہ لوگ جب مجھے اتنا چاہتے ہیں تو آپ ہی بتائیے آپانی کہ میں کس طرح اُن کی تقریب میں نہ جاؤں اور کوئی بہانہ کر دوں،؟

اب جو یہ آپ کے تقریب والے گھر میں داخل ہو گئی تو سمجھ لیجئے کہ آپ کے گھر میں ایک ”بجلی کا بجن“ آگیا، کیا مجال جواب اس کی زبان بند رہے یا یہ کسی جگہ چین سے بیٹھی رہے، جو سامنے آتا ہے اُس سے کچھ نہ کچھ کہہ گزرتی ہے، اور جو کام دیجے اُسے دوڑ دوڑ کر کرتی ہے، اگر کوئی کام نہ بتائیے تو یہ خود آکر گھر کی عورتوں کے ہاتھ سے کام چھین لیگی، اسے دوسروں کے گھر جا کر کھانا پکانے کا مرض تو لاحق ہوتا ہی ہے مگر تقریب کے گھر میں وہ گانے اور کبھی کبھی ناچنے سے بھی نہیں چوکتی، بس جہاں مغل کی ایک آدھ بوری عورت نے اس کے کسی کام کی تعریف کر دی کہ اب یہ قابو میں کہاں، گو دین پیچھے رہی ہو اسے مگر کام کر رہی ہے، موقع پا کر رنڈی کو بھی جھانک لیتی ہے، اب اس عرصہ میں اگر آپ اس کے ذاتی گھر میں اس کے شوہر کے پاس چلے جائیں تو ایسا معلوم ہو گا گویا اس کے گھر میں ڈاکہ ڈالا گیا ہے، ہر چیز بے ٹکی صورت سے پڑی ہوگی، جو برتن جس حال میں چھوڑ گئی ہے

وہ اسی طرح پڑا ہوگا، اب جو آپ چھوٹیں گے تو اس کے شوہر صاحب بڑی بے پروا مزاجی کے ساتھ فرمائیں گے کہ بھئی تم خود ڈھونڈ لو پانڈان، خدا جانے وہ کدھر رکھ گئی ہیں، کمال وہی پیش کار صاحب کے بچے کے حقیقت میں گئی ہیں،

اب شادی سے آئیں تو پھر وہی چو لھا چکی،

مزاج کی کافی تیز، ایک حد تک سلیقہ مند، عیش پسند، حریص، مفلس، اولاد کی عاشق، مگر اصول پرورش سے کافی حد تک بے خبر، گھر کی بوڑھی عورتیں اس کے بچوں کی ڈاکٹر ہوتی ہیں، شوہر سے ڈرنے والی مگر سانس سے لڑنے والی، سسرال سے زیادہ میکے میں رہنے سے خوش،

ایسی بیوی سُنشی جی قسم کے شوہر، ہمیں آپ کو دکھانے کے لئے کبھی کبھی کوئی چیز پرچہ لکھ کر طلب فرماتے ہیں تاکہ ہم آپ قائل ہو جائیں اور دل میں کہیں کہ اُوہ ان متاثر موزی صاحب کی بیوی تو لکھی پڑھی بھی ہیں،

بیوی صاحبہ کو کبھی کبھی جو دیر کے وقت فرصت ملتی ہے تو کوئی گُرد آلود ”نورنامہ“ جھاڑ کر پڑھنے بیٹھ جاتی ہیں، مگر اس طرح کہ خود ہی پڑھیں اور خود ہی سمجھیں مگر دیکھنے والا یہ دیکھ لے کہ ہاں بیوی کتاب بھی پڑھ لیتی ہیں، فقط،

عالم بیوی

کھے پڑھے طبقے میں اس کا رتبہ دوسرے نمبر کا ہے یعنی یہ ”ننشی بیوی“ سے ایک گز آگے ہوتی ہے، پیدائش کے وقت اچھی خاصی بلکہ زیادہ اچھی خاصی دھوم دھام سے کام لیا جاتا ہے، پرورش کے معاملات میں اس پر کافی رقم خرچ کی جاتی ہے، عقیقہ اور دوسری ابتدائی رسوم کے موقع پر مارے دھوم دھام کے محلے کو سر پر اٹھا لیا جاتا ہے، بہت زیادہ اہتمام اور شاندار طریقوں سے پرورش ہوتی ہے ”شاندار طریقوں سے“ مطلب یہ کہ اصل پرورش اور صحت کے قاعدوں کی اتنی پابندی نہیں ہوتی جتنی کہ رسم اور نمود و نمائش کا اہتمام کیا جاتا ہے، مثلاً اس کی خدمت کے لئے ملازمہ تو رکھی جاتی ہے، مگر ملازمہ کے اندر یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ وہ اصول حفظِ صحت سے باضابطہ یا بے ضابطہ طور پر واقف ہے یا نہیں، بلکہ مقصد صرف سچی کو کھلانے والی سے ہے خواہ وہ کتنی ہی غلط کار، میلی، اور جاہل محض ہو، اس کی ابتدائی تعاریب میں بھی تمام باتیں ”غانداری“ ہوتی ہیں، اور ہوشیار ہوتے ہی ”تعلیم یافتہ“ بنانے کا کام شروع ہو جاتا ہے، جس کے لئے یا کوئی مغلائی، ملازم رکھی جاتی ہے یا پھر کوئی ”کھوسٹ سے مولوی صاحب“، لڑکی ہونے کے حجاب سے ”مولوی صاحب

کا کھوسٹ ہونا، ضروری قرار دیا گیا ہے، مولوی صاحب یا متعلانی بی خود اس کے گھر پر حاضر ہو کر ابتدائی کتابیں اور مذہبی امور کی تعلیم دیتے ہیں، چونکہ لڑکی ہوتی ہے ^{۱۹۳۱ء} کی بنی ہوئی اور مولوی صاحب مسئلہ قبل مسیح کے زمانے کے بنائے ہوئے لہذا ایسیوں کی تعلیم جیسی ہو سکتی ہے ظاہر ہے، مولوی صاحب تشریف لائے کہ ”لو نہ بیا“ آن بان کے ساتھ کپڑے پہنے کتابیں دبائے کمرہ میں آئیں، بہت جھک کر جو سلام کیا تو سب خوش ہو گئے، کہ ماشا، اللہ سچی ہے بڑی تہذیب والی، والد صاحب نے دیکھا تو دل میں کہا کہ مولوی صاحب نہایت عمدہ پڑھانے والے ہیں، اب جو تعلیم شروع ہوئی تو اس سے کوئی بحث نہیں کہ مولوی صاحب لڑکی کے ذہن و دماغ کو پہچان کر اور اُس کی ذہنی استعداد کے موافق پڑھا رہے ہیں یا خود لڑکی سے پڑھ رہے ہیں؟ البتہ پڑھانے کا شور اتنا ہوتا ہے کہ تمام محلہ سُن لے کہ وہ دیکھو سلیمان خاں صاحب کی سچی کو کلاں موزی صاحب پڑھا رہے ہیں پُرانے دستور تعلیم کے موافق مولوی صاحب نے چلا چلا کر تبا نا شروع کیا اور لڑکی نے چلا کر پڑھنا شروع کر دیا، اگر پڑھانے سے پہلے مولوی صاحب کو اس گھر سے ”چلے“ پراٹھے، اور انڈے یا حلوا وغیرہ کھانے کو مل جاتا ہے تب تو خیر ورنہ درمیان میں جس جگہ اور جتنے منٹ تک مولوی صاحب چاہیں اونگ سکتے ہیں، اور لڑکی پڑھتے پڑھتے روزِنا شروع کر سکتی ہے، دنیا مان چکی ہے کہ بچے کا مارتے مارتے جب تک سر نہ توڑ دیا جائے اُس کے اندر اُستاد کا خوف اور یاد کرنے کا جوش پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے کھوسٹ مولوی صاحب

اس لڑکی کو مارنے کے لئے اپنا لٹھ اور طمانچہ پورے جوش سے اٹھاتے تو میں مگر لڑکی کے مالدار والد صاحب کے ڈر سے پھر رکھ دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناز و غرے سے بلی ہوئی لڑکی جب چاہتی ہے چٹانک ڈھانی چٹانک رونا خرچ کر کے وقت سے پہلے چھٹی طلب کرتی ہے اور مولوی صاحب مارے خوف کے کہہ دیتے ہیں کہ

اچھا بھائی جا چھٹی ہے مگر دیکھ کل کو آموختہ بھی یاد دس لوں،

اس قسم کی تعلیم کا سلسلہ رہتا ہے کوئی پانچ سات برس کی عمر تک اس کے بعد اسے اسکول بھیجا جاتا ہے اور یہ اسکول میں تعلیم کے لئے جہاں پہلے دن گئی اور پچھلے میں تعریف شروع ہوئی کہ ماشاء اللہ بھی لڑکیوں میں لڑکی ملّا رموزی صاحب کی لڑکی، دیکھو تو کس محنت اور شوق سے اسکول پڑھنے جاتی ہے،

اب اسکول جانے کے بعد ماں باپ کو سب سے زیادہ فکر اس بات کی لاحق ہوتی ہے کہ لڑکی کا لباس ہر حال میں اس لئے قیمتی اور شاندار رہے کہ وہ آخر کار اسکول میں پڑھتی ہے جہاں بڑے بڑے لوگوں کی لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں، اس لئے آجکل کے مروجہ کالے رنگ کے جوتے اور موزے ضرور دیئے جاتے ہیں، اب یہ لڑکی کی رضامندی پر موقوف ہے کہ وہ اسکول کا کام اپنے ماں باپ کو روزانہ دکھائے یا نہ دکھائے، کیونکہ والدین کو یہ اطمینان کافی ہے کہ ”اسکول میں تو پڑھتی ہے“،

ظاہر ہے کہ تعلیم کا صحیح منشا، یہ ہے کہ سب سے پہلے انسان اُن علوم کو مکمل طور پر حاصل کرے جنہیں ”تعلیم“ کہتا ہے، اُس کے بعد اُن پر متناہو سکے عمل کرے، یہ تعلیم کی اتنی صحیح

تعریف ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی کسی طرح ہو ہی نہیں سکتی، اور جب کوئی انسان اس تعریف کے بالکل موافق عمل کرے گا اُسی وقت اُسے تعلیم یافتہ، کہہ سکتے ہیں لیکن اس تعریف کے مقابل اس بے چاری کی تعلیم اور تعلیم کے بعد اس کی زندگی کا چرنگ ہوتا ہے وہ ملاحظہ ہو اور ملاحظہ کیا ہو بس یہ کہے اگر حد سے سوا لیاقت دکھائی تو یہ کہ یکا یک خبر ملی کہ لڑکی کو اسکول سے اُٹھالیا گیا اور اس لئے اُٹھالیا گیا کہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اب اُس کی عمر پڑے اور حجاب کے قابل ہو چکی، یا شادی کے قابل، یا ہندو ہونے کی وجہ سے اس لئے اُٹھالی گئی کہ اب اُس کے تعلیمی مصارف برداشت نہیں کئے جاسکتے، اور اُٹھائی بھی گئی تو ساتویں جماعت سے، یا آٹھویں جماعت سے اور جب کسی صاحب نے اپنی تعلیمی عقیدہ سے حد سے سوا کام لے ہی لیا تو انٹرنس پاس کر دیا اور اب خاندان تو خاندان شہر بھر کہتا پھر تلے کہ سُبْحَانَ اللہ اُس لڑکی کا کیا کمنا وہ انٹرنس پاس ہے مگر کوئی نہیں سمجھتا کہ انٹرنس پاس ہونے سے اگر آدمی تعلیم یافتہ ہو جاتا تو پھر یہ ایم، اے تک پڑھنے کے خطب میں لوگ کیوں مبتلا ہوتے، ؟

داغ ہو کہ اس طبقے کی تمام لڑکیاں ہی آٹھویں اور نویں جماعت سے تعلیم نہیں چھوڑ دیتی ہیں، مگر ہاں زیادہ تعداد ایسی ہوتی ہے جو آٹھویں جماعت ہی سے ”فاغ الا سکول“ ہو جاتی ہیں، اور ایسی ہی لڑکیوں سے ہم یہاں بحث کر رہے ہیں، اور انہی کا نام ہم نے ”عالم بچی“ رکھا ہے کیونکہ آٹھ دس سال تک درس گاہ زندگی سے اتنا احساس ضرور پیدا ہو جاتا ہے کہ ”میں کبھی پڑھی ہوں“

ان ایک ناول اور مشاغل بھی کافی حد تک علمی ہوتے ہیں اور اس پاس کے لوگ لکھے پڑھے
 اپنے نئے انٹرویو جماعت سے ”پسپانی“ کے بعد اب اس کے ذہن کا جو عالم ہوتا ہے وہ یہ کہ
 اسکول سے وہ اعلیٰ درجہ کا لباس، پمپ جوتے، موزے، رسٹ واچ، اخبار نہیں تو
 ماہوار رسالوں کے مطالعہ کا شوق، اور کہیں کہیں مضمون نگاری کا حوصلہ لیکر آتی ہے، اور کچھ
 شک نہیں کہ وہ گھر میں بھی ”کتب بینی“ میں کبھی کبھی مصروف نظر آتی ہے، گو اس کا خط وعدے سوا
 بھونڈا اور غلط املا والا ہوتا ہے، مگر اتنا ضرور ہوتا ہے کہ وہ کسی کو چاہے اپنا مطلب لکھ کر
 بھی سمجھا سکے، اور اسی لئے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ اب لڑکی ذات کے لئے اس سے سوا کیا
 چلیے، ”کوئی ملازمت تو اس سے کرانا نہیں ہے،

اس کے بعد اس ادھر سے پن کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ لڑکی صبح وشام اپنے کو ہر معاملے
 میں تعلیم یافتہ سمجھتی ہے، جہاں اس کے سامنے اس کی کوئی سہیلی آئی یا کوئی غیر عورت کہ اس
 نے فوراً اپنا لہجہ بدلا اور خواہ مخواہ اس سے لکھنؤ والیوں کی طرح ”اللہ چنانچے کے ساتھ گفتگو
 شروع کر دیگی، ہر فقرے کو حد سے سوا بلینغ، ناقابل فہم، افدھل بنانے کی کوشش کرے گی، نتیجہ یہ
 ہوتا ہے کہ ساری گفتگو مصنوعی غلط اور اتنی مہمل ہو جاتی ہے کہ گھر ہی کے مرد اس کی اس ”بناوٹی
 گفتگو پر دل ہی دل میں تاؤ کھاتے ہیں، مگر وہ غریب اپنی کم علمی کے باعث سمجھتی ہے کہ میں جس سے
 میں مخاطب ہوں وہ میری علمی لیاقت سے بہت زیادہ دب رہی ہے، اس قسم والی، ”کیلئے
 اس کے والد یا بھائی ایک دور سارے بھی جاری کر دیتے ہیں محض اس خیال سے کہ لڑکی کی
 علمی استعداد بڑھ سکے، کچھ شک نہیں کہ رسالے پڑھنے سے اتنی تعلیم والی اور والا پڑھنے کی

تقدیر بڑھا سکتا ہے، مگر مضامین کے علمی نکات سمجھنے کی اُس میں ہرگز صلاحیت نہیں ہوتی
 سی لئے تو زیادہ تقدیر میں ”فسانے“ اور ”ڈرامے“ پڑھے جاتے ہیں یا پھر غزلیں، البتہ اتنی
 تعلیم والی لٹریچر میں جن کا ذوق شائستہ اور تربیت مکمل ہے وہ رسالوں سے ”امور خانہ
 داری“ اور قورمہ پکانے کے نسخے نقل کر کے رکھتی جاتی ہیں اور موقع پا کر اُن کو استعمال
 کرتی ہیں،

اتنی تعلیم سے وہ تکیوں، غلافوں، ہاتھوں کے رومالوں، اور لفافوں پر عمدہ عمدہ پھول اور
 بلیں بنانا سیکھ بھی جاتی ہے، اور ہاں وہ زمین پر رکھ کر سینے والی سنگرمینی کی آدھی مشین
 بھی چلا سکتی ہے، اور موزے وغیرہ پر بھی پھول کاڑھ لیتی ہے، اور ہاتھ کے ریشمی رمالوں
 پر منام کاڑھ لینا، تو بہت زیادہ آجاتا ہے،

اس کی شادی میں ”بہت زیادہ روشن خلیلی“ صرف ہوتی ہے، اسی لئے بیانات میں کہیں
 کہیں لڑکے کی تصویر طلب کی جاتی ہے، مصارف کی استعداد بھی برابر کی ہوتی ہے، اس
 لئے بازار میں تمام دیکھ کے اکہ آبادوں کی جانکی بائیاں ناچتی ہوئی نظر آتی ہیں، بار لاق
 بھی حد سے سوا سیگریٹ نوش اور بوٹ پوش ہوتے ہیں، مگر رسوم میں جاہلانہ آداب
 کو کافی دخل رہتا ہے، اور بازار کے مرد کہتے ہیں ہیں کہ،

کیا عرض کروں ملا صاحب میں تو ان رسوم کو جہالت سمجھتا ہوں مگر یہ کجخت عورتیں باز
 نہیں آتیں، مصارف کی کثرت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ رخصتی کے بعد چاہو تو دلہن کے والد کو
 چار آنے میں غلام کر دو اور چاہو تو دلہا کے والد کو، کیونکہ اس قسم کی اولاد کا ولیمہ اور

دعوتِ بغیر شامیانہ تانے اور بارایتوں سے انگریزی میں گفتگو کئے مکمل سمجھی ہی نہیں جاتی، ایک ایک آدمی کے لئے ہر چیز میں ”ذہل حصہ“ استعمال ہوتا ہے، شادی کے پہلے ہی اذن کے لئے ”ذول کشور پرپس“ سے زیادہ عمدہ مطبع میں لفافے اور کارڈ چھپوائے جاتے ہیں مگر اذن کی عبارت پڑھنے تو وہی قافو ابلی کے زمانے کی جس کی پیشانی پر یہ شعر ضرور ہو گا کہ

گر قدم رنجہ کنی جانب کا شانہ ما،

رشک گلزار شود از قدمت خادما

بہت زیادہ خوش ”ذوقی“ فرمائی تو کوئی دوسرا شعر لکھ دیا پورا اذن ہی سیاب کبر آبادی صاحب سے اجرت دیکر نظم میں لکھوا لیا، لطف کی بات یہ ہے کہ ایسے محلِ لفاظوں کو بڑے لطف کے ساتھ پڑھا بھی جاتا ہے اور ملّا رموزی کو یہ کہہ کر سنایا بھی جاتا ہے کہ ”مّا صاحب یہ کمال تو ملاحظہ ہو کہ پورا اذن نظم کر دیا گیا،

اس کی بارایت میں ”مستر قسم کے لوگ“ زیادہ ہوتے ہیں، اس لئے موٹر کا استعمال بھی زیادہ ہوتا ہے، تقریباً ۹۰ فیصدی بارایتی انتہائی ”مستری انداز میں“ تشریف لاتے ہیں اور کیا کہیں کہ اس رات بھی بعض انگریزوں کی ٹوپی اوڑھ کر آتے ہیں اور منٹ منٹ پر تپلون کی جیب سے سیگریٹ کیس نکالتے ہیں،

اسی قسم کی بارایت کے بعض دولہا بجائے گوٹے کنارسی کے کپڑوں کے نہایت ”صوفیانہ لباس“ پہن کر آتے ہیں، اور اکثر بے چارے ایم، اے پاس ہو کر بھی دولہا ہنستے وقت گوٹے کا عامہ اور رنگین کپڑے پہنتے ہیں، اور بات یوں بنا دیتے ہیں کہ ”کیا کموں مشرہ

والہ صاحبہ نے میری ایک نہ سنی، اس قسم کا دولہا روزانہ شائستہ اور مروجہ لباس میں نظر آتا ہے لہذا آج وہ دولہا کے لباس میں خاصاً اُلُ نظر آتا ہے، اور اسے دیکھ کر ٹارٹوزی ایسے دماغ کے لوگ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اسی لئے یہ بے چارہ بارات کی رات ٹاما نادم اور پریشان رہتا ہے، غرض جگہ تقریبات میں حد سے سوار و پیہر برباد کیا جاتا ہے، اور اس قسم کی بیوی کی خاص پہچان یہ ہے کہ اُس کے جبین میں ”مسہری“ ضرور دی جاتی ہے اور رخصتی کے لئے زیادہ تعداد میں وہ لکھنؤ والے میر صاحب کی سواری دالی فینس اور کس کس دلیں کے لئے بھی موٹر اور دولہا کے لئے بھی موٹر، اس کی بارات میں جتنے ٹارٹوزیوں کی بیویاں آتی ہیں وہ سب کی سب دس دس سیر وزن کا زیور پہن کر اور بغیر شلو اڑ کے تو وہ کسی بارات کا نام تک نہیں لیتی ہیں،

اس کے اندر چونکہ آٹھویں جماعت کی تعلیم کی ”چمک“ ہوتی ہے لہذا شوہر کے ہاں یہ قدیم رسوم کی ذرا کم پابند رہتی ہے، اُدھر دولہا میاں بھی ”مسٹر“ ہونے کی وجہ سے بزرگوں سے لیکر ان کی ایک ایک رسم کو ”بے ہودہ“ کہتے ہیں اس لئے شادی کے بعد والی رسوم میں بہت کافی کمی واقع ہو جاتی ہے، مگر ولیمہ ضرور ٹھاٹھ کا ہوتا ہے،

شادی کے بعد اس کے دماغ میں اپنے خاندان اور اسکول کے اثرات بہت زیادہ کام کرتے ہیں، یعنی خاندان کے ناز و نعم سے پالنے والے اور آزاد اور عیش پسند خیالات اور اسکول کے نیم تعلیمی تاثرات اسے اب نہ صحیح معنے کی بیوی ہونے دیتے نہ وہ بالکل خارج از ”بیوتیت“ ہوتی اُدھر شوہر بھی کسی اسکول یا کالج کے نیم ہی چھتے ہیں، اس لئے

نتیجے میں اجدائی زلمے میں یہ دونوں خدا جانے کیا ہوتے ہیں اور جو کہیں خدا نخواستہ دونوں ہوئے ”قدرے اخباریں“ یا ”رسالہ میں“ یا فقط ”ناول میں“ تب تو ان دونوں سے مل ملا کر بالکل ہی عجیب قسم کے میاں بیوی پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ ان دونوں کا زور سب سے پہلے ”زبانی بحث و مباحثے“ پر صرف ہوتا ہے شوہر صاحب چلتے ہیں کہ میں اپنی اس لکھی پڑھی بیوی پر اپنے فیشن اور اپنے سوٹ بوٹ کے فوائد اور اپنی ”مست نوازی کی“ ڈھاک بٹھا دوں، اور آٹھویں جماعت کی پڑھی ہوئی بیوی صاحبہ چاہتی ہیں کہ میں اپنے پمپ جوئے، شلوار، انگریزی تیل، کلائی کی گھڑی، موزے، تولیے، صابون سے منہ دھونے، پاؤ ڈر لگانے، چائے پکانے کے قاعدوں سے ثابت کر دوں کہ میں دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہوں، اس لئے مجھے بیوی کے عوض ”برابر کا دست“ کیوں تسلیم کیا جائے

امور خانہ داری پر اگر کبھی گفتگو شروع ہو گئی تو ان میں کا ہر ایک یہ ثابت کر دکھاتا ہے کہ اپنے خاندان کے یہ پُرانے اور ”بسی بزرگ“ ہم ”تازہ بزرگوں“ کے امرو خانہ داری کے کسی طرح بھی اہل نہیں، بیوی صاحبہ کو شش فرماتی ہیں کہ اپنی اہل کھائی ”موٹی ساس“ کے ہاتھ سے گھر کا تمام انتظام چھین کر اپنے قبضہ میں کر لوں، اور پھر دکھا دوں کہ میں نے جو آٹھویں جماعت تک پڑھ لیا ہے تو دیکھو گھر کا کس درجہ بہتر انتظام کر سکتی ہوں،

ایسی بیوی کی اجدائی قوتیں اپنے اور شوہر کے کمرے کو حد سے سوا فیشن اپیل

طریقے سے سجانے پر صرف ہوتی ہیں، اسی طرح شوہر صاحب بھی شروع میں معذرت
 پاؤں، لونڈر، ریشمی رومال، چائے کے برتن، تولیے، نئے نئے ساہن، اور
 تصویریں زیادہ خرید کر لاتے ہیں، گفتگو میں بھی آپ، جناب، اور ذوالعہد چنانچہ
 کا بہت زیادہ استعمال ہوتا ہے، گفتگو کے معمولی سے معمولی سلسلہ کے بالکل ہی
 شروع میں بڑے بڑے علمی حوالے، تاریخی واقعات، اور بے موقع فقرے اور جملے
 استعمال ہوتے ہیں کیونکہ دونوں کو اپنی اپنی علمی لیاقت کے ثابت کرنے کا
 شوق ہوتا ہے اور یہی پہچان ہے ان دونوں کے ادھورا ہونے کی، جب تک کھٹے
 دونوں میں مباحثہ ہو رہا ہے، معاملہ ہے چولھے چلنے کا مگر حوالے دیئے جا رہے ہیں
 شکستیدار اور آثارِ رموزی کی کتابوں اور باتوں کے، اور اسی لئے کبھی کبھی ان کے کمرے
 میں ”بارمونیم باجہ“ بھی بچتا ہوا اُسنائی دیتا ہے، ورنہ چوڑی کا باجہ تو ہر صورت میں موجود ہے
 اس بیوی کی ابتدائی کارستانی، ”یا کارگزاری“ یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام قوت اپنی صورت
 اور لباس کو حسین بنانے پر صرف کرتی ہے، اس کے بعد ہر معمولی سے کام میں بادشاہوں
 کے برابر تکلف کرتی ہے، اگر اسے معلوم ہو جائے کہ شوہر سے ملاقات کے لئے ملازمہ
 صاحب آئے ہیں تو پھر دیکھئے اس کے پان اور سگریٹ بھیجنے کے تکلفات، اسی طرح
 اگر اس کا تازہ شوہر کبھی چند خاص دوستوں کو مختصر سی دعوت دیدے تو پھر دیکھئے کھانا
 اور کھانا کھلانے میں اس کے تکلفات، غرض وہ ہر صورت سے اس بات کی کوشش
 کرے گی کہ میرے شوہر کے دوست مجھے سکول کی تعلیم یافتہ بیوی تسلیم کر لیں، حالانکہ باہر

بیٹھے ہوئے دوست اُس کے انہی تکلفات سے اُسے ”ادھورا“ ناخبرہ کار، مچھوڑا اور بے وزن عورت سمجھ کر اس کا اس کے ”شوہر سمیت“ مذاق اڑاتے ہیں، کیونکہ ذہنی اور بادقار بیوی کی تعریف یہ ہے کہ اُس کے ہر کام میں سادگی، وزن، بُرد باری، اور فطری اصول موجود ہوں، یہ سلیقہ نہیں ہے کہ شوہر کے دوستوں کے لئے نئے نئے رنگ کے طلیحہ علیحدہ دس وضع کے گلاسوں میں شربت بھیجا جا رہا ہے، یا شوہر کے پاؤں کے ڈبے کے کپڑے پر بیوی کے ہاتھ کا کشیدہ مع نام کے موجود ہے، جس سے سمجھا جائے کہ بیوی ضائع بڑی ہی صاحبِ کمال ہیں، چلے بھی جائے تو اتنے بھی اونچے تکلف سے کہ عقلی آدمی فوراً سمجھ جائے کہ بیوی صاحبہ اپنی مالدار کی کا اظہار فرما رہی ہیں، بالآخر چند دن کے بعد ساس سُسر کے اتھاال فرما جانے پر اگر اسے گھر کا انتظام مل گیا تو سمجھ لیجے کہ اب وہ مارے جدید قاعدوں کے شوہر کو دیوالیہ بنا کر چھوڑیگی، جو کام کر لگی حد سے بے بناؤٹ اور دکھاوے کا جو چیز خریدیگی حد سے سوا قیمت اور قسم اول کی،

اس کا صاحب اولاد نہو نا سارے محلے کے لئے مصیبت ہے اور شوہر کے لئے تو عذاب الیم بچے کی پرورش جتنی غلط اس بیوی کے ہاتھوں ہوتی ہے دنیا کی کسی ایک بیوی سے اتنی غلط تربیت کی امید نہیں کی جاسکتی، چنانچہ ابھی بچہ سایہ ہی میں رکھنے کے قابل ہے کہ اُس نے شوہر سے اس کے لئے انگریزی ٹوپی بھی منگالی، اور انگریزی ٹوپا بھی، بلکہ اس قسم کی بیوی کا بچہ حقیقہ کے دن بھی انگریزی تچوں ہی کے لباس میں نظر آتا ہے اور جو ذرا بڑا ہو گیا تب تو نہ پوچھے اس کے بچے کے انگریزی پن کا عالم، جو کپڑا پہنا لگی انگریزی تچوں

وہی چھوٹے چھوٹے بوٹ، نصعت پا جامہ، کوٹ، انگریزی ٹوپی، اور سر پر انگریزوں کے بال، اُن کے شوہر صاحب بھی اس کے لئے جو چیز لائیں گے وہ انگریزوں کی جو کھلونا لائیں گے وہ انگریزوں کا، یہ سچہ کھلانے سے لیکر گھر کے ہر کام میں ایک خادمہ چاہتی ہے، اور خود کو گھر کے ہر کام میں حد سے سواناز رکھنا اور میں ”ثابت کرتی ہے یہ ادنیٰ سی بات پر سچا ہو جاتی ہے اور گو کہ کینیکچر کی تاثیر سے کسر بے خبر ہوتی ہے، مگر ڈاکٹری علاج پر مرتی ہے، انشاء پر دازی کا زور دکھانے کے لئے بات بات پر پڑ پڑ لکھتی ہے، ”یہاں تک کہ شوہر تک کو عاشقانہ خط لکھتی ہے، ادھر ایں، اے قسم کے شوہر صاحب بیوی کے ایسے خطوط کا تذکرہ دوستوں میں بڑے فخر اور غور سے فرماتے ہیں، گو بیوی کا غلط اغا و الاخط دوستوں کو نہیں دکھاتے، مگر اُس کے بعض جملے ضرور سناتے ہیں اور دوستوں کی داد کے بغیر اپنی بیوی کی علمی لیاقت کی خود ہی داد دیتے ہیں، بعض تو بات بات پر بیوی کا حوالہ دیتے جاتے ہیں، اس بیوی کو کسی محفل کا اذن آجانا اس کے اور اس کے شوہر کے حق میں ”قرقی کے وارنٹ“ کا کام کرتا ہے، جہاں اسے ملازمی کی شادی کا اذن آیا اور اب میاں بیوی اختیار سے باہر ہوئے، ایسی بیویوں کے بعض شوہر چاہتے ہیں کہ اس محفل میں میری ہی بیوی تمام بیویوں سے زیادہ تعلیم یافتہ نظر آئے، جس کا یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ایسی عورتوں کی محفل میں بہن کر جانے والے لباس کو انگریز عورتوں کے لباس کا ہم پایہ بنایا جاتا ہے، ادھر بیوی صاحبہ میں کہ اب انواع و اقسام کی تیا

میں معروف ہیں۔ ایسی چھوڑی بیوی کی پہچان یہ ہے کہ وہ دیسی عورتوں کی محفل میں جب آتی ہے تو اس کے پاس بناؤ سنگھار کا ایک چھوٹا سا صندوق ہوتا ہے جسے انگریز لوگ "ٹنڈ کس" یا "ٹماچی کیس" کہتے ہیں اس میں انگریزی کنگھا، انگریزی صابون، پاؤڈر، اور آئینہ ہوتا ہے، اور ادھوری بیوی صاحبہ بات بات پر محفل میں اس صندوق کو کھولتی ہیں اور بے ضرورت سنگھار میں مصروف ہو کر دیسی عورتوں پر اپنے آٹھویں عمت تک کی تعلیم یافتہ ہونے کا رعب ڈالتی ہیں، بعض اپنے ساتھ دو چار جوڑے کپڑے کے بھی لیجاتی ہیں، اور محفل میں ہر پانچ گھنٹے کے بعد نئے جوڑے میں سے ایک آدھ چیر بدل کر عورتوں کے سامنے آتی ہیں، اور بعض ایک ہی دن میں جوڑے پر جوڑا بدلتی رہتی ہیں، اور محفل کی بوڑھی اور تجربہ کار عورتیں اس کا خوب مذاق اڑاتی ہیں اور اسے اس کا "نادیدہ پن" اور "لوندیا نہ حرکت"، قرار دیتی ہیں، یہ محفل میں بڑے دبدبے سے تشریف لاتی ہیں اور اپنے سے کام کے لئے بھی اپنی خادمہ کو یوں آواز دیتی ہیں کہ ساری محفل کی عورتیں دیکھ لیں کہ اُنہ ان کے ساتھ ایک خادمہ بھی ہے یہ محفل کے کاموں میں کوئی حصہ نہیں لیتی، بلکہ ایک طرف گال سے ہاتھ لگائے یوں بیٹھی رہتی ہیں کہ دوسری عورتیں مان لیں کہ ہاں کسی بڑے آدمی کی بیوی ہیں، مگر رنڈی کا ناچ دیکھنے کے لئے اس کی تمام متانت ختم ہو جاتی ہے اور وہ ہر ڈنگی بن کر گھر کے ہر دروازے سے رنڈی کو جھانکتی پھرتی ہے، ایسی محفلوں میں بعض اوقات اس کے شوہر صاحب باہر سے اسے پرچہ لکھ کر بھیجتے ہیں اور یہ عورتوں

کو دکھا دکھا کر اُس کا جواب لکھ کر خادمہ کے ذریعہ ارسال فرماتی ہیں، اور جو صاحبِ اولاد ہیں تو محفل میں ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ عورتوں کو سنا سنا کر خادمہ سے کہتی رہتی ہیں کہ

دیکھ دیکھ اندھی تیرے ہاتھ کے نیچے میاں کا ہاتھ دبا ہوا ہے،

تو بے غیرت کبھی سنبھالا بھی ہے بچوں کو قونے؟

لے جا ذرا باہر لے جا کر کھلا انھیں،

اور دیکھ اگر رُلا یا ہے تو تیرے حق میں اچھا نہ ہوگا،

لے یہ کھلونے تو لے اُن کے،

بس بس لیجا جلد، میں ذرا بہن سے باتیں کرتی ہوں،

اتنے فقرے ملازمہ سے محض محفل کو سنانے اور دکھانے کے لئے کہے جائیں گے

اور دل میں یہ جوش بھرا ہو گا کہ بجائے ملازمہ کو دینے کے بیٹے کو خود ہی لٹکائے

پھروں، چنانچہ اس کے روتے ہی بڑے بخرے سے خادمہ سے لیا جائیگا، اور

محفل کے ایسے رُخ بیٹھ کر اُسے دودھ پلائیں گی جہاں سے محفل کی تمام عورتیں

آپ کو صاحبِ اولاد دیکھ لیں،

جو دودھ پلا کر فراغ ہوئیں تو تمام محفل کی شامت آگئی، جو عورت آپ سے

مخاطب ہوتی ہے یا جو مخاطب بھی نہیں ہوتی اُسے بھی خود بخود مخاطب کر کے اپنے

لاڈلے کے کرتب دکھائیں گی، اور اپنے سے زیادہ شوہر صاحب کے اس

سے عشق کو ظاہر فرمائیں گی،

سلام کرو بیٹے یہ تمہاری نانی اماں ہیں،

اور انھیں بھول گئے انھیں، ارے بے وقوف یہ تو تیری دادی جان ہوتی

ہیں، اور انھیں تو پہچان یہ اپنی خالہ بی بی ہیں اُلو، ارے یہی تو تیرے لئے جوڑا

لائی تھیں،

اچھامیاں ذرا خالہ بی کوڈانٹ تو دو،

اور ذرا میاں آداب تو عرض کر لو،

اس قسم کی مذاق اُڑانے کے قابل قواعد پر ٹید دکھا کر اب یہ والدہ صاحبہ اس لاد

کے حالات و خواص کی تفصیلات، اور اپنی اور اپنے شوہر کی اس لونڈے سے

محبت کی داستان شروع فرمائیں گی اور انھیں یہ خیال ہرگز نہ ہوگا کہ سُنینے والی

عورت ان حالات کو پسند بھی کرتی ہے یا دل میں میرا مذاق اُڑا رہی ہے، بس وہ

تو اپنے بیٹے کی تعریف میں اب ”رواں دواں“ رہیں گی،

مہن کیا کہوں تم سے کہ میں نے اس بچے کے لئے کیسی کیسی تکالیف اٹھائی ہیں، خدا

عمر دراز کرے اس کی آپ دیکھئے کہ جب یہ تین مہینے کا پیٹ میں تھا تو مجھ اندھی کو ہوش

تو رہا نہیں میں ”اُن“ کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر ٹھنڈی مٹرک پر چلی گئی، وقت تھا سخت

جاڑے کا بس مجھے کھانسی ہو گئی، اُسی وقت سے بس خدا جانے کیا اثر ہوا کہ

پیدا ہوتے ہی اسے بھی جو کھانسی ہوئی ہے تو جانے کا نام نہیں لیتی، مگر خدا

”انھیں“ بھی سلامت رکھے کہ انھوں نے بھی اس کے علاج کے لئے زمین آسمان ایک کر دیئے ہیں، کونسا حکیم ہے اور کونسا ڈاکٹر ہے جس کے پاس وہ ان میاں کو لیکر نہ گئے ہوں، اور جس کی ڈبل فیس نہ دی؟ انھوں نے، بس اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اسے دہلی لے جاؤں گی اور جو کچھ بھی خرچ ہوگا وہاں خرچ کروں گی مگر اس کا مکمل علاج کراؤں گی، کیونکہ احمد شہد روپیہ کی تو نہ مجھے پرواہ ہے نہ انھیں، خدا بچے کو آرام سے رکھے، کیونکہ بہن حق تو یہ ہے کہ مجھ سے سوا وہ اس بچے پر خدا میں چنا پڑا اب جو میں یہاں آگئی ہوں تو بس دیکھ لینا کہ وہ اس کے لئے بے چین ہو رہے ہوں گے،

کیا مجال جو گھر میں اسے تنہا چھوڑ کر میں ایک منٹ تو علیحدہ ہو جاؤں بس گھر کو سر پر اٹھالینگ کہ دیکھو تم ہو بد احتیاط تمہارے علیحدہ ہونے سے خدا انخواستہ میرے بچے کو کوئی نقصان پہونچ گیا تو؟

اور بہن کیا کہوں میں تم سے اس شریک کی حرکتوں کا حال؟
 ماشاء اللہ جہاں صبح کی چڑیاں بولیں اور اس نے کھیلنا شروع کیا، بہن میں تو ہوتی ہوں اُس وقت غافل بس خدا انھیں میرے سر پر ہزار برس سلامت رکھے وہی اٹھتے ہیں اور اسے لیمپ کے سامنے لیکر لیٹ جاتے ہیں مگر مجھ سے ایک حرف نہیں کہتے، اور صبح تک کھلاتے رہتے ہیں،

کہنے کو یہ ابھی پانچ مہینے دس دن کا ہے، کیونکہ یہ پیدا ہوا تھا وہ خالی کے سینے کی نوتاخ کو

مگر ماشاء اللہ اتنا ذہین ہے کہ کتنا ہی چیخ رہا ہو مگر جہاں میری آواز سنی فوراً خاموش ہو جائے گا،

یہی حال اُس کی دادی اماں کا ہے،
 بہن بیچ یہ ہے کہ وہ بھی اس پر جاں نثار کرتی ہیں،
 گو اُن کی ضعیفی کا زمانہ ہے مگر رات بھر میں کہ اپنی گود سے علیحدہ نہیں کرتی ہیں،
 غرض گھر بھر ان میاں پر قربان ہے،

ایسی ہی ہوتی ہیں جن کے شوہر صاحب کو انھیں کسی کلب کا ممبر بنانے کا خاصا شوق ہوتا ہے، اور یہی وہ ہوتی ہیں جن کے نام سے شوہر صاحب رسالوں میں مضامین اور غزلیں چھپوایا کرتے ہیں، اور جو شوہر صاحب ہوئے "خالص دفتری دماغ" کے "توہم اس غریب کا تمام لکھا پڑھا ہیں"، یا خچ ہوئے کتب بینی میں، یا سودا سلف اور اس کی اجرت لکھنے میں، اس قسم کی بیویوں کی "ساسیں" اکثر جاہل ہوتی ہیں اس لئے اس کی ساس سے اکثر جھگڑتی رہتی ہے "محض اس وجہ سے کہ اس کے دماغ میں ایک حد تک "نیاپن" ہوتا ہے، اور معاملات کی حیثیت کو ساس سے بہتر سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے نتیجہ یہ کہ کبھی کبھی اس کی ساس "یوں ہو جاتی ہے"

چلو رہنے دو بیوی،

دیکھ لیا میں نے تمہارا رنگ،

خوب گھر آباد کرو گی اپنے شوہر کا،

چلو مجھے نہ سکھاؤ یہ تمہارے ایشن فشن کے قاعدے،

مجھے ”ہیڈنگ اپن“ اچھا نہیں معلوم ہوتا،

اُس مہینے میں دیکھو تو بیوی نے سوا سو روپیہ اٹھا دیا اور میں نے کچھ نہ کہا، اس مہینے میں

دیکھو تو بیوی نے بے ضرورت وہ بیس روپیہ کے جو تھے ہی مگھا ڈالے،

ہاں ہاں بیوی ہمارے خاندان میں تو ایسا نہیں ہوتا،

اچھا تو تم امیر کی بیٹی ہو تو تمہیں مبارک، مگر ہم تو اپنے قاعدہ پر چلاؤ گے تمکو،

بس تو آجانے دو آج تمہارے ملازم توڑی صاحب کو، ہم فیصلہ کئے لیتے ہیں کہ یا اب اس

گھر میں تم اپنی ان بانگی ترچھی بیوی کو رکھو یا ہمیں،

ہاں ہاں ہم تو تمہارا یکلب ولب جانا پسند نہیں کرتے،

ہمارے گھر آنے کی بہو بیٹی تو الحمد للہ آج تک دروازہ پر نہیں دیکھی گئی،

وہ دیکھو نا وہ میاں سلو نے اپنی بیوی صاحبہ کو ”میم صاحب“ بنا رکھا تھا آخر کیا حشر ہوا ان

بس دُلمن خوفِ خدا سے ڈرو، بہت زیادہ غرور اچھا نہیں ہوتا،

مگر زبان ضرور چلائے جاؤ گی،

ہاں ہاں بیوی ہم تو اگلے وقتوں کی کھوسٹ ہیں۔ مگر تم تو ہو چودھویں صدی کی نیلم پری،

بس اپنے قاعدہ سے رہو، تم جاؤ تمہارا میاں جانے، مجھے کیا ان باتوں سے، تم ہو کہ

مُفت مجھ سے اُلجھی جا رہی ہو،

اُس قسم کی عالم بیوی میں مزاجی بنگلی بہت کم پیدا ہوتی ہے، مگر امورِ خانہ داری میں بے حد

مستعد، صفائی پسند، خصوصاً فیشن کی چیزوں سے اپنے کمرے کو آراستہ رکھنے والی،
 بے حد فضول خرچ، جاہلانہ رسوم سے ایک حد تک بچنے والی، شوہر سے محبت کرنیوالی
 مگر تعلقات میں برابر کی طالب، موقع ملے تو ٹھنڈا اور سینا کے تماشہ کی شائق،
 عمدہ کھانے پکانے والی، مگر گھی زیادہ خرچ کرنے والی،
 اولاد کی تعلیم و تربیت میں کافی مستعد، خدا سے ڈرنے والی، زیادہ باتیں کرنیوالی،
 صورت میں دسہی، مگر لباس میں نفاست، باقی خیریت، مقدار میں ایسی بیوی بھی ابھی
 شاید ۳ فیصدی پیدا ہوئی ہے، فقط،



فاضل بیوی

یہ ہمیشہ نہایت مالدار گھرانے میں پیدا ہوتی ہے، اس لئے اس کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے جملہ اسباب ہر وقت فراہم رہتے ہیں، پورا گھرانہ تعلیم یافتہ اور نشا ہوتا ہے، اس لئے اس کے خواص میں اعلیٰ درجہ کے اصول، اثرات بہت کم کوشش کے ساتھ پیدا ہو جاتے ہیں، البتہ سوال یہ ہے کہ اس کی تعلیمی فضیلت اصولاً قابلِ اعتماد بھی ہوتی ہے، یا نہیں، سو اس وقت تک کے جتنے نمونے سامنے آئے ہیں اُن کے لحاظ سے صحیح معنی کی تعلیم یافتہ فاضل بیوی کی تعداد ایک فیصدی بھی نہیں ہے، البتہ نظری اعتبار سے اُس کے ساتھ موجودہ زمانے کی مقرر کی ہوئی تعلیم و تہذیب کی تمام علامتیں ہوتی ہیں مثلاً اس کی سب سے اونچی فضیلت یہی ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اپنے آبائی اور ملکی لباس کو بکھٹ کر کے غیر قومی لباس اختیار کر لیتی ہے، جس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کے علمی اصول سیکھ کر بھی مزاج کی اس درجہ ضعیف ہوتی ہے کہ جس چیز کو انگریزی ہینسل استعمال کرتی ہیں یہ فوراً اسے اختیار کر لیتی ہے، اگر یورپ کی عورتیں یورپ کے قاعدوں کے موافق کوئی کھیل کھیلتی ہیں تو یہ بے چاری ہندوستانی ہو کر بھی اُسی کھیل کو کھیلتی ہے، اور اسے اپنے تعلیم یافتہ ہونے کا ثبوت قرار دیتی ہے، حالانکہ علم کی تعریف یہ ہے کہ انسان اپنے

ہی ملکی و قومی آداب و ضوابط کی عزت کرے، لیکن یہ جو ہندوستانی ہو کر یورپ کی عورتوں ایسی صورت بناتی ہے، اُس کا راز یہی ہے کہ علوم بھی یورپ ہی کے حاصل کرتی ہے، اس لئے اعمال و اثرات بھی وہی ہوتے ہیں،

فی الجملہ یہ ابتدائی تعلیم سے لیکر انتہائی تعلیم تک پوری مستعدی سے کام لیتی ہے، اور اچھے نمبروں سے پاس ہو کر کم تعداد میں وہ گھر میں آکر بیٹھی جاتی ہے اور زیادہ تعداد میں وہ ایسے کام کرتی ہے، جو مشہور ہوں،

اور کچھ شک نہیں کہ ان مشاغل سے اُس نے ہندوستان کی بے حس و حرکت عورتوں میں کام کرنے کی ایک اُمنگ پیدا کر دی ہے، جو گوا بھی بہت کم محسوس ہوتی ہے لیکن نصف صدی بعد وہ بے حد طاقتور ہو جائیگی،

البتہ اس کی زندگی میں اگر کوئی قابل اعتراض بات ہے تو صرف یہ کہ اس کے تمام مشاغل یورپ کی عورتوں کی نقل ہوتے ہیں، ذاتی ایجاد و اختراع اور ملکی اصول و آداب

تقلید کی قوت بے حد ضعیف ہے، مثلاً وہ جب تقریر کرتی ہے تو انگریزی زبان میں، اور کچھ لکھتی ہے تو انگریزی زبان میں اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی اُس کے اندر علمی بھگی اور تعلیمی وزن پیدا نہیں ہوا، البتہ کموسٹ ہو جانے پر اُس میں کچھ سادگی پیدا ہو جاتی ہے، یہ دوسری عورتوں کو تعلیم یافتہ بنانے اور ترقی دینے کے لئے نہایت درجہ قابل تعریف

کام کر رہی ہے، اور کچھ شک نہیں کہ اس کی موجودہ رہنمائی ہندوستان کی ”تباہ بیداری“ نسوان، میں نہایت درجہ عزت و احترام کی جگہ پائیگی، بشرطیکہ وہ خالی میم صاحب نہ بنے۔

اس کی دوسری فضیلت یہ ہے کہ یہ تمام ”مردانہ مشاغل“ اور مردانہ ذمہ داریوں میں، برابر سے حصہ لیتی ہے، مثلاً ملازمی صاحب مضمون لکھتے ہیں تو یہ بھی مضمون لکھتی ہے، ملازمی صاحب لاہور جاتے ہیں تو یہ بھی لاہور جاتی ہے، ملازمی صاحب جہاز پر سوار ہوتے ہیں تو یہ بھی جہاز پر سوار ہوتی ہے، ملازمی صاحب سینما کا تماشہ دیکھنے جاتے ہیں تو یہ بھی سینما کا تماشہ دیکھنے جاتی ہے، بس اگر فرق ہے تو یہ کہ ملازمی صاحب اگر حقہ پیتے ہیں تو یہ سگریٹ پیتی ہے، حقہ نہیں پیتی، ملازمی صاحب دولت مندوں کی ناقدر دانی کے باعث اگر دن میں ایک جوڑا کپڑے کا بدلتے

ہیں تو یہ مالدار ہونے کی وجہ سے دن میں سولہ جوڑے بدلتی ہے، اس کی شادی میں جو روپیہ خرچ ہوتا ہے اس سے ایک اوپر دس ملازمیوں کی شادیاں شادیاں ہو سکتی ہیں، اگر اس کے نکاح میں مکہ منظر کے قاضی اور بنارس کے پنڈت بلائے جاتے ہیں تو بارات میں پیرس اور جرمنی کی رندیاں بھی نظر آتی ہیں، اسی طرح ولیم میں پلاؤ پر ملاؤ ہے کہ پک رہا ہے، اور پوریوں پر پوریاں ہیں کہ تیار ہو رہی ہیں، باجوں پر باج ہیں کنج رہے ہیں اور روشنیوں پر روشنیاں ہیں کہ ہو رہی ہیں، باراتیوں کی کثرت کا یہ حال کہ تو بھی شریک تو میں بھی شریک، تو وہ بھی شریک، اس کو بھی اذن اور اس کو بھی اذن، مجھے بھی اذن، تو تجھے بھی اذن،

جہیز کی کثرت کا یہ حال کہ خزانہ بھی جہیز میں اور بینک بھی جہیز میں، زیوریں جواہرات بھی جہیز میں، تو نسیم ویا قوت بھی جہیز میں، اور آخر میں تو بھی جہیز میں اور میں بھی جہیز

میں، مگر کوئی نہیں کہتا کہ بیوی تم پر تعلیم یافتہ، اور تعلیم یافتہ ہو کر یہ کیا کرتی ہو؟
 البتہ اب کچھ دن سے اس کی شادی میں سادگی کا آغاز بھی نظر آنے لگا ہے مگر وہ
 سادگی بھی کیسی کہ جس کے سامنے دنیا کی تمام دھوم دھام شرائے اور فضول خرچی
 جھک کر سلام کرے، اور ہاں اس تمام فضولی اور فضول خرچی پر اس کے جبین میں
 کتب خانہ بھی دیا جاتا ہے، کئے کبھی رہی،

باوصف اس فضیلت کے اس کی منگنی سے لیکر ولیمہ تک میں وہ تمام جاہلانہ رسوم
 ادا کی جاتی ہیں جو اس کے شہر اور اس کی برادری کے جاہل طبقات میں رائج
 ہوتی ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ ہر رسم میں دولت کی کثرت کے باعث ذرا نظری
 شناسنگی پیدا کر دی جاتی ہے، چنانچہ یہ رسم کی پیروی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس
 کے ہاں کی ہر تقریب میں ہماری آپ کی تغایب سے زیادہ بلبے بجائے جاتے
 ہیں اور ہم سے آپ سے تو یہ آگرے اور لکھنؤ کی ریل کی کار یہ تک لیکر آتی
 ہیں اور اس کے ہاں محض "انعام" کی امید ہے کہ ایک کے اوپر ایک ریل کی ہوتی
 ہے کہ پہلی آتی ہے، اس کے گھربارات کیا آتی ہے اچھا خاصا بادشاہوں کا جلوس
 آتا ہے، بارات میں اذن والے تو ہوتے ہی ہیں مگر جن راستوں سے اسکی بارات
 گزرتی ہے اس پر منہ چھپائے ہوئے اچھے اچھے بیرسٹر لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے
 کھڑے ہوتے ہیں اور اس راستے کے تمام دو منزل اور سہ منزل کمانوں کی کھڑکیوں
 سے ننھے میاں کی والدائیں صاف صاف اور کہیں کہیں "کچھ کچھ جانتی رہتی ہیں"

اس کی بارات کے ہجوم میں اُسے کے ہاں کا انتظام کرنے والے بعض بے اذن غنڈوں کو سبیا طمانچے سے مارتے بھی جاتے ہیں مگر غنڈے ہوتے ہیں کہ مارے تلمشے کے شوق اور باغ بہاری لوٹنے کے جوش میں بارات میں تمام راستہ شریک ہوتے ہیں، اکثر باراتی موٹروں میں بیٹھے ہوئے چلتے ہیں اور موٹر کے اندر سے دوسرے پا پیادہ باراتیوں کو اس انداز سے دیکھتے جاتے ہیں کہ دیکھو ہم موٹر میں جا رہے ہیں، اس کی بارات کے اذن کو لڑتو موزی صاحب کے سوا دنیا کا ہر آدمی اپنی اور اپنے خاندان کی عزت سمجھتا ہے، مگر دولہا اور دلہن کے والد صاحب ان باراتیوں سے اتنا بھی نہیں کہتے کہ ”آپ کا شکریہ کہ آپ اپنے ذاتی اور قیمتی لباس کو پنکر میری اولاد کی تقریب میں شریک ہوئے بلکہ اُلٹا قاعدہ یہ ہے کہ دولہا اور دلہن کے دولت مند والد صاحب پانچ سیر وزن کا مٹھ بنائے ہوئے کسی کرسی پر بیٹھے رہتے ہیں اور باراتی انھیں جھک جھک کر سلام کرتے ہیں، بس باراتیوں کو بڑی خوشی اس بات کی ہوتی ہے کہ ہمیں اذن تو آیا تھا، شامیانوں کے نیچے بڑے ادب سے بیٹھے اور رنڈیوں اور بھانڈوں نے ہنگام شروع کیا، گو آپ رنڈی کے ناج اور گانے میں محو ہوتے ہیں مگر ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں دولہامیاں یا دلہن کے والد صاحب تو تشریف نہیں لارہے، اور اگر ان والدوں میں سے کوئی ایک والد بھی اس رنڈی کے جلسہ میں آگئے تو تمام باراتی نوکریاں اور خادموں کی طرح تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے اور رنڈی نے بھی زمین سے ہاتھ نکال کر انھیں آداب عرض کیا، اب آپ کی مجال نہیں جو ان والد صاحب کی موجودگی میں آپ کسی نمایاں

تیکے سے کُنی لگا کر اور اکر کر بیٹھ سکیں اور نہ آپ زندگی سے بطریق داد کہہ سکتے ہیں
کہ کیا کہنا ہے مٹی جان،

سُبحان اللہ ذرا پھر کہنا اس شعر کو،

بھئی واللہ سنا ذرا ملازموزی صاحب کس قیامت کا شعر کہہ رہی ہے،
آخر ہے نا حضرت خسرو کا کلام،

اور بھئی حق یہ ہے کہ اس غزل کا کہنا بھی مٹی جان کا کام ہے،
اور نہ غنڈے چلا کر کہہ سکتے،

ہائے رے مار ڈالا،

کیا ناناچ رہی ہو پیاری،

واہ واسانپ بل کھا رہا ہے،

ذرا ادھر تو آؤ،

یہ منگل خاں داد کو تو سلام کر لو، اُدھر کیا ناناچ رہی ہو،

لو یہ لورو پیہ، ادھر تو دیکھو وہ قادر بھٹیا بھی روپیہ دے رہے ہیں،

ہاں صاحب آگرے والی ہے آگرے والی،

ارے ادھر تو آواز ہی نہیں آتی،

ذرا وہ تو سناؤ وہ سے میرے مولیٰ بلالے سینے مجھے،

غرض جب تک دولہا اور دلہن کے والد صاحب محل میں بیٹھے رہتے ہیں، نہ زندگی بے تکلف

ہو کر گاتی نہ باراتی چلا کر داد دے سکتے،

یہی حال اندر عورتوں کا ہوتا ہے، گو کہنے کو اندر بھی پیشہ و عورتیں گاتی رہتی ہیں مگر اس درجہ بدحواسی کے ساتھ کہ کہیں دو لہامیاں، یا دامن کی والدہ صاحبہ ناراض نہ ہو جائیں البتہ جب کسی وقت دو لہا کے والدیا دامن کے والدیا والدہ کسی سے پوچھا مذاق فرماتی ہیں تو اُس وقت دوسرے باراتیوں کو خوش ہو لینے کی ہمت ہوتی ہے مگر یہ مذاق اور باہمی چھیڑ چھاڑ چند منٹ کے لئے ہوتی ہے اور پھر دولت مندی کا خمر شروع ہو جاتا ہے، باراتی عورتیں ایسی محفل میں اپنے چھوٹے بچوں کے رونے اور چلانے سے ڈرتی رہتی ہیں، یہ اپنے ہاں کی باراتوں کی طرح نہیں کہ بچ محفل ہی میں بیٹھی اپنے بچے کو دودھ پلا رہی ہیں، اور پیشاب بھی کرا رہی ہیں، آپس میں لڑتی بھی جاتی ہیں اور گاتی بھی جاتی ہیں، البتہ جب اس محفل کی بڑی بڑی عورتیں آپس میں مذاق شروع کرتی ہیں تب اس محفل کی چھوٹی چھوٹی عورتوں کو ہنس کرات کرنے کا موقع ملتا ہے، مگر ان بڑی عورتوں سے پھر بھی چھوٹی عورتوں کو مذاق کا حوصلہ نہیں ہوتا،

عام طور پر رخصتی کے وقت غریبوں میں لڑکی کے ماں باپ چلا چلا کر بھی روتے ہیں اور آہستہ بھی، اور بار بار دو لہا کو بلا کر کہتے ہیں کہ دیکھو بیٹے ہم نے تمہیں اپنا خون جگر دیا ہے اسے پیار سے رکھنا، اس کی بُرائیوں پر نہ جانا، خدا کے حوالے کیا،

اللہ تمہیں آپس میں محبت دے،

ابھی نادان ہے اس کی باتوں پر نہ جانا، وغیرہ،
 مگر اس کے ہاں قلم کے اثر سے اس قسم کا معاملہ نظر نہیں آتا، صرف والدہ صاحبہ عام عورتوں
 کی نظر بچا کر ذرا آبدیدہ ہو جاتی ہیں، مگر والدہ صاحبہ مسکراتے ہی رہتے ہیں،
 دلیہ کے دن باد صفت تعلیم یافتہ ہونے کے پلاؤ بھی حاضر ہے اور زعفر بھی، کباب بھی،
 اور بریان بھی، ڈبل روٹی بھی، اور توس اور کھن بھی، اور یہ اس لئے کہ ”ماہر تناول“
 فرمانے والوں میں ”کہیں کہیں انگریز بھائی بھی مع اپنے نفعے میاں کی والدہ کے ٹوپی
 اتارے ڈٹے رہتے ہیں، اور لیڈر لوگ تو ایسے ولیمے میں پولیس کے روکنے سے
 بھی باز نہیں رہتے، البتہ کہیں کہیں اتنی سادگی نظر آنے لگی ہے، کہ ولیمے کے دام کسی
 یتیم خانے اور انجمن میں بھیج دیے جاتے ہیں، سو وہ بھی یہ اپنے گاندھی کے رو رو کر
 سمجھانے سے اور رضا کاروں کے ”کپٹنگ سے“ پھر بھی اس سادگی کے ہوتے ہوئے
 ہزاروں کی تعداد ہی میں روپیہ برباد کیا جاتا ہے، مگر ملازموزی صاحب کو ان کی
 کتابیں چھپوانے کے لئے کچھ نہیں دیا جاتا، جس سے دنیائے علم و ادب میں اُن کا نام نہ
 رہے، اور کتب خانوں میں دجال کے خروج تک محفوظ رہے،
 علی شائستگی کے باعث چونکہ گھر کے عام حالات منتظم ہوتے ہیں، اور دولت کافی اس
 لئے اس کی اور ساس کی لڑائی نہیں ہوتی، اور ہوئی بھی تو یا تحریر میں یا نہایت مختصر،
 وہ تو اپنے ہاں کی ساس بہو ہوتی ہیں کہ ساس کے پاؤں دبائے تو بہو، ساس کا بستر
 درست کرے تو بہو اور گھر بھر کے لئے روٹی پکائے تو بہو، مگر یہاں جو کچھ کر تلے خادم یا

خادمہ، اسی لئے اس قسم کے گھروں میں بیاباؤ باجہ بجا ہوا سنانی دیتا ہے، اور شام کے وقت دولہا ٹھنڈی سڑک پر، دُلسن اور ساس بھی ٹھنڈی سڑک پر اور سسر بھی، اس قسم کے گھر میں اگر خدا نخواستہ لڑکا پیدا ہو جائے تو سمجھ لیجے کہ اب تک اگر قیامت نہ ہوئی تھی تو اب ہو کر رہیگی، جہاں میلاد شریف کا اعلان ہوا کہ سب سے پہلے شاعروں پر مصیبت آئی، اب تو بھی قصیدہ کہہ رہا ہے اور میں بھی، یہ بھی قصیدہ کہہ رہا ہے اور وہ بھی اخبارات میں کہ وہ مبارک بادیں چھاپ رہے ہیں، کہ نہ دیکھی نہ سنی، گھر میں ہے کہ جشن پہلے، اسے بھی انعام اُسے بھی انعام، مجھے بھی انعام تو تجھے بھی انعام، جوڑے پر جوڑا ہے کہ آ رہا ہے، اور بلبے پر باجہ ہے کہ بج رہا ہے، مولویوں اور پنڈتوں سے ہیں کہ فائلیں نکلوانی جارہی ہیں اور نام یہ ہے کہ تمام خاندان اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، ابھی بچہ گوارے ہی میں ہے کہ ڈاکٹری علاج شروع ہو گیا، جہاں اس نے غیر معمولی انگریزی لی کہ جرمنی تک کے ڈاکٹر بھاگے چلے آ رہے ہیں، بیوی کی نبض بھی دیکھی جارہی ہے اور بچے کے بھی آلے لگائے جارہے ہیں، اور والد صاحب کے تو اگر دس اپریشن کر دئے جائیں تو غم نہیں، اس لئے کہ خدائے اُنھیں ”اولادِ نرینہ“ جو عطا فرمادی ہے،

اس قسم کے بچے کی پرورش اور تربیت اس درجہ شان اور اہتمام سے شروع ہوتی ہے، کہ اگر اس ایک کے انتظام سے ملازموزی صاحب کے دس بچوں کی پرورش اور تربیت کی جائے تب بھی کچھ روپیہ فاضل ہی بچ جائے، مگر اس قدر اہم پرورش

اور تربیت میں چونکہ عام انسانی قاعدوں سے اونچا اہتمام کیا جاتا ہے، اسی لئے ایسی اولاد تعلیم یافتہ ہو کر بھی عام انسانی خواص اور ضروریات سے کما حقہ واقف نہیں ہوتی، بس ہاں اعلیٰ درجہ کے ریشمی قمیص، چُست پاجامے، کوٹ، ٹائی، ہکا اور بوٹ پہننے میں طاق نچلتی ہے، اور نام یہ ہوتا ہے کہ تعلیم یافتہ ماں باپ کے تعلیم یافتہ بیٹے جرمنی سے پاس ہو کر آرہے ہیں، اس لئے جلو بمبئی تک استقبال کرنے، اس قسم کی بیوی کا یہ حال بڑھاپے میں بدل جاتا ہے، اور کچھ شک نہیں کہ وہ بڑھاپے سے قریب ہوتے وقت بعض کام اتنے بھی بلند قابلِ احترام اور حیرت انگیز کر گزرتی ہے کہ باید شاید، بشرطیکہ وہ اخبار بھی پڑھتی رہتی ہو، خصوصاً قومی کاموں میں اس کا چندہ اس کے مضامین اور اس کی تقریریں حد سے سوا مفید اور یادگار احترام کی مستحق ہوتی ہیں، مگر ایسی تعداد ابھی ایک فی صدی بھی اس لئے پیدا نہیں ہوئی ہے، کہ ہندوستان کی کل آبادی ۳۵ کروڑ سے بھی اونچی ہے،

اس کے وجود سے ہندوستانی عورتوں میں انگریزی تہذیب، انگریزی لباس انگریزی زیور، انگریزی تفریح، انگریزی علاج، انگریزی کھانوں، اور انگریزی زبان نے کافی سے زیادہ رواج پایا ہے، کیونکہ شروع ہی سے تعلیم نام رکھا گیا ہے انگریزی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کا، اسی لئے تو یہ ہمارے آپ کے ننھے میاں کی والدائیں اگر فارسی یا عربی زبان میں تمام دنیا کے سقراطوں، بقراطوں اور افلاطون کے علوم پڑھ کر رکھ دیں تب بھی انھیں کوئی تعلیم یافتہ کہنے کو

تیار نہیں، غرض اس کے لباس، اس کے جسم اور اس کے گھر کی ایک چیز سے بھی پتہ نہیں چلتا کہ یہ ہندوستان کی بنی ہوئی بیوی ہے، حالانکہ تعلیم مگر صحیح تعلیم کا اثر ہونا چاہئے کہ تعلیم یافتہ انسان اور انسانی، اپنے ملک اور اپنے قومی آداب و عادات کی عزت کرے، دیکھو نا یہ آخر یورپ کی اعلیٰ تعلیم یافتہ بیویوں کو یہ ایک دن بھی آپ کے ہندوستان کی پشواڑ کو ہاتھ نہیں لگاتیں، فی الجملہ یہ تمام کمزوریاں اس لئے زیادہ اعتراض کے قابل نہیں کہ ابھی اس قسم کی بیوی کی تعلیم کا یہ شروع زمانہ ہے، اس لئے بھنگی آنے پر یہ حد سے سوا احترام کی اس لئے مستحق ہو جائیگی کہ دولت مند کی بیٹی ہونے پر اس نے تعلیم تو پائی اور بریل سبق یاد کرنے کی مصیبت تو برداشت کی،

یہ اپنے شوہر سے بہت زیادہ محبت کرتی ہے، اس لئے کہ اُسے دن رات بیٹھے بیٹھے خیالی محبت کرنے کے سوا چلکی تھوڑا ہی چلانی پڑتی ہے، اس کے ذمہ کا تمام کام جب اس کے خادم اور خادمہ کر لیتے ہیں تو یہ محبت کے سوا کیا کرے، البتہ وہ قومی کاؤں سے دلچسپی لینے کے بعد بہت زیادہ کام کرتی ہے،

منتظم، اولوالعزم، فیاض، ہمدرد، مصائب کے اندر نہایت جبری، ذی حوصلہ، اور شوہر پر جان تک قربان کرنیوالی، حسین و جمیل نفیس نازک، صرف فرصت کے اوقات میں سینا کا تماشہ دیکھنے کی شائق، اولاد کی تربیت، اور اعلیٰ تعلیم پر چرچیں، جاہلانہ رسوم سے کافی حد تک بیزار، بس جیسی ہمارے ننھے میاں کی والدائیں، فقط،

خفیہ بیوی

یہ بیوی ہندوستان کی حیاۃ اجتماعی، ان کی دولت، ان کے اخلاق اور ان کے بین الاقوامی وقار اور اعزاز کے لئے نہایت درجہ ذلت انگیز اور برباد کرنے والی ہے، یہ ماں باپ سے پیدا ہونے کے بعد جن مقامات اور جن حالات سے بیوی بنتی ہے وہ یہ ہیں،

مکانات کے برآمدے، کوٹھے، اناریاں، ٹھنڈی سڑک، پارک، اسکول آتے جاتے خطوط، ناول، ٹھٹیر، سینما، غزلوں، ادبی رسالوں کے افسانوں، پھر افلاس، ماں باپ کی دولت مندی سے آزادی، اور کبھی کبھی طبعی افتاد، اور لالچ سے، اس کا شوہر بھی بدترین اخلاق اور ذلیل تر ذہنیت کا انسان ہوتا ہے، اسی لئے وہ اس بیوی کے لئے حقوق شکنی، قانون شکنی اور مذہب شکنی تک پر آمادہ ہو کر چوری، سنیہ زوری، اغواء، قتل، عدا، اقدام قتل، اور کبھی کبھی "قتل عام" سے بھی باز نہیں رہتا، اور رزات کے وقت لے بھاگنے کی مشق تو بہت خاصی ہوتی ہے، اور اسی لئے یہ سب سے پہلے خاندان پر حملے اور پھر پولیس والوں کے لئے مصیبت بن جاتا ہے اور مصیبت بن جاتی ہے،

زیادہ مقدار میں اس کا شوہر کنوارا نہیں بلکہ بیوی والا ہوتا ہے، یہ بغیر منگنی کے ایک دم

پوری بیوی بن جاتی ہے، اس کے باضابطہ نکاح میں صرف ملازمہ بیوی اور اس کے شوہر کا ایک دوست شریک ہو سکتا ہے، تاکہ قانوناً ڈوگواہ، کہے جاسکیں، نکاح سے پہلے یہ اور اس کا شوہر جس درجہ مشکلات اور مالی مصیبتوں میں مبتلا ہوتا ہے، نکاح کے بعد یہ مصیبتیں حد سے گزر جاتی ہیں، اب یہ شوہر گھر کا رہتا نہ گھاٹ کا، چنانچہ سب سے پہلا عذاب جو اس کے شوہر پر مسلط ہوتا ہے وہ یہ کہ اب یہ اس بے حیا بیوی کے لئے اپنے محلے سے دور ایک مکان کرایہ پر لیتا ہے اور اس گھر میں عام انسانی ضروریات کے اوزار عرف سامان فراہم کرتا ہے، ایک ڈیڑھ ملازم یا ملازمہ رکھتا ہے، دن بھر اس گھر سے غائب رہتا ہے، مگر اس کا دل اسی گھر کے دروازے پر پڑا رہتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں موقع پا کر بھاگ نہ جائے، وہ نوکری کرتا ہے مگر دل مغ اسی الجھن سے تباہ ہوتا رہتا ہے، کہ کہیں بھاگ نہ جائے، وہ رات کو اس گھر میں آتا ہے مگر اس طرح کہ ہر قدم پر ڈرتا ہے، لرزتا ہے، کانپتا ہے، بھگتا ہے کہ کہیں محلے والے مارے جو توں کے میرا سر پھاٹنا نہ کر دیں، کہیں ملازمہ بیوی صبا کو خبر نہ ہو جائے کہیں پولیس والے میرا تعاقب نہ کر رہے ہوں، یہی حال اس بیوی کا ہوتا ہے، کہ وہ دن بھر شوہر سے جدا رہنے اور تنہائی کے اذیت میں ادنے سی آواز اور حرکت سے کانپ جاتی ہے، کہ کہیں میرے والد کو میرا پتہ نہ چل گیا ہو، کہیں بھائی نہ آگیا ہو کہیں پولیس والے نہ آگئے ہوں، اور کہیں ملازمہ بیوی صبا میرے والد سے جا کر نہ کہہ دیا ہو کہ وہ تمہاری بیٹی فلاں گھر میں موجود ہے، ان خطرات

کے بعد وہ تنہائی میں اس کُھن سے گھٹتی رہتی ہے، کہ

ہے شیطان تو نے کیسی میری مٹی پلیدی،

مجھے موت کیوں نہ آگئی کہ میں نے اپنے خاندان کی آبرو اس کُنجت مٹاؤ موزی کیلئے برباد کر دی

اور اب یہ مٹاؤ موزی یقیناً میرا ساتھ چھوڑ دیگا، لعنت ہے میرے اوپر،

اے خدا تو اب مجھے موت دیدے،

اور اے خدا تو اس مٹاؤ موزی کو غارت کر دے جس نے مجھے میرے گھر سے نکالا

اور اب مجھے پوچھتا نہیں اور اپنے بیوی بچے میں خوش ہے، یا کبھی تھا کہ میری

خوشامدیں کرتا پھر تا تھا،

اچھا تو اب مجھے یہاں سے بھی ہٹا کر مٹا دیا ہے،

نہیں نہیں میں بڑے گھرانے کی بیٹی ہوں اس لئے مجھے غموشی سے زہر کھا کر مٹا دیا ہے،

ان دونوں کو اس عذاب میں مبتلا کر اس کے شوہر کی پہلی بیوی جو دعا کرتی رہتی ہے

وہ یوں ہوتی ہے کہ

اے خدا تو اُس بد ذات سے میرے شوہر کو بچا،

اے خدا تو اُس بے حیا کو موت دے،

اے خدا تو اُس پر اپنا قہر نازل فرما جس نے میرے شوہر کو مجھ سے اور میری اولاد سے

جدا کیا،

عین اسی حالت میں اگر سابق بیوی کے پاس کوئی عورت چلی جائے تو اُس سے یہ بیوی

جو گفتگو کرتی ہے وہ یوں ہوتی ہے کہ،
 آہ بہن کیا کہوں تم سے کہ کیوں بیمار ہو رہی ہوں،
 اور بیمار کیسی بہن اب تودعا کرو کہ خدا مجھ کو جنت کو جلد ایمان سے اٹھالے،
 تو کیا تمہیں خبر نہیں بہن کہ وہ یعنی (شوہر) کب سے مجھ سے علیحدہ ہو چکے ہیں،
 آہ بہن آج پورے تین سال ہوتے ہیں کہ اُنہوں نے ایک خفیہ نکاح کر لیا ہے اور مجھ
 دُکھیا رسی کی صورت سے بیزار ہیں، وہ تو یہ بچوں کا واسطہ اور کچھ اپنے باپ کا ڈھب ہے
 کہ دن میں گھنٹے سوا گھنٹے کو آجاتے ہیں، سو ایسے بدعواس کہ بات کرو کہیں کی اور جواب
 ملے کہیں کا، اور مجھ سے تو وہ اُسی وقت سے بات چیت بند کر چکے ہیں جب سے وہ پری
 اُن کے نکاح میں آئی ہیں،
 کون؟

اے بہن وہی جو تمہارے مکان کے سامنے والے پتے مکان میں رہتے ہیں اُن کی بھلی بیٹی،
 ہاں رہنے والی تو یہاں کی نہیں گراؤس کے ماں باپ کو آئے ہوئے ایک عرصہ ہو گیا،
 خیر میں تو اب چلی قبر میں مگر غم ہے تو ان بے قصور بچوں کا کیونکہ وہ تو اپنے ہوش میں نہیں
 ہیں، اور خدا کی قسم بہن اگر تم آج کل اُن کا چہرہ دیکھو گی تو کبھی نہ سچا لوگی کہ یہ ملا رتوڑی ہیں
 تو وہ تو دن رات اُسی غم میں گھلے جا رہے ہیں،
 اے خدا تمہیں اجر دیکھا بہن اگر تم ملا رتوڑی صاحب سے مجھے کوئی تعویذ لا دو گی،
 مگر بہن آج کل تو نہ کوئی تعویذ کام دیتا نہ میری دعا ہی قبول ہوتی،

خیر تمہارا کہنا بھی پورا کرتی ہوں، خدا اسی سے اُنھیں راہِ راست پر لے آئے،
 تو لو یہ پانچ روپیہ، اور اللہ کی قسم میں نے تو خفیہ طور پر اپنی تعویذ گنڈوں میں اپنا تمام
 زور بھنسا دیا مگر کروں کیا کہ ایک چیز کا بھی تو اثر نہیں ہوتا، خدا جانے اُس بد ذات
 نے کونسا جادو کیا ہے اُن پر کہ وہ ہیں کہ جب پڑھتے ہیں تو اُسی کا کلمہ پڑھتے ہیں،
 خیر تو اب یہ بتاؤ کہ یہ تعویذ تم کب تک لاؤ گی،

اور دیکھو بہن میری طرف سے علمِ تلامّوزی، صاحب سے بات جو بڑھ کر کہہ دینا کہ تلامّوا صاحب
 خدا نے آپ کو دین کا بزرگ بنایا ہے اور یہ ایک نیک کام ہے، اگر اللہ نے آپ کے تعویذ
 سے اُن کو سیدھا کر دیا تو میں عمر بھر آپ کی لونڈی بن کر رہوں گی،

اس کے بعد ظاہر ہے کہ تعویذ گنڈوں سے کبھی کبھی نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز غلط دین اور جاہلوں
 کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ پہلی بیوی اپنے شوہر کے غم میں اب اس قدر بیاہ رہتی ہے
 کہ بالآخر یادہ مرجاتی ہے یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اس خفیہ بیوی کی اطلاع پاتے
 ہی پہلی بیوی اپنے میکے میں چلی جاتی ہے، اور اس کے ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس
 کے خفیہ بیوی والے شوہر پر عدالت میں اس عنوان سے مقدمہ چلاتے ہیں کہ
 نمبر ایک یہ کہ تلامّوزی، صاحب اپنی بیوی کو دن کے دو بجے سے عصر کی نماز کے بعد تک مارنے میں
 نمبر دو یہ کہ تلامّوزی، عاقلیہ اپنی بیوی کو کپڑے نہیں دیتے،

نمبر تین یہ کہ تلامّوزی، عاقلیہ اپنے بچوں کو پاس تک نہیں آنے دیتے، اور نہ اپنی بیوی
 سے بات کرتے،

نمبر چار یہ کہ ملا رموزی مہینوں گھر میں قدم نہیں رکھتے، اور یہ سب کچھ اس لئے
کہ اس ملا رموزی معاملہ نے ایک خفیہ نکاح کر لیا ہے اور اگر عدالت معائنہ کرے تو ہم
بتا سکتے ہیں کہ ملا رموزی کی یہ خفیہ بیوی وہ سینا کے سلسلے والے مکان میں رہتی ہے

اس لئے

نمبر پنج یہ کہ عدالت ہماری لڑکی کا مبلغ بیس ہزار روپیہ مہر ملا رموزی کی ذات اور عباد
سے دلا کر ہماری لڑکی کے طلاق کی کارروائی عمل میں لائے، اور ہاں صرفہ مقدمہ بھی
ملا رموزی کی تنخواہ سے دلائے،

اس کے بعد یہ خفیہ بیوی والے ملا رموزی صاحب یا عدالت میں ذریعہ سمن، وارنٹ
گرفتاری، یا پھر ذریعہ وکیل تشریف لیجاتے ہیں جہاں ان دونوں کے رشتہ کا یوں اظہار ہوتا ہے
کیا تم فلاں کی فلاں لڑکی کے شوہر ہو؟
اچھا تو پھر بتاؤ کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح کب ہوا؟

کہاں ہوا؟

کس وقت ہوا؟

کس کے سامنے ہوا؟

کس طرح ہوا؟

کس کے کس سے ہوا؟

اچھا جس وقت یہ نکاح ہو رہا تھا یا ہو نیوالا تھا یا ہونے کے قریب تھا یا بس ہونے ہی بنا

کے بعد وہ تنہائی میں اس گھنٹے سے گھنٹے
 ہے شیطان تو نے کیسی میری
 مجھے موت کیوں نہ آگم کہ
 اور اب یہ طائرہ
 اے خدا

اور ایک اور چیز جو اس سے زیادہ مہم ہے اس سے باوجود جو کہ یہ ایک کتاب
 مدخلی آپ کو دین کا بزرگ بنایا ہے اور ایک نیک کام ہے، اگر اللہ نے آپ کے قلوب
 سے ان کو سیدھا کر دیا تو میں عمر بھر آپ کی فوجی بن کر رہوں گی،

اس کے بعد ظاہر ہے کہ تنوید گندوں سے کبھی کچھ نہیں ہوتا، بلکہ یہ چیز خلافت دین اور جاہلوں
 کو لوٹنے کا ذریعہ ہے اس لئے یہ پہلی بیوی اپنے شوہر کے غم میں اب اس قدر بیمار ہوئی ہے
 کہ بالآخر زیادہ مر جاتی ہے یا دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ اس خفیہ بیوی کی اطلاع پاتے
 ہی پہلی بیوی اپنے میکے میں چلی جاتی ہے، اور اس کے ماں باپ اور بھائی وغیرہ اس
 کے خفیہ بیوی والے شوہر پر عدالت میں اس عنوان سے مقدمہ چلاتے ہیں کہ
 نمبر ایک یہ کہ ملا رتوزی صاحب اپنی بیوی کو دن کے دو بجے سے عصر کی نماز کے بعد تک اپنے مکان
 نمبر دو یہ کہ یہ ملا رتوزی مدعا علیہ اپنی بیوی کو کپڑے نہیں دیتے،
 نمبر تین یہ کہ ملا رتوزی مدعا علیہ اپنے بچوں کو پاس تک نہیں آنے دیتے، اور نہ اپنی بیوی
 سے بات کرتے،

ہوئی ہینوں گھر میں قدم نہیں رکھتے، اور یہ سب کچھ اس لئے
 ہادی نے ایک خفیہ نکاح کر لیا ہے اور اگر عدالت معائنہ کرے تو ہم
 ہادی کی یہ خفیہ بیوی وہ سینا کے سامنے والے مکان میں رہتی ہے

عدالت ہماری لڑکی کا مبلغ بیس ہزار روپیہ ہمارے ہادی کی ذات اور بچہ
 ہمارے لڑکی کے طلاق کی کارروائی عمل میں لائے، اور ہاں صرفہ مقدمہ بھی
 اور ہادی کی تنخواہ سے دلائے،

اس کے بعد یہ خفیہ بیوی والے گھر ہادی صاحب یا عدالت میں ذریعہ سمن، وارنٹ
 گرفتاری، یا پھر ذریعہ وکیل تشریف لیجاتے ہیں جہاں ان دونوں کے رشتہ کا یوں اظہار ہوتا ہے
 کیا تم فلاں کی فلاں لڑکی کے شوہر ہو؟
 اچھا تو پھر بتاؤ کہ اس لڑکی سے تمہارا نکاح کب ہوا؟

کہاں ہوا؟

کس وقت ہوا؟

کس کے سامنے ہوا؟

کس طرح ہوا؟

کس کے سے ہوا؟

اچھا جس وقت یہ نکاح ہو رہا تھا یا ہو نیوالا تھا یا ہونے کے قریب تھا یا بس ہونے ہی تھا

یا ہونے ہی کو تھا یا بالکل ہو رہا تھا تو اُس وقت تمہارا مُنہ کس طرف تھا، اور تم کس رنگ کے کپڑے پہنتے تھے، اور تمہارے مُنہ میں یا مُنہ کے کسی حصے میں پان بھی تھا یا نہیں، یا اگر مُنہ میں پان تھا تو اُس میں الائچی بھی تھی یا نہیں اور اگر الائچی تھی تو اُسے کس دکان سے خریدا تھا اور خریدتے وقت اُس دکان پر کوئی اور گاہک بھی تھا یا نہیں، اور یہ کہ تم الائچی کب سے کھانا سیکھے، اور کس کے کسے سے کھانا سیکھے، تم نے نکاح سے پہلے کبھی الائچی کھائی؟ اچھا تو یہ بتاؤ کہ جب تمہارا نکاح اس خفیہ لڑکی سے ہوا اُس وقت تم اپنی پہلی بیوی اور اپنے خاندان والوں سے اپنے ذمہ کے حقوق معاف کر چکے تھے نہیں؟ اور بتاؤ کہ جب ایک بیوی اور اُس کے چند بچے پہلے سے موجود تھے تو تم نے اس خفیہ بیوی سے کیوں نکاح کیا؟ اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس خفیہ نکاح کی تحریک لڑکی نے کس رنگ کے لفافے کو ذریعہ کی تھی اور یہ لفافہ اس نے کس بھروسے سے باہر پھینکا تھا، اور تم اس لفافے کا جواب دینے شرب کے کتنے بجکر کتنے منٹ پر اس خفیہ لڑکی کے مکان کے قریب پھونچے تھے؟ اور اُس وقت اس خفیہ لڑکی کی ملازمہ کو کس قسم کی آواز دیکر تم نے لفافہ لیجا نیکو بلایا تھا؟ اچھا مانا کہ خفیہ لڑکی اپنی ملازمہ کے ذریعہ تمہیں خط بھیجا کرتی تھی، اور تم ملازمہ کو رشتہ دیتے تھے تو یہ

بتاؤ کہ کبھی اس ملازمہ نے تمہیں یہ دھمکی کیوں نہ دی کہ دیکھو اگر آئندہ تم کوئی خط

ہماری بیگم صاحبہ کے نام لیکر آؤ گے تو ہم تمہارا خط بیگم صاحبہ کے والد کے سیدھے ہاتھ میں دیدیں گے، اچھا یہ بھی مانا کہ آجکل گھر کی خدمت کا رعبور تین جاہل اور عکس ہوتی ہیں اس لئے وہ لالچ میں آ کر ایسے کام کرتی رہتی ہیں اس لئے عدالت کی چاہئے کہ وہ اپنے گھر کی لڑکیوں کو ہمیشہ ماما، دایہ اور ملازمہ سے علیحدہ رکھے، مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے اتنے بڑے کے بیٹے ہو کر اس خفیہ لڑکی کے خط کو اپنے حلقے کے داروغہ یا کو تو ال کو کیوں نہیں دیدیا تاکہ وہ اس کے باوا کو بلا کر بتا دیتے کہ

اے اباؤ تو دیکھ تو میرے حلقے کا گو بہت بڑا آدمی ہے مگر اندھے دیکھ یہ تیری لکھی پڑھی لڑکی نے ملا رموزی صاحب کے لڑکے کو کیسا خط لکھا ہے، بس اگر آئندہ تو نے اپنی بے حیائی اور عیش پسندی سے اپنی اولاد سے بھی غفلت برتی تو پھر یہ حوالات کی تنگ و تاریک کوٹھری ہوگی، بس جا میرے سامنے سے مردود، اے شرم نہیں آتی تجھ کو شیطان بنا پھرتا ہے، اتنا بڑا آدمی اولاد کا تیری یہ حال ہے بے غیرت بس جا اگر آئندہ تیری بیٹی نے گھر میں ہارمونیم باجہ بجایا ہے تو مزا چکھاؤں گاتھ کو، ہاں ہاں بے حیایہ باجہ بجانے ہی سے لکھی پڑھی لڑکی میں آوارگی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں وہ دیکھ کبھی تو نے ملا رموزی صاحب کے گھر سے بھی باجے کی آواز سنی؟ اور سن اگر اب تو نے کبھی شادی سے پہلے اپنی لڑکی کو مپ جوتا پہنایا ہے تو تیرے حق میں چھانہ ہوگا، اور اُسی دن تیرا چالان کردوں گا بے غیرت، اے ہاں ہم کہتے ہیں تجھ سے کہ جوانی کے عالم میں لڑکی کو نہایت سادہ، میلا اور ادنیٰ قسم کا لباس

پہنانا چاہئے، بس زبان بند کر، تو کیا جانے انسانی خواص کے اُن نازک نکتوں کو اچھا تو اگر تم نے اس خفیہ لڑکی کے خط کو حلقے کے کوڑا ل کو نہیں دیا تھا تو پھر تمہیں یہ اندیشہ کیوں نہ پیدا ہوا کہ وہ جو میری پہلی بیوی گھر میں تین معصوم بچوں کے ساتھ بیٹھی ہے اس کے مصارف اور حقوق میں فرق نہ آئیگا، اچھا تو اگر تم نے اپنی اس مدعیہ بیوی کو ملّا رموزی صاحب کے ذریعہ اطلاع دیدی تھی کہ اب میں فلاں صاحب کی خفیہ لڑکی سے شادی کر رہا ہوں تو کیا تم ملّا رموزی صاحب کو شہادت کے لئے حاضر عدالت کر سکتے ہو؟ اب اگر آپ نے کہہ دیا کہ ہاں تو بس پھر آپ کی بیوی کے اس جھگڑے کو تمام دنیا میں شہرت دینے کے لئے ملّا رموزی کے نام اس قسم کا حکم آجائیگا

”ہر گز عدالت کے پاس اس امر کے باور کرنے کے لئے بے شمار وجوہ موجود“

ہیں کہ تم بمقتدرہ سماء فلاں بنت فلاں بنام سہمی فلاں ابن فلاں کے خفیہ نکاح اور اُس کی تفصیلات کو اس درجہ کھول کھول کر بیان کر سکتے ہو کہ جواب نہیں لہذا تم کو ذریعہ ہذا پابند کیا جاتا ہے کہ تم مورخہ ایک اپریل ۱۹۳۱ء

بوقت تواخت ۱۲ بجے دن کے حاضر عدالت ہو کر بیان دو اور جو تم نے اس معاملہ میں کسی حیلے یا بہانے سے کام لیا تو حسب دفعہ فلاں، قانون فلاں، مجریہ فلاں، نمبری فلاں، ضمیمہ ایکٹ فلاں کی دفعہ فلاں ترمیم شدہ ضابطہ فلاں تعزیرات فلاں بابہ سنہ فلاں بہ منظور ری گورنر جنرل، اجلاس کونسل ممبئی مقابل کارروائی مل میں لائی جائیگی، آج ہمارے حکم اور مہر عدالت سے

جاری ہوا،

دستخط بھٹا انگریزی حاکم عدالت منسلح فلاں، بلدہ فلاں، اور شہر فلاں،

اس کے بعد جو ملازموزی صاحب گواہی کے لئے پھونچے تو ایک بے لکھے پڑھے چپراسی نے چلا کر اور تین مرتبہ کہا کہ
ملازموزی گواہ حاضر ہے؟
ملازموزی گواہ حاضر ہے؟
ملازموزی گواہ حاضر ہے؟

اب جو ملازموزی صاحب اجلاس پر پھونچے تو ایک طرف سے آواز آئی کہ کہو کہ میں جو کچھ بیان کروں گا خدا کو حاضر ناظر جان کر اور بہ اقرار صراح، اس کے بعد عدالت نے سوالات شروع کیے
کیا آپ مساتہ فلاں مدعیہ کو جانتے ہیں؟ اور کیا آپ سخی فلاں ابن فلاں بی، اے، پاس کو بھی جانتے ہیں جو اس مقدمہ میں مدعا علیہ ہیں،

اچھا تو بتائیے کہ ان بی، اے پاس مدعا علیہ نے اپنی حقیقی بیوی کو چھوڑ کر اُس خفیہ لڑکی سے خفیہ نکاح کیا، تو آپ اُس نکاح میں خود شریک تھے یا کسی سے سنا تھا؟
آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ جو خفیہ نکاح ہو رہا ہے اس میں اس خفیہ لڑکی نے محض اپنے دولت مند عیش پسند اور بڑے گھرانے کے ماں باپ کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر یہ آوارگی اختیار کی؟

اچھا کیا آپ کو یاد ہے کہ وہ ۱۹۱۸ء میں جبرمنی کی لڑائی ہوئی تھی اُس وقت مدعا علیہ

کہاں ملازم تھا؟

اور وہ جو سچے غدر میں ایک لڑکی شہر بریلی سے بھاگی تھی اُس وقت آپ کی عمر کیا ہوگی؟ ہاں اندازے سے بتائیے، گھبرائیے نہیں،

اچھا ملا صاحب یہ جو آپ مضامین لکھتے ہیں تو ان کا موازنہ آپ نے ۱۹۲۹ء میں کتنا پایا تھا اور ۱۹۳۱ء میں کتنا؟

اور اچھا ملا صاحب یہ بتائیے کہ لوگ باگ آپ کے مضامین پڑھتے وقت تو مارے خوشی اور لطف کے آپ کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور جب روپیہ سے امداد کرنے کا وقت آتا ہے تو یہی لوگ بے وقوف، بھولے، نادان اور گدھے کیوں ہو جاتے ہیں، اور آپ کی نقد امداد سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں، یا پھیر لیتے ہیں اور پھیر لیتی ہیں؟

اچھا تو جب دعا علیہ نے اس خفیہ لڑکی سے نکاح کیا تو آپ نے خود دیکھا تھا کہ اس خفیہ لڑکی کے والد صاحب اور بھائی صاحب بیٹھے تاش کھیل رہے تھے اور انھیں غیرت کا پسینہ نہ پیشانی پر آیا نہ نعل کے اندر؟

اچھا ملا صاحب گھبرائیے نہیں اور یہ تو بتائیے کہ آپ نے دعا علیہ سے جب یہ کہا تھا کہ دیکھو ادا الحق اس خفیہ نکاح سے تو اور تیرا خاندان دنیا میں عمر بھر ذلیل رہے گا تو اُس وقت دعا علیہ کے پاس کوئی اور شخص بھی موجود تھا؟

غرض اس قسم کے مقدمہ کا فیصلہ دو تین سال میں یہ ہوا کہ

”روداد مثل سچ ثابت ہے کہ دعویٰ دعا علیہ کی پہلی بیوی ہے اور اُسے دعا علیہ

کے خفیہ نکل کھینے سے جو صدمہ ہوا ہے اُس سے اُسے دق کا مرض بچا ہے، جیسا کہ ڈاکٹر انصاری صاحب کے مسئلہ مثل سرٹیفکیٹ سے ثابت ہے اور ڈاکٹر صاحب کو عدالت خود جنگ بلقان کے زمانے سے جانتی ہے، اور حبیب اکمل رموزی صاحب گواہ نمبر ایک کے بیان سے ثابت ہے اور عدالت خود ملا رموزی صاحب کو جانتی ہے، کہ تمام دولت مند لوگ ملا صاحب کے مضامین سے خوش ہوتے ہیں مگر انھیں نقد روپیہ دینے میں ہمیشہ گھبراتے ہیں، لہذا عدالت کے نزدیک ثبوت کافی ہے اس لئے

حکم ہوا کہ

اعلیٰ اگر اپنی خفیہ بیوی کے پاس رہنا چاہتا ہے تو رہے، مگر اپنی پہلی بیوی کا ہر تعدادی مبلغ بیس ہزار روپیہ اپنی اور اپنے والد صاحب کی جائداد منقولہ اور غیر منقولہ سے نصف اس وقت ادا کرے اور نصف ملا رموزی صاحب کو دیدے تاکہ وہ اس روپیہ سے ایک دارالاشاعت قائم کیے زبان اردو میں بہترین اور لطیف کتابیں لکھ کر قوم کو فائدہ پہنچاتے رہیں

خرچہ فریقین ذمہ فریقین،

دعویٰ اور وکیل مدعی کی اطلاع جاری کھائی جائے، آج میرے دستخط اور مہر عدالت

سے جاری ہوا۔

اس عام رسوائی اور ذلت کے بعد یہ بیوی ایک مرتبہ آپ کے نکاح سے بھی بھاگ جاتی ہے

نکاح سے بھاگ جانے کا یہ مطلب ہے کہ خفیہ نکاح والوں میں ”دائمى اتحاد“ کی وجہ باقی نہیں رہتی، محض اس لئے کہ ابتداء میں کسی خاص جذبے کے تحت دونوں مشتعل ہوتے ہیں اور اسی اشتعال کے تحت ایک دوسرا تمام نقصانات اور ذلتوں کو برداشت کر کے رشتہ پیدا کرتے ہیں، لیکن اس رشتے کے پیدا کرنے سے پہلے دونوں زیادہ نقصانات برداشت کر چکے ہوتے ہیں، اس لئے اب جو نکاح سے سکون حاصل ہوا تو اب پچھلی غلطی اور نقصانات یاد آکر اس حاصل شدہ سکون کو برباد کرتے رہتے ہیں، اس لئے کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس بیوی کو شوہر صاحب ہی پہلے راستہ بتاتے ہیں، اور پھر اپنے پُرانے بیوی بچوں سے جاملتے ہیں اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ خفیہ بیوی صاحبہ کسی دوسرے ملا رتوڑی صاحب کے ساتھ پنجاب میل کے ذریعہ ممبئی اور اگر موقع مل جائے تو ولایت تک بھاگ جاتی ہیں، اور یہ فرار کر زکی قوت اُن کے اندر اس لئے پیدا ہو جاتی ہے کہ ”فرارِ اول“ کے وقت ان کے نادیدہ شوہر نے ان کے لئے جو اسباب عیش فراہم کئے تھے زمانہ گزر جانے پر اب اُس رنگ کے اسباب فراہم نہیں ہو سکتے، دوسرے اس لئے بھی یہ فرارِ عمل میں آتا ہے کہ اپنے گھر سے بھاگتے وقت مزاج اور غیرت میں جو ضعف اور ذلت پیدا ہو جاتی ہے وہ اب کسی دوسرے فرار سے نادم نہیں ہونے دیتی، اس لئے ایسی بیوی کے لئے سُنلہ ہے کہ عمر بھر اُس کے نئے نئے نکاحوں کا سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا،

اس قسم کی بیوی سے شوہر کی ذہنی قوتیں برباد ہوتی رہتی ہیں، اور اسی لئے ان میں خوشگوا کی جگہ پچھلی غلطیوں کی یاد ان کے ہر عیش کو برباد کرتی رہتی ہے،

اس کی اولاد بھی بے حد بزدل، کمینہ صفات، بے حیا، اور ذلیل اعمال اولاد ہو ا کرتی ہے، اور خصوصاً شوہر اس کی اولاد کی تربیت اور پرورش پر کبھی اُس جوش سے متوجہ نہیں ہوتا جس جوش سے وہ اپنی پہلی اولاد کی طرف متوجہ رہتا ہے،
البتہ اگر بچا گئے والی، اونچے اور شائستہ گھرانے کی ہے تو وہ اپنی پہلی خطا کے حجاب سے اس شوہر کے حق میں بے حد وفادار، جاں نثار، منتظم اور اولاد کی پرورش میں بھی بے حد سلیقہ مند ہوتی ہے مگر کئی کے ساتھ،

اس قسم کی بیوی کے لئے یہ امر نہایت درجہ ضروری ہے کہ یا بیوی اعلیٰ درجہ کے گھرانے کی بھاگی ہوئی ہوگی، یا شوہر صاحب اعلیٰ گھرانے سے بھاگنے والے ہوں گے، کیونکہ ایسے مشاہدات کم ہیں جبکہ ایک فاقہ کش لڑکی ایک فاقہ کش مزدور کے ساتھ بھاگی بھی ہو اور بیوی بن کر عمر بھر بڑی لیاقت سے بیٹھی بھی رہی ہو،
یہ بڑھا پلے ٹپکی پار سا، بڑی عبادت گزار، اور بڑی نیک ہو جاتی ہے، امور خانہ داری سے فاضلی واقف اور زیادہ مقدار میں لکھی پڑھی،

فی الجملہ اس کی مجموعی تعداد دوسری بیویوں سے کسی طرح کم نہیں، البتہ اس کی صحیح تعداد جو ظاہر نہیں ہوتی وہ اس لئے کہ اس کا ہر معاملہ خفیہ ہی رہتا ہے اور رکھا جاتا ہے، پھر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اگرچہ بھانج اس کو شرعاً مغزو و ممتاز بنا دیتا ہے، مگر اطلاقاً ہمارے ننھے میاں کی والدہ کی قسم کی عورتیں اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھتی ہیں، اس لئے خدا اس سے بچائے آمین،

اور ہاں وہ خوب یاد آئی کہ کبھی کبھی جب یہ بیوی بے کے شوق میں گھر سے فرار ہوتی ہے
تو اس کے رشتہ داروں کی ”رپٹ“ لکھانے پر یہ کو تو الی میں اس طرح بھی نظر آتی ہے،
کہ ایک موٹے سے کو تو ال صاحب جائیاں لیتے جاتے ہیں اور اس سے کہتے جاتے ہیں

اری ادھر کو ذرا،

کھول منہ اپنا تاکہ تجھے پہچانوں،

ہے تجھ پر خدا کی مار،

اری کجنت آخر یہ کیا کیا تو نے؟

تو تجھے شرم نہ آئی اس حرکت سے؟

آہ کس کی بیٹی ہے اور کہاں نکلی ہے،

اری مر جا کجنت اس بے حیا زندگی سے،

کھولو جی داروغہ جی اس کا صندوق دیکھو کہ کیا کیا چیزیں لیکر بھاگی ہے،

اچھا بند کیجی اسے حوالات میں صبح کو اس کا بیان لوں گا میں،

ادھر ہاں داروغہ جی ذرا سویرے ہی اس کے باوا کو بلالینا حلقے نمبر چار سے،

ہاں ہاں جی وہی تیس مارغاں صاحب جن کی یہ صاحبزادی ہیں،

لعنت ہے ایسے تیس مارغاں پر،

اری ہاں سن تو ذرا میری بات،

ادھر آ ادھر،

دیکھ یہ تو بتا کہ تو اب بھی اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہے، یا نہیں؟
 ہاں ہاں ٹھیک ہے بذاتِ تو اب کا ہے کو واپس جائیگی،
 اچھا تو داروغہ جی اس کا بیان تو ابھی لے لو آپ اور صبح کو اس کے باوا کا بیان
 ہو جائے گا،

ہاں تو بتا تیرا پورا نام،
 اچھا تو جب ملازمی تجھے بھگانے گیا ہے تو اُس کے ساتھ تو دروازے سے نکلی تھی یا دیو آ
 پھانڈ کر بھاگی؟

ذرا زور سے جواب دے ورنہ ملا خچہ دوں گا اُٹے ہاتھ کا، تو منہ سے ٹون ڈال لیگی
 ابھی بد معاش کہیں کی،

اور جب نہ غیرت آئی جب گھر سے بھاگی تھی تو؟

اور ہاں ذرا ادھر آؤ میاں ملازمی صاحب،
 کیوں جناب یہ آپ نے کیا حرکت کی؟
 ہاں ہاں سچ کہتے ہو آپ،

یہی بد معاش ہے،

اجی وہ تو میں کہنا کہ مجھے اس کو تو الی میں آئے ہوئے یہ گیارہواں برس ہے مجھے تو اس
 گھر کی سب کیفیت معلوم ہے وہ آج سے چند سال پہلے اس بذات کی خالہ بھی تو بھاگی تھی اسی طرح،
 کیوں جی داروغہ جی صاحب یاد ہو آپ کو وہ جب ہم آپ اُسے ریل گاڑی سے اتار کر لائے تھے اسٹیشن سے؟
 ان حالات پر فیصلہ کیجیے کہ یہ بیوی شوہر کے حق میں کتنی مفید ہو سکتی ہے؟ فقط،

اپنی بیوی

اس بیوی کا شوہر "اخبار نویس قوم"، کافر، مصنف اور ادیب برادری کا رکن ہوتا ہے، پھر ایسا عظیم الشان رکن کہ اُس کی تحریری قیادت و رہنمائی کے لطیف اثرات پشاور سے لیکر مدراس اور کلکتے سے لیکر ممبئی تک قبول کئے جاتے ہیں، اور اُس کی شہرت و بلند آواز گی ہندوستان سے کل کر کے شریعت اور جنوبی افریقہ تک کے اُن لوگوں میں پہنچی ہوئی جو ہندوستانی ہیں اور اُردو کے اخبارات، رسالے اور کتابیں پڑھتے ہیں، اُس کی محبت اور اُس کی عزیز تر منزلت کے لئے کو تو والوں کے دلوں میں بھی جگہ ہوتی ہے اور سی، آئی، ڈی والوں کی آنکھوں میں بھی، اُس کی تحریر کی آزادی، بے باکی، جرأت، نکتہ آفرینی و حکمت آموزی، نکتہ چینی و فاش گوئی میں وہ لطافت و شیرینی کہ تو بھی قربان اور میں بھی قربان، یہ بھی نثار اور وہ بھی نثار اس کے طنز و طعن اور اصلاحی شدت بیان سے نہ تانگے والے محفوظ، نہ تمباکو فروش محفوظ، نہ ایڈیٹر محفوظ، نہ لیڈر محفوظ، نہ حکومت محفوظ، نہ شاہانِ سطوت پناہ کو پناہ، نہ جموٹے پیر فقیر محفوظ، نہ تعویذ نگار اور گنڈہ نویس "محفوظ، نہ اسکول والے محفوظ، نہ اسکول والیاں" محفوظ، نہ ہندو محفوظ، نہ مسلمان نہ سکھ نہ پارسی، نہ غریب نہ امیر، نہ وہ برطانیہ کے مسٹر لائٹ جابروں کو پناہ، نہ فرانس کے پانچیا روں اور نہ اٹلی کے مسولینیوں کو امان، نہ جرمنی کے

مہنڈن برتوں کو ڈھیل، بس اگر اس میں کوئی تحریری عیب ہوتا ہے تو یہ کہ نقد روپیہ دینے والوں، نقد نوٹ اور اشرفیاں دینے والوں کی خوشامد کرتا ہے، اور صاف کہہ بھی دیتا ہے کہ ”یہ خوشامد ہے“

یہ ایک نہایت غریب گھرانے سے پیدا ہوتا ہے اور غریب اُستادوں سے تعلیم پاتا ہے، سو وہ بھی دین اسلام اور شریعت اسلام کی، یہ ٹل و ڈل کی نہیں، مگر پھر جو اس کی تحریریں ایم، اے پاسوں میں مقبول ہوتی ہیں تو صرف اس لئے کہ
 ۱۔ قبول عام و سخن گسٹری خدا داد است

یہ جسم اور صحت کے لحاظ سے نہایت باریک مہین اور افسردہ صورت کا ہوتا ہے اسے دیکھ کر کہا جاسکتا ہے کہ یہ کوئی لطیف انشا پرداز اور ادیب نہیں، بلکہ کسی کا رخانہ شکر سرائی کا درجہ سوم مزدور ہے، وہ باوصف انتقد مقبول و محبوب ادیب اور مضمون نگار ہونے کے دن کی روشنی میں ایک نیلام کے قابل بائیسکل پر بیٹھا ہوا گزارے اور ملازمت کی فکر اور پریشانیوں میں یوں مبتلا پھرتا ہے، کہ اُس کی فکر کی ناز بھی قضا ہوتی ہے مگر اُس کی قوم اُسے اس بدحواسی میں مبتلا پا کر بھی اتنا ہی کہتی ہے کہ کوئی عمدہ سا مضمون تو سناؤ، مگر جب وہ رات کی تاریکیوں میں امریکہ کی دھواں اُڑانے والی لائین کے سامنے لکھنے بیٹھتا ہے تو اُس کا دماغ گلزار و گلشن کی فردوس آفرین رنگینوں اور لطافتوں، مناظر قدرت کی شباب افروز اور جمال آرا صنعتوں حسینیوں کی عالم آشوب نراکتوں اور نفاستوں علم و ادب کی فصاحتوں

اور ملّا غتوں، سیاست و نظم مملکت کی عقل آزا ترکیبوں اور تدبیروں، شعراء و فصحاء کی تاویلوں اور تاثیروں، ارباب حرب و ظلم کی خونریزیوں، خون آشامیوں، اصحاب دولت و مقدرت کی تن آسانیوں اور عیش سامانیوں ادیان و مذاہب کی خدا شناسیوں اور خدا دانیوں اور خواص انسانی کی نازک تربیشیاریوں اور نادانیوں، غرض تمام قسم کی "نین" پر حاوی ہوتا ہے اور ندرت و لطافت، سلاست و حکمت اور اصلاح و ترقی کے وہ سین و دلفریب نکات و جواہر صفحہ کاغذ پر کھیرتا ہے کہ دشمن بھی پڑھے تو کئے حبذا اور دوست پڑھے تو کئے مرعبا، اور یہ سب کچھ اس لئے کہ وہ اپنے ہر کام میں خود کو خدائے عرش و جاں آفریں اور وحدۃ لا شریک کا بندہ بے قید اور بنی عرب و عجم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غلامان غلام بناتا ہے، اور کہتا ہے،

پھر ایسے دماغ والے شوہر کو جتنی حسین، جتنی پری، جتنی بیدار مغز، جتنی ذی ہوش، جتنی تعلیم یافتہ، جتنی دولت مند، جتنی تیز و طرار، جتنی محبت کرنے والی، اور جتنی نفیس بیوی کی ضرورت ہو سکتی ہے ظاہر ہے، اور اسی دماغی صلاحیت کی بنا پر وہ کوشش کرتا ہے کہ اُسے جو بیوی ملے وہ مذکورہ بالا قسم کی ہو، اور عجب انگیزات یہ کہ اُسے ایسی بیوی حاصل ہو جانے کی کوشش میں ذی مقدرت رؤساء و ارباب اقتدار خاص امداد بھی دیتے ہیں، مگر رسم پرستی اور جاہلانہ معتقدات و ملحوظات کے تحت اُسے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ "غریب گھرانے کی بیوی" کرے، اس لئے کہ دیکھو میاں اگر تم نے کسی بڑے

گھرانے کی بیٹی بیاہی تو ساس سُسر ہمیشہ اُس کی نظر میں ذلیل و خوار رہیں گے، اور دیکھو میاں وہ ہر بات پر اپنے دولت مند ماں باپ پر غرور کرے گی اور ہمیں ذلیل سمجھے گی،

اور دیکھو میاں یہ اسکول کی پڑھی ہوئی ویسے بھی زبان کی بہت تیز اور گستاخ ہو کر نئی بہن اور دیکھو میاں وہ جتنے بڑے گھرانے کی ہوگی اتنا ہی اونچا لوازمہ اور ساز و سامان طلب کریں گی، اور ہم تم ویسے ہی کیا کچھ کم غریب ہیں، تو ایسی صورت میں ہم کس طرح اُس کی فرمائشیں پوری کریں گے؟

اور دیکھو بھئی ہم تو خود جس حیثیت کے ہیں ویسی لڑکی بیاہنا چاہتے ہیں، اور جو تم کسی رئیس، کسی امیر اور کسی اسکول ہی کی لڑکی سے شادی چاہتے تو تمہیں تمہارا نفس کا اختیار رہے، مگر پھر ہم سے کوئی علاقہ نہ رکھنا، اور سُن لو وہ تمہارے چچا میاں کیا کہہ رہے ہیں؟

ہاں بیٹے بات تو ٹھیک فرما رہی ہیں تمہاری نانی اماں، کیونکہ گوتم باشا، اللہ آجکل کے 'عظیم دارنوجوان' ہو، مگر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ ان معاملات میں تم ابھی ہمارے تجربہ کو نہیں سمجھتے ہو، اور وہ دیکھو ناوہ میاں غلام قادر خاں نے اپنے بیٹے کی شادی جب سے جاگیر دار صاحب کی لڑکی سے کی اُس وقت سے وہ اپنے بیٹے ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں، اب اُن کے صاحبزادے صاحب ہیں کہ مالدار بیوی کے غلام ہو کر رہ گئے ہیں، اب وہ نہ ماں باپ کو پوچھتے ہیں نہ بہن بھائی کے شریک،

تو میاں اب اگر ایسی ہی شادی تم بھی چاہتے ہو تو بقول تمہاری نانی اماں کے تمہیں تمہارے
 نفس کا اختیار ہے، ہماری رائے تو ہم تو یہی کہیں گے کہ تم اسی لڑکی پر راضی ہو جاؤ
 جس کے لئے نانی بی فرما رہی ہیں،

ہاں ہاں مانتے ہیں کہ لڑکی جاہل ہے اور ایک حرف نہیں جانتی مگر یہ کتنی بڑی بات
 ہے کہ مانے ہوئے پٹھان کی بیٹی ہے، اور اُس کے خاندان کے ایک ایک آدمی کو میں
 آج سے نہیں جب سے جانتا ہوں کہ تم ماشاء اللہ اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے
 اور بولتے کیوں نہیں ہیں خالو میاں آپ؟

ہاں بھئی کیا بولوں اب آجکل کے لونڈے تو اپنے بڑوں و دربرگوں کو اتنا سمجھتے ہیں،
 ار بھئی یہی عیب ہے ناکہ لڑکی ان پڑھ ہے مگر یہ بھی سوچا ان صاحبزادے نے کہ تم آخر
 اُس سے کیا ملازمت کراؤ گے، پھر نکلی پڑھی کی شرط کیسی؟

اور ہم نے تو ایسیوں کا جو حشر دیکھا ہے بس اے خدا تو بچا نا ہر مسلمان بچائی کی اولاد
 کو ایسی رسوائی سے،

ار بھئی وہ سامنے تو ہے تمہارے وہ سکڑ صاحب کے لڑکے کی نکلی پڑھی سیوی کا
 معاملہ، استغفر اللہ لاول ولاء،

خیر تو بچائی بھگڑا ہی کیا ہے، اگر ان میاں کو ہماری خاطر منظور ہے تو اس لڑکی کو
 منظور کر لیں ورنہ یہ جانیں اور ان کے حمایتی جانیں،
 خدا کی شان ہے ماموں صاحب،

کہ آجھل کے لونڈے کس درجہ بے حیا ہو گئے ہیں جو اپنے بزرگوں سے یوں کہتے ہیں کہ لڑکی ہم خود نہ دیکھیں گے جب تک شادی ہی نہ کریں گے، اور اماں میاں فرمائیے کہ ہماری آپ کی بھی شادیاں ہوئی ہیں، اور ہمارا آپ کا بھی جوانی کا زمانہ تھا کہ اُس زمانے کا لائق سے لائق لڑکا بھی ان معاملات میں مُنہ سے ایک حرف نہیں نکالتا تھا بس جو کچھ اُس کے بزرگوں نے کر دیا اُسے صبر و شکر سے قبول کر لیا، اور اسی لئے تو اب میاں صاحب اُس زمانے کے ہر کام میں برکت تھی، اور خدا بھی خوش رہتا تھا،

اچھا تو بس نانی بی چُپ ہو جائیے آپ اب اگر ان میاں کو ہم لوگوں کی مرضی پر چلنا ہے تو پھر یہ جو آپ نے لڑکی پسند کی ہے یہ موجود ہے اور آج مجھے اُس کے چچا ملے تھے کیسے غریق اور کیسے سچے مسلمان کہ خدا کی قسم مصافحہ کرتے ہی مجھے گلے لگایا اور فرمانے لگے کہ میاں اشرف علی میرے بھائی کی بیٹی کو تم اپنی ہی سچی سمجھو، اسی طرح تمہارا بیٹہ میری اولاد ہے پھر یہ کیا ہے کہ کل عورتوں کو بھیجو گے تو پرسوں لڑکے کو سلام کے لئے لاؤ گے، بس تم تو حکم خدا و رسول کے موافق بسم اللہ کرو، نیک کام میں جلدی کرنا ہی اچھا ہوتا ہے، اور ویسے بھی تمہاری مرضی، لڑکی موجود ہے جب چاہو آکر دیکھ لو، ہاں بھی اُس میں تو شک نہیں کہ بڑے بھیا صاحب نے اُسے لکھایا پڑھایا نہیں ہے، ہمیشہ اپنے ساتھ دیہات پر رکھا، یہاں تک کہ خدا کی قسم اُس لڑکی کو بڑے بھیا نے آج تک یہ کھڑی ٹری کا جوتا بھی نہیں پہنایا، بس بھئی شریفوں کی بیٹیوں کی طرح وہ تو سینا پرونا اور چو لھا چکی جانتی ہے، آگے تمہاری مرضی، ہم زور نہیں دیتے کہ تم ہماری ہی لڑکی سے کرو،

یوں قسمت پھوڑی جاتی ہے آج کل کے تعلیم یافتہ، روشن خیال، ترقی یافتہ اور جدید ذہنیت کے نوجوانوں کی ان مسئلہ قبل مسیح کی پیدائش کے بزرگوں کے ہاتھوں، گویا ایک جوشاد کی کرتابہ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ ان جاہل اور رسم پرست رشتہ داروں کے لئے، نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی بیوی کا شوہر بھی ایسے ہی بزرگوں کے ہاتھوں ہلاک ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنی اُن تمام کوششوں کو برباد کر دیتا ہے، جو وہ اپنی ہی ذہنیت، اپنی ہی قابلیت اور اپنی ہی ایسی عقل کی لڑکی تلاش کرنے کے لئے کر رہا تھا، اس لئے ایسے شوہر کو جیسی ملتی ہے وہ یوں ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسے گھرانے میں جنم لیتی ہے، جہاں عورتوں کو تعلیم دنیا گناہِ عظیم سمجھا جاتا ہے، اس لئے صرف یہی نہیں کہ اسے پانا جانا اور یاد کر سچے اور معنے والی کتابیں نہیں بڑھائی جاتیں بلکہ قاعدہ بغدادی کے آئیوون، تائمیون، راکعون، ساجدون، نککٹھا کر جو ٹھنڈی دی جاتی ہے تو غریب کو نماز روزے تک کے مسائل نہیں سمجھائے جاتے، بس سارا خاندان اس خیال سے خوش رہتا ہے کہ خدا نے مٹی تو دی اللہ اس کی قسمت سے شوہر بھی اچھا دلائے، یہی حال امور خانہ داری، آداب شوہری اور مسرالی ضوابط سے بے خبری کا پھول ہے، بس پلنگ کے تکیوں پر لال پیلے رنگ کے تلگے سے ایک آدمہ آڑا تر چا پھول بنا کر لڑکی کو خود اطمینان ہو جاتا ہے، کہ میں پھول بھی تو بنا لیتی ہوں اور میرے اندر کیا چاہیے ادھر کچھ زمانے کا آلہ تفریح بھی یہ رہا ہے کہ بے ایمان افسر کو ایماں دار ماتحت ملتا ہے، مذہب کے دشمنوں کو دولت و حکومت ملتی ہے، مسجدوں میں بیٹھ کر یونان و رومہ کے حکماء و فلاسفہ کے علوم پڑھنے والوں کو مساجد کی امامت اور مردہ شوقی کی روزی، اور کالجوں کے بے نماز

اور بٹے ہوئے ایم، اے، پاسوں کو بنگلہ بھی، موٹر بھی، اسی طرح حسین و نازک بیوی تو سی
اور دیو صورت شوہر، اور صاحب شعور و کمال مٹاڑ تیزیوں کو بھونڈی اور کندہ ناتراش
بیویاں، اور وہ دیکھو ناکہ اگلے وقتوں میں شہر شیراز میں ایک حافظ صاحب ہی کہتے ہوئے مرے کہ

سہ اسب تازی شدہ مجروح بہ زیرِ پالال

طوقی زرتیں ہمہ در گردنِ خمی بسیم،

اور اس زمانے میں وہ اٹھکستان کے دل کا سرور اور آنکھوں کا نور چارلی چیلین ایسا
خوش دلی و خوش طبع اور روتوں کو نہانے والا ظریف ایلٹز ایک ایسی ہی، بھونڈی، بد
قوارہ، اور ناقدر داں بیوی سے اُلجھا دیا جاتا ہے، جس کے ساتھ مارے مقدمے بازیوں کے

بے چارے کی ساری زندہ دلی اور خوش مذاقی خاک میں مل جاتی ہے، وہ تو کیئے کہ چارلی
چیلین ایک کمال پرو قوم کا فرد ہے جو اپنے ہاں کے ہزمندوں اور صاحبانِ کمال پر
دولت کے خزانے قربان کرتی ہے، اس لئے چارلی چیلین اپنی دولت مندی کے باعث

اپنی اس علامتہ وقت بیوی سے طلاق کے ذریعہ جلد نجات پا جاتا ہے، مگر جب آپ ایسے
ہندوستانی کمال پسندوں میں کا کوئی قومی انشا، پرواز مبتلائے مصیبت نظر آتا ہے، یا
مبتلائے بیوی،، تو آپ لوگ اگر حد سے سوا قدر دانی پر اُتر آئے تو ٹھنڈی سانس لیکر

ایک آہ بھری اور دوسری تفریحات میں مصروف ہو گئے، اب چاہے آپ کی اس بے
اعتنائی اور ہزنہ شناسی سے آپ کی زبان، آپ کے ادب، آپ کی اخبار نویس، اور
آپ کی تالیف و تصنیف کا ایک مایہ نازش فرد اپنی تنگ دستی سے مر جائے یا کوئی

ملا رموزی اپنی اس قسم کی بیوی کے ہاتھوں اپنی ملافت آفریں زندگی کو کھودے مگر دونوں صورتوں میں وہ نہ اس بیوی کو طلاق دے سکتا نہ کسی دوسری سے دوسرا نکاح کر کے بقیہ ایام قوم کی خدمت گزاری کی خاطر خوشگوار بنا سکتا، لعنت ہے ایسی رسم پرستی پر اور رحمت ہو ایسے میاں بیوی پر (آپ یہ سمجھنا کہ ملا رموزی صاحب غناق فرما رہے ہیں)

ہر کیفیت یہ بُندگوں کی لائی ہوئی بیوی صاحبہ، ہزاروں مسرفانہ اور جاہلانہ رسوم کے ساتھ جب شوہر کے گھر تشریف لاتی ہیں تو ”رسم غریبانہ“ کے تحت مہینوں ان کے اخلاق و عادات اور خواص و کمالات کا پتہ اس لئے نہیں چلتا کہ ان کے شوہر کے تمام رشتہ دار اس جوش میں ان سے محبت کرتے رہتے ہیں کہ یہ ان کی پسند کردہ اور آوردہ ہیں لیکن کب تک، اب جو انھیں امور غانہ داری کا ”مہاج“ دیا جاتا ہے، تو ہر کام میں صفر ایسے مواقع پر ان کے سسرال والیوں میں جو ”ذکرہ عورتانہ“ بپا ہوتا ہے وہ یوں کہ،

بہن ابھی دن ہی کٹنے لگے ہیں،

اور ویسے بھی ابھی بچی ہے،

آتے ہی آئیگا سلیقہ،

اور ابھی دن بھی تو عجب کے ہیں،

مگر کیوں بہن تو یہ غازی بھی تو نہیں پڑھتی ہیں دلہن،

تو وہ کمانا میں نے کہ بس شرماتی ہیں،

اے آپا اللہ کی قسم دُلہن کو آج دیکھ لیا میں نے وہ تو ناز بالکل ہی نہیں جانتی تھی،
تو بہ کرو ہیو کیسی باتیں کرتی ہو آخر مسلمان کی بچی ہے،
اچا تو تم مذاغرب کی ناز چُھپ کر دیکھنا اگر وہ صحیح صحیح پڑھ لیں تو جو چور کی سزا وہ میری،
اِنَّا لِلّٰہ ہے ہے بہن لڑکے کی تو قسمت ہی پھوٹ گئی، اے وہ کیا کہا تھا اس وقت تجلیہ
نے کہ بھابی جان کو صحیح ناز پڑھا بھی میں آتا، تو سچ تو کہا تھا اُس نے اُس وقت تو مجھے
یقین نہیں آیا تھا مگر جب سچ آیا یعنی ان ہیوی کا شوہر تو میں نے اُس سے دریافت کیا کہ کیوں
بیٹے تمہارے سامنے بھی دُلہن نے ناز پڑھی کبھی؟

بس کیا کہوں تم سے کہ مجھے کیسا قلق ہوا ہے جب لونڈے نے گردن جھکالی اپنی،
میں فوراً سمجھ گئی کہ لونڈا شرماتا ہے مجھ سے اور واقعہ میں دُلہن کو ناز نہیں آتی اس
لئے بہن اب میرا تو فرض تھا میں نے دُلہن سے جو دریافت کیا تو پہلے تو کچھ اُنھوں نے
چھپانا چاہا اس کو مگر بہن معاملہ تھا دین اسلام کا، اس لئے جب میں نے اُنھیں مجبور
کیا تو بے چارہ میری صاف صاف کہہ دیا کہ ہمارے خاندان میں بھی کوئی ناز نہیں پڑتا
ہے ہے بہن یہ سننا تھا کہ میں کانپ گئی،

اے بہن تو پھر میں پوچھتی ہوں تم سے کہ آخر یہ میاں تیس مارغاں نے کیا سکھایا
اپنی بیٹی کو یعنی دُلہن کے باپ نے؟
آہ بہن میرے تو تمام ارمان خاک میں مل گئے،

اور سنو اب میں کہنے پر ہی آئی ہوں تم سے تو اب کیا چھپاؤں تم سے؟

اے وہ جو کل میں نے بیوی سے (دُلسن سے) روٹی پکوائی تو یقین نہ کرو گی بہن تم کہ جو روٹی دیکھو وہ کولہ، اور اس پر جواب کیا دیا بیوی نے کہ ہم نے اپنے گھر پر روٹی پکائی ہی نہیں اب تو بہن آگ لگ گئی، اور میں نے کہا کہ دُلسن تو پھر تمہارے گھر میں کوئی ملازمہ بھی تو کبھی نہیں دیکھی پھر تمہارے گھر بھر کے لئے آخر چو لھے چکی کا کام کون کرنا تھا جو تمہارا یہ حال ہے؟

تو فرما نے لگیں کہ کرتا کون تھا، ہماری بھانجی صاحبہ سب گھر کو سنبھالے ہوئے ہیں، آہ بہن کیا کیا کہوں تم سے کہ اب ان بیوی کے کیا کیا راز کھل رہے ہیں؟ خیر سب جانے دو مگر یہ دیکھو کہ بیوی صورت کی بھی ایسی کھڑی (خشک) واقع ہوئی ہیں کہ ہم آپ اگر نیچہ کر کوئی ہنسی مذاق کی بات کریں تو جاہر کہ وہ اللہ کی بندی بھی کچھ ہنسے بولے تو اس کا نام تک نہیں بس جو ایک کونے میں مہنہ بنا کر بیٹھیں تو دن بھر کوئی نہ بولے تو وہ نہ گھبرائیں،

اب کہو تو بہن کہ بچے کا مزاج تو ہے ایسا کہ وہ رو توں کو نہاتا رہتا ہے اور بیوی آئی میں سو برس کی بوڑھی ہو کر، اب میں سوچتی ہوں کہ آخر اب ہو گا کیا؟ بیوی کیا بگم آئیں کہ لوڈے کی زندگی برباد کر دی، خیر وہ لکھی پڑھی نہیں تھیں تو نہ سی مگر بہن غریب تو کس کام ہی کی نہیں جو بات پوچھو اس کا یہ جواب کہ ہمارے خاندان میں تو ایسا ہوا ہی نہیں تو میں کہتی ہوں تم سے کہ آخر ان کے گھر میں پھر موتا کیا تھا؟

آہ صبر ہے بہن صبر،

اسے بہن میں تو لٹ گئی، تم دیکھنے والی ہو کہ میں نے اس بچے کے ارمان کے لئے کیا کچھ خرچ نہ کیا، بارات لے گئی تو ایسی کہ محلے میں کسی کی دیکھی ہو تو تم کھدو، رسموں میں کوئی ایک رسم چھوڑی ہو تو بتا دو،

مٹگنی، نکاح، اور ولیمہ جیسا کچھ کیلئے خدا جانتا ہے یا تم، ماں بہنیں دیکھنے والی ہو پھر اس پر بیوی کا دماغ تو دیکھو کہ آج شلواری کی فرائش کر رہی ہیں تو کل قمیص کی، آگے او بھی سنا تم نے اتھن کی بیوی نے اپنے منہ سے فرمایا کہ آپ جو سارے بھدوستان میں مشہور ہو تو ہم تب جانیں آپ کو کہ ہمیں بھی سارا ہندوستان دکھا دو،

مگر اے اللہ تو نے جیسا میرے بچے کو نیک کیا ہے ”علاء جان کے“ بچوں کو ایسا ہی نیک کرنا کہ اُس نے آج تک میرے سامنے اتنا بھی اشارہ نہ کیا کہ میں سمجھ لیتی کہ اُسے اس چھوہڑے سے کتنی تکلیف ہے،

خیر میں نے بھی بہن کنڈیا کہ بیٹے اللہ تمہیں ہزار سال کی عمر دے جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو گیا مگر اب انشاء اللہ میں کراتی ہوں تمہاری مرضی کی دوسری شادی، دیکھو تو اب میرا کوئی کیا کرتا ہے، بس بیوی رہیں اور روٹی کھائیں، میں لونڈے کی زندگی تو یوں برباد نہ ہونے دوں گی؟ اللہ نے اُسے کیا ہے بہن مرد کی صورت زندہ ہو تو انشاء اللہ ان ایسی دس لے آئیگا،

القسمۃ اس قسم کی بیوی کا شوہر جو میں گھنٹے اپنی بیوی کو روتا ہے مگر دس کی جگہ دوسری ڈیڑھ بیوی بھی نہیں کرتا، اس احساس کے کہ اپنے عیش کی خاطر وہ دوسرے متعلقین کے حقوق کو

کیوں پامال کرے،

ان حالات کے بعد جب اللہ پاک ایسی بیوی کو مبلغ ایک بیٹا عطا فرماتا ہے تو اس کے صاحبِ اولاد ہونے کا خیرہ آسمان سے اونچا ہو جاتا ہے، اب اس کی ہر حرکت میں وہ بڑھاپا نظر آتا ہے گویا ایک ہی بیٹے پر آپ دس بیٹیوں کی والدہ ہو چکی ہیں،

اب گھربار اور شوہر کی ہر ذمہ داری سے آپ ڈھائی میل دور مٹی اپنے اس گندے اور قحط زدہ سے بیٹے کو لئے اس ادا سے کھلا رہی ہیں گویا کوئی سوا سو برس کی دادی اماں اپنے پوتے کو سنبھال رہی ہیں، کہیں چھپ کر اُسے پیار فرماتی ہیں تو کسی کونے میں جا کر اُسے کپڑے پہناتی ہیں، اور جو کوئی محلے کی ان کے پاس آ جاتی ہے یا کوئی نند قریب بیٹھ جاتی ہے تو نہایت بوڑھے لہجہ میں اُسے اپنے لاڈلے کے خواص و عادات سناتی ہیں حالانکہ ابھی وہ دس دن ہی کا ہے اور آپ خود چودہ برس کی لونڈیا مگر بہت زیادہ گہری سانس لیکر فریادیں اُڑے کیا پڑا ہے سلام کر کھوپڑیاں کو،

ادھر دیکھ ادھر یہ میں چھوٹی چھوٹی تیری اوٹو،

فریاد اُٹھتے عمر تو دے پھر بتاؤں گی تجھ کو اس وقت کے سلام نہ کرنے کا تماشہ،
کیا بتاؤں غالبہ بی آپ کو کہ ابھی سے اس قدر شریر بن چکا ہے یہ کہ بیان نہیں کر سکتی، اور انھیں تو ایسا پچا تھپے کہ بس جہاں وہ گھر میں آئے اور اس نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا، وہ کھانا کھانے بیٹھے اور اس نے انھیں گھورنا شروع کیا،

مگر قسمت کا ایسا خراب ہے یہ کہ انھیں اس سے محبت نہیں، بلکہ خدا کی شان کے یہ متباہان

کی طرف بڑھتا ہے وہ اتنا ہی اس سے نفرت کرتے ہیں،

اری دیوانی ہوئی ہے تو دنیا کے باپ اول تو ہوتے ہی ہیں بے رحم جلاد، یا پھر انہیں بچے سے اُس وقت محبت ہوتی ہے جب وہ کھیلنے کودنے اور باتیں کرنے کے قابل ہوتا ہے، ابھی اللہ اُسے عمر دے وہ ہے کتنے دن کا؟

خیر خالہ بی خدا آپ کو خوش رکھے، کہ آپ نے مجھ بد نصیب کو اتنا سمجھا دیا، ورنہ اس گھر میں (سسرال میں) تو مجھے کوئی اتنا سمجھانے والا بھی نہیں، جب سے بیاہ کر آئی ہوں کیا بتاؤں کہ کیا کیا تماشے دیکھ رہی ہوں؟

ہاں خالہ بی سچ ہے کہ میرے ہی میکے والے ایسے کہاں کے میرے ہمدرد اور عاشق ہیں، یہ ہی دیکھو آپ کماشا، اللہ آج پورے چھ مہینے کا ہونے کو آیا مگر نہ تو وہ اس کے ماموؤں کو اس کے دیکھنے کا خیال آیا کسی اور کو، اور وہ حین کی اولاد ہے اُنھی کو خیال نہیں تو پھر سکایت کس کی؟

خیر خالہ بی ابھی تو کچھ نہیں کہتی بس ذرا خدا ان میاں کو ہوشیار کر دے، مزاج میں وہ ملیم اور خشکی کہ اس کا ظریف و لطیف شوہر اسے جتنا خوش رکھنا چاہتا ہے یہ اتنا ہی خشک چہرہ بنائے رہتی ہے، نہ اس کے چہرہ پر تہمت نہ نفی جب دیکھتے مانتی چہرہ سامنے موجود ہے، صفائی کے عوض گندہ پن وہ کہ اگر شوہر ایک ہفتہ میں لباس بدلے تو یہ پندرہ دن میں ہستی اور کالمی وہ کہ آٹھ بجے شب سے سوئے تو دوسرے دن کے آٹھ بجے صبح بھی اگر کوئی بیدار نہ کرے تو یہ بستر میں یوں نظر آئے گویا ابھی ابھی انتقال ہوا ہے،

روٹی اور کپڑے کے معاملات کے سوا دنیا کے ہر کام اور ہر معاملے سے کیسے خبر جو بے مری
 کہ خبریات کو دس مرتبہ سمجھاؤ اُسے بھی بھول جائے اور جسے ایک مرتبہ سمجھاؤ اسے بھی بھول جائے
 اس پر بھی مزاج میں ضد، اکڑ، غرور، غرہ، اور غموشی ایسی کہ صورت سے خوف معلوم ہو،
 ایسی ہو اگر تیری مٹاؤ موزیوں کی بیویاں، یعنی دنیا میں نہیں تو کم از کم ہندوستان میں بے مرضی
 شادی کے ۹۹ فیصدی نتائج ایسے ہی موجود ہیں، بالخصوص اربابِ علم و فضل اور اصحابِ بصیرت
 و فراست کو ہمیشہ ایسی ہی بیویاں نصیب ہوئی ہیں اور یہ صرف اس لئے کہ ہندوستان میں
 شادی کے ٹھیکیدار دو لھاؤ لسن کے ماں باپ اور رشتہ دار ہوا کرتے ہیں اور دو لھاؤ لسن
 آخر وقت تک ایک دوسرے کی صورت، سیرۃ اور عام حالات سے قطعاً بے خبر رکھ جاتے
 ہیں، حالانکہ اتنی سختی نہ شریعت میں جائز نہ قانون میں، مگر حالانہ رسم پرستی ہے کہ ۹۹
 فیصدی بے مرضی شادی کے ذریعہ ہندوستانیوں کی ”حیاء ازدواجی“ کو برباد کر رہی
 ہے، ممکن ہے کہ آج سے پچاس برس بعد انسان کے طبعی اور تمدنی ارتقاء کے باعث اپنی
 مرضی اور پسند کی شادیاں ہندوستان میں رواج پاسکیں، اُس وقت اگر موقع ملے تو
 آپ کے مٹاؤ موزی صاحب بھی دوسری شادی فرمائیں گے، انشاء اللہ
 اس قسم کی بیوی کی شادی کی رسوم اور تفصیلات کو اگر ملاحظہ فرمانا ہو تو مٹاؤ موزی کی لکھی ہوئی
 کتاب بنام ”شادی“ قیمتی جگا کو یا منیر صاحب رسالہ ”عالمگیر لاہور“ سے طلب کیجئے یا مٹاؤ
 موزی صاحب، بھوپال سے، یہ کتاب مسئلہ ۹۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔
 اب یہ آپ کی مرضی کہ آپ اس بیوی کو مٹاؤ موزی کی بیوی قرار دیں یا محض مرضی بیوی، خدا حافظ

کیسے لکھی؟

لِكُلِّ شَيْءٍ آفَةٌ وَلِلْعِلْمِ آفَاتٌ

آپ کتاب پڑھ چکے بظاہر تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اسے ایک حد تک مفید اور ایک حد تک لطیف پایا ہوگا، مگر مجھے جیثیت مصنف ایک اور بھی خیال ہے اور وہ یہ کہ آپ نے اس میں بعض کمزوریاں بھی پائی ہوں گی، اس لئے فطرۃً یا ذوقاً آپ نے اس کے محاسن کو مٹھا کر صرف اُنہی کمزوریوں کو سامنے رکھ لیا ہوگا، اس لئے ضرورت ہے کہ ان کمزوریوں کو اسباب بھی بیان کر دو پس ظاہر ہے کہ ایک مصنف اور ایک دماغی کام کرنے والے انسان کیلئے سکونِ کامل اور نشاطِ خاطر اُس کی پہلی ضرورت ہے، مگر ادبِ نصیبِ ہندوستانی اربابِ کار کو اگر یہ سب کچھ نہیں تو کم سے کم دو چیزوں کی ضرورت تو نہایت درجہ ضروری ہے، یعنی مالی فکرِ مندی سے اتنی فراغت کہ اُن کا دماغ کام کرتے وقت گزارے کی فکر سے متاثر اور پریشان نہ ہو لیکن اس کتاب کے لکھتے وقت مَلازمِ موزی گزارے کی طرف سے جس درجہ پریشان اور فکر مند رہا ہے خدا دشمن کو بھی اتنا پریشان نہ کرے،

ضابطہ مسلم ہے کہ مصنف اور ذی ہوش اہل قلم کا گھر اُس کے ذوقیات اور عمل کا مؤید و معاون اور حوصلہ بڑھانے والا ہو، لیکن قسمتی سے مَلازمِ موزی کا گھر اس اعتبار سے جس درجہ بے پروا بے خبر اور بے تعلق واقع ہوا ہے احمد مددگار کی تفصیلات اور تجزیات سے ملک کے شہرہ آفاق

لیڈر، ایڈیٹر، اور شاعر، اپنے ذاتی اور معنی مشاہدہ کے باعث کافی طور پر خبردار ہو چکے ہیں چنانچہ صوبہ سرحد کے نامور لیڈر قبلہ مولانا محمد عرفان سیکریٹری سنٹرل خلافت کمیٹی ممبئی، برادرم خان شفاعت اللہ خاں بی، اے، ایڈیٹر روزانہ اخبار ”پیغامِ دہلی“ شمالی ہند کے ممتاز شاعر مولانا ابوالاثر حفیظ جالندھری ایڈیٹر ”مجلہ سخنِ لاہور“ بذاتِ خاص مآثر موزی کے حالات و مواقع کو ملاحظہ فرما گئے ہیں، اور خود میں نے کبھی اپنی اس بے چارگی کو چھپائیگی کوشش نہیں کی تاکہ زمانہ دیکھ سکے کہ اُردو بولنے والوں کے اُردو لکھنے والے اس ۱۹۳۱ء میں بھی کس قسم کی پریشانی سے کام کرتے ہیں؟ لہذا ان حالات کے جو اثرات اس کتاب کے لکھتے وقت ظاہر ہوتے رہتے تھے وہ یہ تھے کہ

چولھے میں ڈالو تمہاری کتاب کو وہ یوسف خاں نے آج جواب دیدیا کہ اگر کل تک میرے پہلے کے دام نہیں دیئے تو اگلے مہینے گیسوں نہ دوں گا، اور وہ تمہارے بھلے بچے صاحب کے ماسٹر صاحب کا بھی انتظام کرو کیونکہ تین مہینے سے اُس غریب کو کبھی تنخواہ نہیں دی گئی ہے، وغیرہ،

بس یہ تھا ہمارا ماحول جس کے اندر ہم صبح سے شام تک تو پھرتے تھے اربابِ قدرت کے دولت خانوں پر اور شب کے داغ سوز اوقات میں اس کتاب کو لکھتے تھے، کاٹتے تھے، پھاڑتے تھے، جوڑتے تھے، ترتیب دیتے تھے، اور ایک ایک مسودہ کو دس دس مرتبہ مٹا کرتے تھے، اور صبح کے نو بجے تک شب کی ٹھکن سے سوتے کیا تھے بے ہوش پڑتے رہتے تھے، صبح اُٹھے کہ پھر دہی چکر، مگر میرے والدین کا احسان و کرم کہ انہوں نے میرے ہوش

سمجھاتے ہی یہ آپ کی ٹل و ڈل پاس ہونے والی تعلیم سے دور رکھ کر قرآنِ محترم کو جو حفظ یاد کر دیا اور پھر جو کچھ ترجمۃ القرآن کی دولت نصیب ہو گئی، تو الحمد للہ کہ معتقدات میں تزلزل نہ رہا جو اسلامیہ کاجوں کے ایم، اے پاسوں میں نظر آتا ہے، اس لئے جب گھر کی یہ ازسرتاپا مخالف فضا، ستانی تھی تو جو چیز سب سے پہلے سامنے آتی تھی وہ یہ کہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ پھر اس کے بعد یہ خیال کہ او اللہ کے بزدل اور بے مبرلاً رموزی بندے تو ہی وہ ہے کہ آئے دن قوم کو بہت، جفا کشی، اولوالعزمی، استغاثت اور حوصلہ عمل کی حیاۃ آراء دعوت دیتا ہے اور تو نے ترکانِ مجاہد اور مصطفیٰ غازی کی جنگ آزما اور فوجِ فشاں جُرات و شہامت کو دیکھا ہے، اور تو نے سرکارِ عرب و عجم صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ وسلم کے عزوات و مجاہدات کی ایمان افروز تفصیلات کو پڑھا ہے، اور تو نے فائدہ بن و لید اور ضرار بن ازور کے اُن صف شکن اور زلزلہ انداز حملوں اور مقابلوں کو سنا ہے جن کی ہمت و شتلاوار کی تڑپ کو نہ یہ فرانس کے پتولین صاحب پاسکے اور نہ جن کے کوہ شکن نیزوں کو یہ بی، اے، پاس طبقے کے سردار و اشکگلن صاحب برداشت کر سکتے تھے، پھر کیا ہے جو تو فکرِ محاش کی شدت سے یوں گھبرا جائے کہ یہ ”عورت ذات“ نام کی ایک کتبہ بھی نہ لکھی جائے اور پھر بھی تو ملّا رموزی کہا جائے؟

بس اس وجدِ آفریں خیال کا طاقتور ہونا تھا کہ یہ آپ کا دُبا پتلا سالّا رموزی اُس حدّ کے جاں آفریں کا نام لیکر لکھنے میں معروف ہو گیا جس نے اسی ملّا رموزی کے سامنے ان لوگوں تک کو لندن پر پونچا دیا جن کے خاندان میں یہ نہ سمجھا جاتا تھا کہ خمر سونیزا فریق میں ہر ایک کلتے کے عجائب خانہ کا نام ہے،

میرے مکرم و محترم دوست مولوی سید سجاد حیدر یلدرمی، اے، جسٹس اسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ایک ملاقات میں فرمایا تھا اور برادرِ ملک نصر اللہ غزنوی، اے، چیف ایڈیٹر اخبار ”زمین“ بخونہ نے میری پریشانیوں کی تفصیل سن کر لکھ دیا تھا کہ ”اربابِ کار“ و اصحابِ شر کے حق میں فطرت بہت زیادہ ظریف واقع ہوئی ہے، چنانچہ جوں ہی کہ کتاب کا کام شروع ہوا کہ فطرت نے منہ چڑانا شروع کر دیا، مثلاً اس کام میں جن مشکلات کا کبھی گمان بھی نہ تھا انہوں نے اب سر نکالا، مالی مشکلات اب انسانی برداشت کے قابل نہ رہیں، مگر خدا و مرجا میرے اُن بہادر و ذی حوصلہ متعلقین کو جنہوں نے مجھے اس اہم دماغی کام میں مصروف پا کر خود کو اس درجہ بھی غموش و صابر بنا لیا کہ واللہ ان کے اس احسان سے میں عمر بھر سبکدوش نہیں ہو سکتا، اس کے سوا مجھ پر اور میرے متعلقین پر امراض کے حملے شروع ہوئے جن کی مدافعت کے وزیرِ جنگ ملّا رتوڑی ہی بنائے گئے، اس کے بعد مجھے کے چند عجیب و غریب لوگوں نے مردم شماری کے سلسلے میں بھانس کر چھوٹے حلقے کے محمد پر اور میرے دو حقیقی بھائیوں پر مقدمات دائر کرنے کے سامان کو درجہ تکمیل تک پہنچا دیا، انہائے شہر میں سے سہا بھوپالی اور محمد مہدی بھوپالی نے وجہ رسالہ ”تیرنگ دہلی“ میں میرے خلاف اس مقصد سے سلسلہ مضامین شروع کر دیا کہ ملّا کو جو معاوضہ رسالوں و اخباروں سے ملتا ہے وہ بند ہو جائے، مگر ان میں سے ایک کو بھی خبر نہ تھی کہ جو ملّا رتوڑی اپنی روح اور خیال کی ہر قوت کو خدائے غالب کیلئے سپرد کر چکے ہیں، جو رسولِ عرب و عجم کی غلامی کا حلقہ پہن چکے ہیں، بالآخر غلبہ اور کامیابی اُسی کیلئے وقف ہوگی

چنانچہ اسی خدا نے لایزال لم یزل کا قول لَا تَقْطُوعُوا پورا ہوا اور بالآخر ظفر و
کامرائی کی کرن اسی تیرہ و تارما حول کے اُفق سے جلوہ گستر ہوئی اور اس دشواری نے
آسانی کی ایک ہلکی سی صورت اختیار کی،

اس لئے جن لائق احترام ہستیوں مجھے اس موقع پر نوازا اُن میں عالی منزلت کیپٹن
نواب زادہ محمد سعید الظفر خاں بہادر باقاعہ، اور گرامی مرتبت کیپٹن
نواب زادہ محمد رشید الظفر خاں بہادر بی اے، کا مرتبہ سب سے عالی اور
نمایاں ہے جبکہ مدوحین نے مجھے اس دماغ سوز کام کے لئے کافی فرصت عطا فرمائی،
اور ایک نوکر کے لئے اس سے سوا کیا چاہیئے کہ وہ آزاد کر دیا جائے،

مگر مشکلات نے بھی مقابلے اور مجاہدے کی خاصی تیاریاں کی تھیں، اس لئے ابھی سکون
فاطر نصیب نہیں ہوا تھا، اور عین اوس وقت جبکہ میں اس کتاب کے (۲۵) صفحات لکھ
چکا تھا اُن مہربان نے ”جوابِ خشک“ عطا فرمادیا، جنہوں نے اس کی طباعت کے
مصافحت کا وعدہ فرمایا تھا، اب پھر وہی ”وعدہ لَا تَقْطُوعُوا تھا اور میں تھا، بارے
وہی ہوا جو کسی آسانی اور خدائی وعدہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے، چنانچہ اس موقع پر میرا دل
بڑھانے والے عالیجناب میجر کنور ممتاز علی خاں بہادر جی، ایس، او، افواج بھوپال
ہوئے، اور کچھ شک نہیں کہ میجر صاحب مدوح کی اس ادب پر ورجو صلہ افزائی نے مجھے
بہت زیادہ آگے بڑھا دیا، اب جو یہ ہوا تو اس لئے نہیں ہوا کہ وعدہ آئی اسی حکمِ محدود
ہو کر رہ جائے، چنانچہ میں نے ارادہ کیا کہ میں اس کتاب کی طباعتی تکمیل کے لئے زباً

اُردو کے ”بیت العلوم“ لاہور جاؤں، پس اس موقع پر صاحبۃ العفت کی سیکم صاحبہ
نواب احمد یار خاں صاحب دولت نے نے جس کمال دوستی کا اظہار
 فرمایا، اُس پر بے ساختہ میرے مُنہ سے یہ دعا نکلی کہ اے خدا تو تمام مسلمان ماں
 بہنوں کو علم و ادب نوازی کے اسی رنگ میں رنگ دے پھر خود گرامی جناب **نواب**
احمد یار خاں صاحب رئیس دولت ناہیم، ایل، سی، نے جن سیم نوازشوں
 کو رزانی فرمایا اُن کی تفصیلات کو میرے ”سفر نامہ پنجاب“ الموسوم ”پنجابِ مہ“ میں ملاحظہ فرما
 پھر میری تصنیفی معاونت میں میرے عزیز و محترم کرمفرامو لوی سید عبدالکریم صاحب بی، اے،
 ایل، ایل، بی، سٹی بمبئی بمبوال، وڈاکٹر سید عبدالمجید صاحب افسر حفظانِ صحت بمبوال
 نے جو حصہ لیا اس کے لئے بھی ہدیہ شکر پیش ہے،

اس میں شک نہیں کہ میں نے اپنے ناقابلِ بیان مصائبِ شدا کا ایک حصہ سے سوا کم حصہ بیان
 کر دیا تا کہ اس سے تصنیفی کمزوریوں کے اسباب معلوم ہو جائیں، اب میں ان حالات پر بھی بعض فوائد
 مستعان اپنے محسنینِ قدردان بہنوں اور بھائیوں کو اپنے ایک باطل ہی نئے ارادے یعنی
 ”دائرہ ادب“ کے قیام کی اطلاع دیدوں، چنانچہ جب میں نے ملکِ مذہب اور قوم کی اصلاح
 و خدمت کی خاطر اپنی بیوی کے فرضی پردے میں حوائینِ ثقت پر مضامین لکھے تو بعض مشہور
 مسیح کے بنے ہوئے دماغوں نے اعتراض کیا کہ امانِ لَاحَوْلَ وَلَا بَلَاءَ کوئی اپنی بیوہ
 یہی مضامین لکھتا ہے، تمہا ایسے پست قامت بزرگوں نے بھی یہی کچھ فرمایا، مگر ان بیچاروں

اگر ہندوستان کے سب سے زیادہ ذی اثر و ذی عزت رہنما جناب گاندھی کی خود نوشتہ سوانح عمری مل جاتی تو وہ دیکھ لیتے کہ اس جلیل القدر انسان نے اپنی بیوی کے حالات کو کس طرح لکھا ہے؟

اسی طرح صوبہ پنجاب تہالی ہند کے سب سے ممتاز و سر بلند رہنما جناب مولانا ظفر علی خاں جی، ایڈیٹر اخبار ”میدار“، لاہور نے باوصف اپنے عظیم المثال ثبات عمل اور جو صلہ استقلال کے اپنے اخبار کی امداد کیلئے متعدد مرتبہ جو طویل سے طویل اپیلیں شائع فرمائی ہیں، قبلہ مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود کمال صبر و جفا کشی اپنے اخبار ”سہدو“ کی امداد کیلئے جو طویل تر مضامین لکھے ہیں اگر وہ سب آپ کے اور دنیا کے سامنے آج بھی موجود ہیں، تو پھر اگر حقیر بے بضاعت مٹا رتوزی محض علم و ادب اور اصلاح کی خاطر و خدمت کی خاطر کوئی ایسی ہی بات کہے تو اُسے شرمانا چاہئے یا معترضین کو؟ اور کیا شک ہے کہ اگر آج مٹا رتوزی بجائے مٹا رتوزی ہونے کے اخبار مٹا رتوزی ہوتا یا کوئی علمی و ادبی رسالہ مٹا رتوزی ہوتا یا کوئی کتاب مٹا رتوزی ہوتا تو اُس کی امداد کیلئے بے شمار اپیلیں اور مضامین شائع ہو چکے ہوتے مگر وہ بے چارہ دن بھر فکرِ معاش میں مبتلا رہ کر آج تک لافِ لعل کو آپ کے لئے لکھتا رہا تو آپ نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ اُس کا دل و دماغ چونکہ جبرئیلی کا بنا ہوا، اس لئے وہ کبھی نہ ٹوٹے گا؟ اس لئے عرض ہے کہ اخبارات اُردو اور رسائل اُردو میں مسلسل پندرہ برس تک کام کرنے سے جو فائدہ پہونچا وہ یہ کہ اس جوانی کے عالم میں بڑھاپے کا لطف شروع ہو گیا ہے، اور اب ہماری تفریح گاہ باغ و بہار کے عوض حکیموں اور ڈاکٹروں

کے مطلب بن گئے ہیں، اور جتنا کبھی ہم گل بنفشہ، غناب، تخمِ خطمی، گلِ نلیوفر، درآب ترکرہ، شند سے واقف تھے آج اُس سے زیادہ ”آپریشن“ اور ”انجکشن“ کی اقسام اور تاثیر سے واقف ہو چکے ہیں، پھر کیا آپ چاہتے ہیں کہ یہ آپ کے مشکل سے کوئی دس بارہ سیروزن کے ملاؤ؟ صاحب کسی ہلکے سے میریا اور زکام ہی میں مبتلا ہو کر اللہ میاں کے پاس یوں چلے جائیں کہ پھر آپ اُن کے بکھرے ہوئے اور گم شدہ مضامین کو ڈھونڈتے پھریں اور کہتے پھریں کہ ارے ہارے لودہ ملاؤ تو زری بے چارہ پرسوں صبح مر گیا!

آپ ڈاکٹر ذاکر حسین فاضل صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، پرنسپل جامعہ ملیہ دہلی، ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم، اے، پی، ایچ، ڈی، ایڈیٹر رسالہ ”جامعہ دہلی“، مولانا ابوالاثر حفیظ جالندھری، مولانا محمد عرفان سیکرٹری سنٹرل خلافت کمیٹی ممبئی، قبلہ میاں احسان الحق صاحب ایم، اے ششن جج کیمیل پور پنجاب سے حلف کے ساتھ دریافت کیجے کہ ملک قوم کے حلیل القدر اصحاب بحشم خود ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ آپ کے ملاؤ تو زری کو ایک نہیں دو نہیں بلکہ متعدد اور ذی مرتبہ رؤساء، امراء، گرامی منزلت گیات، نوابوں، اور والیان ملک کی کافی سے زیادہ ہمدردی، قربت، اور نوازش حاصل ہے، مگر ان فیاضِ قدر دال صحابِ مقدرت کی فکرِ معاش سے ہمیشہ کیلئے آزاد بنا دینے والی قربت و آسودگی سے ملاؤ تو زری جو آج تک درد اور گریزاں رہا وہ محض اس لئے اور بجل لئے لایزال اس لئے کہ کہیں ان بلند مرتبہ اور عالی وقار حضرات کی عطا کی ہوئی فرصتوں اور عیش سامانیوں میں گم ہو کر مضمون نگاری کی خدمت و قوت سرد نہ پڑ جائے، مگر ہماری اس قربانی پر کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم کسی

عالی مرتبہ رئیس کے پورے نہ سہی آدھے ہی، اے، ڈی، ہی، بنکر یا کسی حکومت کے سیکریٹری صاحب، ہو کر یوں ختم ہو جائیں کہ پھر ہمارا نام دفتر اور کچہریوں کے کاغذات میں توٹے مگر نہ ٹوٹے تو آپ کو اخباروں، رسالوں، اور کتابوں میں؟

پس اگر آپ چاہتے ہیں کہ ملّار تونزی کا سلسلہ نگارش جاری رہے تو اسے فکرِ عاقل و ملازمت سے آزاد کرانے کی ہر اس تدبیر کو عمل میں لائیے جو آپ کے اختیارِ واثر میں ہو، اور یہ اس وقت جب آپ کو سی، آئی، ڈی والے تک حلف سے یقین دلا دیں کہ ہاں ملّار تونزی کی ماہوار غذا مبلغ سو روپیہ میں تیار ہوتی ہے،

اس کے بعد ملّار تونزی کے عمل کو استوا اور زیادہ دیر پا صورت میں جاری رکھنے کیلئے اس مضمون کو پڑھتے ہی مبلغ ایک روپیہ چندہ ملّار تونزی، بھوپال، کے پتے پر اس فنڈ کیلئے بھیج دیجو ملّار تونزی نے دائرہ ادب، کے نام سے اپنی تالیف و تصنیف کیلئے کھولا ہے یعنی اس فنڈ کے سرمایہ سے ملّار تونزی اب بجائے اخباروں اور رسالوں مضمون لکھنے کے خود کتابیں بنکر شائع ہوا کرے گا اس سے ایک فائدہ تو یہ ہے آپ کو ملّار تونزی کے مضمون کیلئے بے شمار اخبار اور رسالے تلاش نہ کرنا پڑیں گے بلکہ اس کا تمام ذخیرہ ایک کتاب کی صورت میں آپ تک پہنچ جائیگا، دوسرے یہ کہ کتابی صورت میں جو ذخیرہ محفوظ ہو گا وہ ہر قدر دان کو اس کی طلب فرمائش پر پھونچ جائیگا مگر دوسروں کے رسالوں اور اخباروں کو ملّار تونزی اپنے ہر قدر دان تک نہیں پہنچا سکتا،

اب دیکھیں یہ ۲۴ کروڑ ہندو بھائیوں میں سے کوئی اس سوال کو پورا کرتا ہے یا نہیں

کرد مسلمان بھائیوں میں سے تاکہ ہم بھی اُس کے نام کو اپنی کتابوں میں یوں محفوظ کر دیں جس طرح سعدی علیہ الرحمۃ اپنی گلستاں کے دیباچے میں اپنے محسن بادشاہ اتابک اعظم کا نام یوں لکھ گئے ہیں کہ جو شخص بھی گلستاں پڑھتا ہے اُسے خواہ مخواہ پہلے بادشاہ اتابک کا نام پڑھنا پڑتا ہے،



اصل کتاب میں جن کمزوریوں کو آپ نے محسوس فرمایا ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بیوی کی ترتیب کو دیکھ کر آپ کہنا شروع کر دیں گے کہ واہ ملا رموزی صاحب اور وہ ایڈیٹر کی بیوی تو لکھی ہی نہیں اور وہ تھانیدار کی بیوی تو لکھی ہی نہیں، اور وہ ہمارے ایک دوست منشی بدھو خاں کی بیوی تو لکھی ہی نہیں اور ہاں ملا صاحب ذرا وہ ہمارے محلے میں ایک عجیب قسم کے قاضی صاحب رہتے ہیں اُن کی بیوی کو بھی لکھ دینا،

پس ایسے دماغ کے ناظرین سے عرض ہے کہ آپ مہربانی فرما کر اس قسم کے مشورے کا اظہار کسی ذی ہوش و دربانے نظر انسان کے سامنے نہ کریجے گا ورنہ آپ کو بہت زیادہ خرمندہ ہونا پڑے گا کیونکہ دنیا کی ہر بیوی لکھنے کے قابل نہیں ہوا کرتی اور اسی لئے اس کتاب میں اُن بیویوں کا تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح جماعت کو متاثر کر سکتی ہیں، اور بس، مثلاً کو تو ال کی بیوی کا خیال تو لطیف ہے لیکن اسے اس لئے نہیں لکھا کہ اس کے حالات عوام و خواص سے کوئی علاقہ نہیں رکھتے، و قس علی ہذا، البتہ دوسری اشاعت کے لئے ذیل کی بیویاں محفوظ ہیں جو بہت کم اشرا ت کے ساتھ جماعت کی طرف بڑھتی نظر آ رہی ہیں مثلاً ایڈیٹر کی بیوی، لیڈر کی بیوی، ہندوستان کی

انگریزی بیوی، ڈاکٹر بیوی، اور بعض اور،
 یہ بھی نہ کہیے کہ وہ ملا صاحب فلاں بیوی کے حالات میں آپ نے یہ تو لکھا ہی نہیں، اور
 وہ تو چھوڑ ہی گئے، کیونکہ اس قسم کے اعتراضات سے آپ ذہنی حالت کی پستی ثابت
 ہوگی، کیونکہ ”خاکہ کش“ میں جزئیات کی تفصیل درکار ہے اُس کے موافق کبھی آپ
 نے اپنے ملا رموزی کو فکر معاش سے آزاد کر کے مہلت بھی دی کہ وہ دنیا کی ہر عورت
 کی کافی نقل و حرکت کو اپنی ذاتی آنکھوں سے دیکھ سکتا؟

اچھا اب اگر یہی ہے کہ ہندوستانی ہونے کے اثر سے ہمیں ہر چیز کے عیوب ہی عیوب
 دیکھنا آتا ہے تو پھر آج یہ بھی دیکھئے کہ اس کتاب کی خوبیوں پر آپ کی ادبی انجمن میں
 کونسا خطاب عطا فرماتی ہیں، آپ کے دولت مند ہمیں کتنا انعام دیتے ہیں؟ کونکہ
 ذرا انصاف تو فرمائیے کہ ایک غبار آلودہ جھونپڑے میں بیٹھ کر اتنی بیویوں کی زندگی
 کے جزئی سے جزئی حالات و خواص پر اٹنا لکھ دینا خدائے فیاض و منعم کی نوازش
 نہیں تو کیا ملا رموزی کی تیر اندازی ہے؟

آخر میں کمالِ ادب و نیک نیتی عرض ہے کہ جن ماں بہنوں کے حالات سے اس
 کتاب کے حالات موافقت کریں انھیں چاہئے کہ وہ ٹھنڈے دل اپنے حالات کی
 اصلاح فرمائیں کہ اس کے سوا ملا رموزی کی کوئی اور غرض نہیں،
 تالیف و تحریر کی نزاکتوں سے جو حضرات واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ کسی جالب انگیز
 مضمون کو شامیتہ الفاظ میں ادا کرنا کس درجہ مشکل کام ہے، پس میں نے ایسے مقالا

میں جو کوشش کی ہے اُس میں اس حد تک تو احتیاط کو ملحوظ رکھا ہے کہ ایک جگہ امراض کی تفصیل لکھتے ہوئے اُن امراض تک کے نام چھوڑ دیئے ہیں جو عموماً اخبارات اور رسالوں میں بے تامل شائع ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح ہر بیوی کے ایسے حصّہ زندگی کو ترک کر دیا ہے، جسے پڑھتے وقت ادلّے سے حجاب پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، اس پر بھی اسلامی آداب کلام کے موافق میں اپنے محترم ناظرین و ناظرات سے اپنے ہر قسم کے سہو کلام پر معافی چاہتا ہوں، اب کہیے آپ کو وہ میرا ارادہ والا معاملہ یاد ہے؟

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا نَصِفُوْنَ هٗ
وَصَلِّ اللّٰهُ عَلٰی نَبِيِّ الْمَصْطَفٰی وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
مُلَّا رَمُوزِی



اخباری برادری کا شکریہ

اپنوں اور یگانوں کی قابلِ صلہ نعمت ناقدر دانی اور لائقِ نغریں و ملاست
 بے اعتنائی اور طفلانہ اکثر فوں کے مقابل جب ملازموزی ہندوستان کے طلیل القدر
 اور وسیع الاثر ہندو مسلمانوں، محترم خواتین اور لائقِ عظمت بیگمات کے ساتھ ساتھ
 ذمی اثر سے ذمی اثر اخبارات و رسائل کو اپنے حق میں ہر آن و ہر لحظہ وقف پاتا،
 تو اسلامی آداب احسان شناسی اور مسرت و شادمانی کے جذبات بے پایاں سے
 اس کا دل و دماغ یوں لبریز و متاثر نظر آتا ہے گویا دنیا میں اُسے کبھی کوئی تخلیف ہی
 نہیں بھونچتی تھی، اور کچھ شک نہیں کہ یہی وہ شریف و عزیز برادری ہے جس نے ملازموزی
 کے لئے ہمیشہ اپنی ہر قدرت کو وقف رکھا، چنانچہ اس کتاب کے اشتہارات کے لئے
 اس برادری نے جس خلوص اور وسعتِ قلب سے اپنے صفحاتِ بغیر کسی معاوضہ
 کے ملازموزی کو عنایت فرمائے ملازموزی اُن کے لئے سراپا سپاس ہے،
 اور چاہتا ہے کہ اُن معزز و محترم پڑچوں کی ایک فہرست بطریقِ یادگار و شکرِ کرم اپنی
 اس کتاب میں محفوظ رکھے،

نمبر شمار	امید یار سال	مقام انتظام	روز شمار	حکمت علی یا مقصد اشاعت	چند سال	پتہ
۱	اخبار زمیندار	لاہور	روز شمار	انتہا پسند، اردو میں سیاست اور دینی لا اقلیوں کی مخالفت پر جسکے بعد اردو اخبارات کا رجحان بخوبی گریختا اخبار، لطافت و صحت تحریر کا بے مثل نمونہ ہندو مسلم اتحاد کا دعائیہ مالک مولانا ظفر علی خاں فی، اے	۷۷	میجر اخبار زمیندار لاہور
۲	اخبار انقلاب	"	"	انتہا پسند، فاضل سلاطین قومیت کا مخالف، سلاطین کا جسکے جبری بے آکر خطیبہ، لطافت، انشا، طوالت عجیبی اور جو شغل بہت کم دماغ افروز نمونہ، ایڈیٹر مولانا سالک فی، اے، فشی فاضل	"	میجر اخبار انقلاب لاہور
۳	اخبار انجمنیہ	دہلی	"	تمام ہندوستان کا اردو اخبارات کے خیالات کا ترجمان، ملک کے اہم سیاسی اور سلاطین حالات پر غایت مدبرانہ بیانی اور حیات کی گفتنی والہ، اسلامی شریعت کے اصول اور مسائل کے حل و تقریرات کا احاطہ ذریعہ، اس کا ایک پریمی ہے دینا ہی شائستگی بہت ہے، ایڈیٹر طالب محمد زہری فی، اے	لکھنؤ	میجر اخبار "انجمنیہ" دہلی

نمبر	نام اخبار یا رسالہ	محلہ اختراع	وقت	مکتبہ ملی یا مستند مقامات	ذیل
۵	رسالہ ارغوان دہلی	دہلی	۱۱	پیر خاص مقامات شائع کر دیا والا، کتابت روزی صاحب کی مضامین صدر	نمبر سترہ، رسالہ ادیب بنیاد
				پچھلے چار والا، ایڈیٹر مولانا حفیظ باللہ مدنی،	
				مولانا اشرفیت دہلی، ایڈیٹر، اذانیات اردو، بنیادیت، دفعہ خاص	
				مضامین شائع کر دیا والا، دہلی کے شریعہ علی زبان اور گجراتی اردو	
				کا مجموعہ، بنیادیت حسین با تصویر اور کم قیمت پر چھپا کر روزی صاحب	
				کے مضامین پچھلے والا،	
۱۱	رسالہ صوفی	گجرات	۱۱	تصوف اور اسلامیات پر تیرے مضامین لکھنے والا، مجموعہ پر چھپا کر	نمبر سترہ، رسالہ صوفی بنیاد
		پنجاب		مظاہر مبدوں کا دشمن، طلبہ کی اصلاح کا بہترین ذریعہ، کتابت صاحب کے	
				مضامین کو پابندی سے شائع کرنے والا،	
۱۲	رسالہ سیملی	لاہور	۱۲	خواتین اور لڑکھوں کی اصلاح و ترقی اور تیرے بہت سے کام سب سے	نمبر سترہ، رسالہ سیملی
				بلند رسالہ، با تصویر اور رسالہ ذخیرہ خاص، کتابت شائع کر دیا والا،	
۱۳	رسالہ محکم	انور	۱۳	ایڈیٹر، ڈاکٹر عزیز، انڈی، ادبیات اردو اور مذہبان اردو سے	نمبر سترہ، رسالہ محکم
				محبت رکھنے والی کچھ برادری کا حصہ پچھلے اور شائع رسالہ	

